انتظار مہدی ومسیح

فن رجال کی روشنی میں

محدث العصر، جامع العلوم

حضرت علامہ تمنا عمادی مجیبی پھلواروی

ناشر

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

ون۔ اے۔ ۳/۷ ناظم آباد۔ کراچی ۷۴۶۰۰

فون ۶۱۱۴۴۸

حضرت علامہ تمنا عمادی مجیبی پھلواروی

انتظار مہدی ومسیح

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی مطبوعات

علامہ حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی کی تالیفات۔

۱۔ مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت حصہ اول ۷۵٫۰۰
۲۔ 〃 〃 〃 حصہ دوم ۷۵٫۰۰
۳۔ 〃 〃 〃 حصہ سوم ۷۵٫۰۰
۴۔ 〃 〃 〃 چہارم ۷۵٫۰۰
۵۔ شب برات ایک تحقیقی جائزہ ۸۰٫۰۰
۶۔ صحابہ کرام قرآن کی نظر میں ۵۰٫۰۰
۷۔ کیا ہمارا قرآن ایک ہے؟ ۵۰٫۰۰
۸۔ عقیدۂ ایصال ثواب قرآن کی نظر میں ۴۰٫۰۰
۹۔ فاتحہ خلف الامام ۱۵٫۰۰
۱۰۔ تحقیق عمر عائشہ رضہ ۱۲٫۰۰
۱۱۔ شب برات کیا ہے؟ ۱۰٫۰۰
۱۲۔ عقیدۂ ظہور مہدی ۱۰٫۰۰
۱۳۔ کیا متعہ حلال ہے؟ ۵٫۰۰
۱۴۔ اسلام میں حفظ مراتب ۴٫۰۰
۱۵۔ سماع حسن بصری ۵٫۰۰

علامہ تمنا عمادی کی تصنیفات

۱۔ اعجاز القرآن اور اختلاف قرأت ۱۵۰٫۰۰
۲۔ انتظار مہدی ومسیح ۷۵٫۰۰
۳۔ جمع القرآن ۷۰٫۰۰
۴۔ مذاکرہ
۵۔ امام زہری وامام طبری (تصویر کا دوسرا رخ)
۶۔ وراثت (زیر طبع)

ٹرسٹ کی دیگر مطبوعات

۱۔ قرآن آخری معجزہ (احمد دیدات) ۱۴٫۰۰
۲۔ شمع حقیقت (قاضی محمد علی) ۷۵٫۰۰
۳۔ حقیقی اہل بیت رسول (السید ...) ۸٫۰۰
۴۔ تقلید (مولوی محمد ...) ۴٫۰۰

ہر بڑے کتب فروش سے دستیاب ہیں۔

شائع کردہ

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

۳۔ ۷۔ اے۔ بلاک نمبر ۱۔ ناظم آباد کراچی ۷۴۶۰۰ (فون ۶۶۲۱۴۴۹-۶۶۲۷۸۴۰)

مفکر اسلام، مصور پاکستان، علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کی فرمائش پر

انتظار مہدی و مسیح

فن رجال کی روشنی میں

از

محدث العصر، جامع العلوم

حضرت علامہ تمنا عمادی مجیبی پھلواروی

ناشر

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

۳-۷-اے بلاک نمبر ۱۔ ناظم آباد۔ کراچی ۷۴۶۰۰

فون نمبر ۶۲۱۴۴۹

ebooks.i360.pk

سلسلۂ اشاعت ـــــ (۲۳)

بار دوم

ماہ جولائی ۱۹۹۴ء ـــــ محرم الحرام ۱۴۱۵ھ

نام کتاب: ـــــ انتظار مہدی و مسیح

مؤلف: ـــــ علامہ تمنا عمادی مجیبی پھلواروی

کتابت: ـــــ اے ایم کمپیوٹر کمپوزنگ

صفحات: ـــــ ۳۱۲

طباعت دوم ـــــ چھ سو (۶۰۰)

قیمت کتاب ـــــ پچھتر روپیہ (-/۷۵)

طباعت ـــــ احمد پرنٹرز ناظم آباد کراچی

ناشر

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

۳-۷-اے بلاک نمبر ۱ ـــ ناظم آباد ـــ کراچی ۷۴۶۰۰

فون نمبر ۶۲۷۸۴۰ - ۶۲۱۴۴۹

فہرست

ابتدائیہ

علامہ تمنا عمادی نے زیر نظر مقالہ (خروج مہدی و نزول عیسیٰ) حضرت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کی فرمائش پر قلم بند کیا تھا جبکہ وہ (ڈاکٹر اقبال) فرقہ قادیانیت کی تحقیق میں معروف تھے۔ گو یہ نظریہ مسلمانوں کی ایک غالب اکثریت میں عقیدہ کے طور پر مانا جاتا ہے لیکن جملہ مسلمانوں کا اس پر اجماع نہیں ہے۔ متعدد قابل ذکر علمائے تحقیق نے ان پر جرحیں کی ہیں

ان محققین میں علامہ ابن حزم سے امام ابن تیمیہ تک ہی نہیں بلکہ موجودہ دور میں علامہ شیخ محمود شلتوت مفتی مصر اور برصغیر کے مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ ہم بھی نزول مسیح کے قائل نہیں تھے۔ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کا تو یہ شعر بہت مشہور ہے

یعنار دل پہ اپنے خدا کا نزول دیکھ
اب انتظار مہدی و عیسیٰ بھی چھوڑ دے

پاکستان کے عصر جدید کے ایک مشہور عالم دین نے تو اس نظریہ کو مدار کفر و دین بنا دیا ہے انہوں نے نبی اور رسول کے فرق کو اپنے عالمانہ زور خطابت سے ثابت کر کے یہ ارشاد فرمایا کہ " رسول کبھی مغلوب نہیں ہوتا۔ حضرت ابراہیمؑ کو آگ سے، حضرت موسیٰؑ کو دریائے شور سے اور حضرت نوحؑ کو طوفان سے نجات دلا کر کافروں پر غالب کر دیا۔ حضرت عیسیٰؑ چونکہ اپنی تبلیغی کاوشوں میں کامیابی سے ہم کنار نہ ہو سکے تھے اس لئے بھی اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ کو دوبارہ دنیا میں واپس لائیگا تاکہ وہ (اللہ تعالیٰ) مخالف دین قوتوں پر انہیں غلبہ عطا فرمائے۔ " حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ استدلال قرآن کی رو سے صحیح نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو حضرت عیسیٰؑ کو ان کی زندگی میں ہی کفار پر غلبہ عطا فرما دیا تھا سورہ صف کی آخری آیت میں فرمایا گیا ہے کہ " حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں تو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ تو ایمان لے آیا اور ایک گروہ کافر رہا۔ آخر الامر ہم نے ایمان لانے والوں کو ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں مدد دی اور وہی غالب رہے "۔ اس غلبہ کا مشاہدہ کرنا ہے تو دیکھ لیجئے کہ اس وقت دنیا میں یہودیوں (بنی اسرائیل) کا تناسب آبادی عیسائیوں کے مقابلہ میں ایک فی صد ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک حدیث صحیح بخاری میں ہے فرماتی ہیں کہ:-
" عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضہ الذی لم یقم منہ لعن اللہ الیہود و النصاری اتخذو اقبور انبیاء ہم مساجد ولو لا ذلک ابرز قبرہ غیر انہ خشی ان یتخذ مسجد "

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس مرض میں جس سے اٹھنا نصیب نہ ہوا ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا ۔ حضرت عائشہؓ مزید فرماتی ہیں کہ اگر یہی خوف نہ ہوتا کہ کہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو سجدہ گاہ نہ بنا لیا جائے تو قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو باہر کھلا چھوڑ دیا جاتا۔" یہودیوں میں تو بہت سے نبی اور رسول گذرے ہیں لیکن عیسائیوں میں تو صرف ایک ہی رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوئے ہیں اور اس حدیث کی رو سے ان کی قبر کو بھی عیسائیوں نے سجدہ گاہ بنا لیا تھا تو کیا اس حدیث کی رو سے حضرت عیسیٰؑ کی طبعی موت اور ان کا قبر میں دفن ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اللہ کے رسول کے الفاظ وحی الہیٰ ہوتے ہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احاطہ میں تین قبروں کے علاوہ (یعنی قبر نبیؐ، قبر ابو بکرؓ اور قبر عمرؓ) ایک اور قبر کے لئے جگہ چھوڑ دی گئی ہے تاکہ بقول ان کے جب حضرت عیسیٰؑ دوبارہ دنیا میں تشریف لاکر اپنی طبعی موت مریں تو انہیں اسی احاطہ نبوی میں دفن کیا جائے اس روایت میں کوئی صداقت نہیں کیونکہ عینی مشاہدہ ہے کہ اس احاطہ میں کوئی خالی جگہ نہیں جہاں کوئی چوتھا فرد دفن کیا جاسکے۔

ناظرین کو اس مقالہ سے یہ بھی اندازہ ہو جائیگا کہ اس سلسلہ میں جتنی روایات بیان کی گئی ہیں وہ تمام تر موضوع، من گھڑت اور ایک ہی ٹکسال کی ڈھلی ہوئی ہیں۔ ان کے رواۃ زیادہ تر شیعہ ہیں اور صدر اول کے پہلے جامع حدیث ابن شہاب زہری ہیں جو خود بھی اتفاق سے شیعہ ہیں اور ان کی وضع کردہ راویتیں ان کے ہی شاگردوں نے آگے بڑھائی ہیں۔

احادیث اور روایات کو پرکھنے کے لئے ایک میزان، ایک پیمانہ اور ایک کسوٹی موجود ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی بتا دی ہے حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔
" تکثر لکم الا حادیث بعدی فما روی لکم حدیث عنی فاعرضو علی کتب

اللہ فما وافق قبلوہ و ماخالفہ فردو۔" "میرے بعد حدیثوں کی بڑی کثرت ہوگی تو جو حدیث مری طرف منسوب کرکے تمہارے سامنے راویت کی جائے اس کو کتاب اللہ (قرآن مجید) کے سامنے پیش کرو۔ اگر اس کے موافق پاؤ تو قبول کر لو۔ اور اگر اس کے خلاف پاؤ تو رد کر دو۔"

اس حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اس سارے معاملہ کو پرکھئے اور دیکھئے کہ کیا خروج مہدی و نزول عیسیٰؑ کا قرآن مجید میں کہیں دور دور تک بھی پتہ ہے۔ قرآن کا یہ وصف ہے کہ اس نے عقائد اور ایمانیات کی تمام باتیں بہت واضح، کھول کھول کر اور مختلف پیرائے بیان میں بتادی ہیں اور کوئی ابہام نہیں چھوڑا ہے تاکہ وہ لوگ جو ایمان لائیں ان باتوں کو ذہن نشین کرلیں اسی کے مطابق عمل پیرا ہوں اور کسی تذبذب یا غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ نزول عیسیٰؑ کا معاملہ بھی اگر عقائد میں شامل ہوتا جس پر نجات کا دارومدار ہوتا تو اس کو قرآن میں واضح طور پر بیان کیا جاتا۔ کیونکہ قرآن ہی اسلامی عقائد کا واحد مرجع و منبع ہے۔ سارا قرآن پڑھ جائیے اس میں کوئی واضح اور صریح آیت اس مضمون کی نہیں ملے گی۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ ایسا مہتم بالشان امر قرآن شریف میں مذکور نہ ہو اور کوئی ایک آیت بھی ایسی نہ ہو جس میں " صراحتہ مسیح کی آمد ثانی کا تذکرہ ہو۔ قرآن کی رو سے ساری بات دو فقروں میں ختم ہو جاتی ہے ایک یہ کہ حضرت عیسیٰؑ دیگر انبیاء کرام کی طرح وفات پاگئے اور دوسرے یہ کہ قرآن کی رو سے کوئی مرا ہوا دوبارہ دنیا میں نہیں آیا کرتا۔

اس مسئلہ کا ایک اور پہلو سے بھی جائزہ لیا جانا چاہئے اقوام عالم کے تمام ادیان کا اگر عمیق نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ کسی موعود ہستی کے دوبارہ آنے کا تصور کسی مخصوص فرقے کا عقیدہ نہیں ہے بلکہ یہ تصور تقریباً تمام باطل مذاہب میں پایا جاتا ہے امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ " جو امت اپنی بد اعمالی کی پاداش میں بدبختی کا شکار ہو جاتی ہے وہ بڑی یاس و حسرت کے ساتھ اپنی گذشتہ حالت کا انتظار کرتی ہے پھر وہ کافی عرصہ تک اس امید کے سہارے اپنے آپ کو مطمئن کرتی رہتی ہے کہ کوئی نہ کوئی

۱؎ یہ حدیث مشہور حنفی امام قاضی امام ابو یوسف کی کتاب " الرد علیٰ سیر الاوزاعی" میں موجود ہے اور اصول فقہ کی مشہور کتاب " توضیح وتلویح" اور اس کے حاشیہ نگار سید السند کے زمانہ تک یہ بخاری کے نسخوں میں بھی موجود تھی کیونکہ ان حضرات نے اسے بخاری کے حوالے سے ہی پیش کیا ہے۔

موعود ہستی ضرور آئے گی اور وہ انہیں اس ذلت اور پستی کے عالم سے نکال کر دوبارہ بام عروج تک پہونچا دے گی چنانچہ عیسائیوں کا عقیدہ بھی ہے کہ آخر زمانہ میں حضرت عیسیٰ بادلوں کے ذریعہ آسمان سے نیچے اتریں گے اور عیسائیت کو تمام ادیان پر غالب کر دیں گے۔ اسی طرح شیعہ کے نزدیک بھی یہ عقیدہ ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے کہ حضرت مہدی جو ان کے بارہویں امام ہیں آخر زمانہ میں ظاہر ہو کر ساری دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔"

(الملل والنحل)

حاصل کلام یہ ہے کہ جس مسئلہ کا قرآن کریم میں کوئی تذکرہ نہ ہو وہ عقائد اور ایمانیات کا مسئلہ نہیں بن سکتا اور اسی وجہ سے وہ مدار کفر و ایمان بھی نہیں ہو سکتا خواہ وہ مہدی کا مسئلہ ہو یا نزول مسیح ملکا۔

ہم نے علامہ ابن خلدون کے مقدمہ سے مقالہ نظریہ مہدی بھی اس کتاب میں شامل کر دیا ہے، آپ بھی ان کی تنقید پڑھیں تاکہ اصول حدیث کی رو سے تمام روایتوں پر انہوں نے جو جرح کی ہیں ان سے اس نظریہ کی غلطی کا علم ہو جائے۔

وما علینا الا البلاغ

۷/ اگست ۱۹۹۲ء — نظام الدین خاں

اشاعتِ ثانی

کتاب ہٰذا کا دوسرا ایڈیشن حاضر ہے اس میں مضامین کی ترتیب میں کچھ مفید تبدیلیاں کی گئی ہیں۔ کچھ مزید وضاحتیں بھی ہیں اور کتابت کی اغلاط کو درست کرنے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ امید ہے قارئین اب اس سے بہتر طور پر استفادہ کر سکیں گے۔

اسی دوران ہمارے ایک بہت عزیز دوست، ادارہ کے ساتھی اور بڑی لگن اور انہماک کے ساتھ کام کرنے والے رکن جناب عمران الحق صدیقی ہم سے بچھڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ انھیں ان کی خدماتِ دینی کا اچھا بدل دے۔ اور انھیں اپنے جوارِ رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین

ابھی یہ زخم مندمل بھی نہ ہونے پایا تھا کہ ادارہ کے ایک اور ساتھی جناب محمد رفیق صاحب ایک حادثاتی موت کا شکار ہو گئے۔ اور ادارہ کو اپنی بیش بہا آراء اور پر خلوص مشوروں سے محروم کر گئے۔ ادارہ ان ہر دو مرحومین کے لیئے دعائے مغفرت کرتا ہے اور ان کے پس ماندگان کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔

سوگوار
شفاعت احمد صدیقی
چیرمین الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ رجسٹرڈ

نقل فتویٰ

۔۔۔۔۔از۔۔۔

مفتی محمد طاہر مکی

تائید از

مولانا مفتی محمد اسحاق صدیقی ندوی

- ○ صدر مفتی جامعہ مدینۃ العلوم اورنگ آباد۔ کراچی ۱۸
- ○ سابق سابق شیخ الحدیث و مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
- ○ کنوینئر مجلس تحقیقات شرعیہ ندوہ لکھنؤ
- ○ صدر شعبہ دعوت و ارشاد جامعہ بنوری ٹاؤن۔ کراچی
- ○ صدر کل پاکستان سنی کونسل
- ○ پاکستان کے اولین دستوری خاکے "اسلام کا سیاسی نظام" کے مصنف

دفاع صحابہؓ پر مبنی مشہور کتاب اظہار حقیقت (۳ جلد) کے مصنف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال (استفتاء)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ: ہمارے دفتر میں ایک قادیانی ملازم ہے۔ اس سے کبھی کبھار ہماری مذہبی گفتگو ہو جاتی ہے۔ کل اس نے ایک عجیب بات کہی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک آنے والے کے انتظار کا عقیدہ بہت ضروری ہے جو قرآن سے بھی ثابت ہے، متواتر حدیثوں سے بھی ثابت ہے اور اس پر تمام

مسلمانوں کا اجماع بھی ہے۔

اس قادیانی کا کہنا ہے کہ ہمارے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی صاحب نے اس پر ایک کتاب شھادہ القرآن کے نام سے لکھی ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ انتظار مسیح کا عقیدہ قرآن سے بھی ثابت ہے، متواتر حدیثوں اور مسلمانوں کے اجماع سے بھی ثابت ہے۔۔۔ اسلئے انتظار مسیح پر ایمان نہ رکھنے والے کافر ہیں۔۔۔ پھر اس نے ہمیں علامہ اقبال، مولانا ابو الکلام آزاد اور مولانا عبید اللہ سندھی کی تحریریں دکھائیں جس میں ان تینوں حضرات نے انتظار مہدی و مسیح کو بطور عقیدہ ماننے سے انکار کیا ہے۔ یہ تحریریں دکھا کر اس نے ہم سے مطالبہ کیا کہ تم لوگ ہمیں تو بلاوجہ کافر کہتے ہو، ان اپنے بزرگوں کو کافر کہو، اور جو انہیں کافر نہ مانے انھیں بھی کافر کہو۔ ظاہر ہے ان حضرات کو سوائے قادیانیوں کے کوئی بھی کافر نہیں کہتا تو کیا سارے مسلمان کافر ہیں؟ ان بزرگوں کی تحریر وں کے فوٹو اسٹیٹ ہم آپ کے پاس بھیج رہے ہیں۔ براہ کرم آپ ہماری اس الجھن کو دور کرکے ہمیں ممنون فرمائیں۔

سائل

ندیم احمد۔۔۔ خدا داد کالونی

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سائل کے قادیانی دوست نے اپنے نبی مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کے جتنے دعوے انتظار مسیح کو جزو ایمان قرار دینے کے متعلق نقل کئے ہیں، وہ تمام دعوے غلط ہیں۔

۱۔ مرزا صاحب کا دعویٰ ہے کہ انتظار مسیح کو ایمانیات کا جزو سمجھنے کا عقیدہ مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ ہے۔ جواب یہ ہے کہ مرزا صاحب کا یہ دعویٰ جھوٹا دعویٰ ہے۔ کیوں کہ مشہور امام ابن حزم متوفی ۴۵۶ھ اپنی کتاب مراتب الاجماع میں صراحت کے ساتھ لکھتے ہیں کہ نزول مسیح کا عقیدہ متفقہ نہیں بلکہ اختلافی ہے۔ ان کی عبارت یہ ہے۔

وانہ لا نبی مع محمد صلی اللہ علیہ وسلم ولا بعدہ۔ الا انھم اختلفوا فی عیسی علیہ السلام ایاتی قبل یوم القیامہ ام لا، وھو عیسی بن مریم المبعوث الی بنی اسرائیل قبل مبعث محمد علیہ السلام۔

مفہوم یہ ہے کہ بلاشبہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں یا آپ کی وفات کے بعد کوئی نبی ہرگز نہیں آسکتا۔ ہاں مسیح علیہ السلام کے بارے میں مسلمانوں میں اختلاف ہے کہ وہ قیامت سے قبل دوبارہ تشریف لائیں گے یا نہیں۔

(مراتب الاجماع، باب من الاجماع فی الاعتقادات ص ۱۷۳ مطبوعہ بیروت لبنان)

امام ابن حزم کی اس کتاب پر امام ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ نے ایک حاشیہ لکھا ہے جس کا نام نقد مراتب الاجماع ہے۔ امام ابن تیمیہ کی یہ کتاب امام ابن حزم کی کتاب کے ساتھ ہی شائع ہوئی ہے۔ اس میں بھی امام ابن حزم کے اس بیان پر کوئی تنقید نہیں کی گئی جس کا مطلب یہ ہے کہ امام ابن تیمیہ بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ نزول مسیح کا مسئلہ

متواتر اور اجماعی نہیں بلکہ اختلافی ہے۔

۲۔ مرزا صاحب کا دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ نزول مسیح کا عقیدہ قرآن مجید سے ثابت ہے۔ جواب یہ ہے کہ مرزا صاحب اپنے اس دعوے میں بھی جھوٹے ہیں۔ مرزا صاحب کی کتاب شہادۃ القرآن آج بھی موجود ہے جس کا جی چاہے اس کا مطالعہ کرلے۔ اس کو معلوم ہوجائے گا کہ مرزا صاحب نزول مسیح کو ثابت کرنے کے لئے قرآن کریم کی کوئی ایک آیت بھی ایسی پیش نہیں کرسکے جس میں نزول مسیح کی یا انتظار مسیح کی صراحت ہو۔ اس کے برعکس حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے بعد آنے والے یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو پیش گوئی کی تھی دیکھئے وہ کتنی صراحت سے قرآن کریم میں موجود ہے جسے ہر شخص بغیر کسی روایت کے سہارے کے یا مفسر کی وضاحت کے خود قرآن مجید میں دیکھ سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس شخص کے ماننے نہ ماننے پر مدار کفر و اسلام ہو اسکا تذکرہ اتنی ہی صراحت سے ہونا بھی چاہئے۔ ملاحظہ ہو سورہ صف۔

و اذ قال عیسیٰ ابن مریم یبنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التوراۃ و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسم احمد - فلما جآء ھم بالبینت قالوا ھذا سحر مبین۔ ٦١|٦

اور یاد کرو عیسیٰ بن مریم کی وہ بات جو اس نے کہی تھی کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں اس توراۃ کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے۔ اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔ مگر جب یہ نبی پیشن گوئی

کے مطابق تشریف لے آئے تو کافروں نے کہا کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔

۳۔ مرزا صاحب کا تیسرا دعویٰ یہ ہے کہ نزول مسیح کا عقیدہ متواتر حدیثوں سے بھی ثابت ہے۔ جواب یہ ہے کہ مرزا صاحب کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے۔ کیوں کہ واقعی متواتر حدیث وہ ہوتی ہے جس پر کسی مسلمان کا اختلاف کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ اگر کوئی چیز واقعی قرآن کریم کی صراحت سے یا واقعی متواتر حدیثوں سے ثابت ہو تو پھر ایسے مسئلہ سے اختلاف کرنے والا مسلمان نہیں کافر قرار پاتا ہے۔ اس کے اختلاف کو قابل ذکر قرار دے کر اس مسئلہ کو غیر اجماعی قرار نہیں دیا جاتا جیسا کہ امام ابن حزم نے اپنی کتاب مراتب الاجماع میں کیا ہے۔ ہاں جن احادیث کے متعلق علماء کے درمیان اختلاف ہو کہ بعض کے نزدیک وہ متواتر ہوں اور بعض کے نزدیک متواتر نہ ہوں، ایسے اختلاف کی صورت میں ظاہر ہے پھر وہ حدیث اجماعی نہیں رہتی اس سے واضح ہے کہ جن حضرات کے اختلاف کو امام ابن حزم نے قابل ذکر قرار دے کر نزول مسیح کے مسئلہ کو غیر اجماعی اور اختلافی قرار دیا ہے ان کے نزدیک یہ مسئلہ متواتر احادیث سے ثابت نہیں۔ اگر ان کی یہ بات کچھ بھی وزن نہ رکھتی تو ان کے اختلاف کو اہمیت دے کر مسئلہ کو غیر اجماعی قرار دینے کے بجائے امام ابن حزم ان کو متواتر کا منکر قرار دے کر کافر قرار دیتے اور نزول مسیح کے مسئلہ کو اجماعی بتاتے۔

آج بھی برصغیر اور عرب دنیا کے بہت سے اہل علم، نزول مسیح کی احادیث کو متواتر نہیں سمجھتے بلکہ خبر واحد قرار دیتے ہیں۔ ضرورت ہوئی تو ان اہل علم کے اقتباسات پیش کیئے جاسکتے ہیں۔

۴۔ مرزا صاحب کے ان تین دعووں کی بنیاد پر نزول مسیح کا عقیدہ نہ ماننے

والے حضرات کو کافر قرار دینے کی جو جسارت کی گئی ہے وہ بھی احمقانہ اور غلط ہے ۔ جب مرزا صاحب کے تینوں دعوے پادر ہوا ثابت ہوئے تو ان کی بنیاد پر کفر کا فتویٰ دینا ظاہر ہے احمقانہ جسارت ہی کہلائے گی۔

آخر میں ہم قرآن کریم کی ان دو آیات کے متعلق، جنھیں نزول مسیح کے ثبوت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا ظفر احمد عثمانی کے ترجمے پیش کرتے ہیں جس سے معلوم ہو جائے گا کہ ان حضرات کے نزدیک قرآن کریم کی ان دونوں آیات سے نزول مسیح کا ثبوت نہیں ملتا۔ حالاں کہ یہ حضرات روایات کی رو سے نزول مسیح کے قائل ہیں۔ ان ترجموں سے آپ مرزا غلام احمد قادیانی کے اس دعویٰ کا جھوٹا ہونا بھی بچشم خود دیکھ لیں گے کہ قرآن مجید میں نزول مسیح کا صاف صاف ذکر موجود ہے۔ اگر ان آیات میں نزول مسیح کا صاف صاف تذکرہ ہوتا تو کیا یہ ممکن تھا کہ مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا ظفر احمد عثمانی ان آیات کے ترجمہ میں نزول مسیح کا تذکرہ نہ کرتے؟

قرآن مجید کی جن دو آیتوں سے نزول مسیح کا عقیدہ ثابت کیا جاتا ہے ان میں سے ایک آیت سورہ النساء کی ہے اور دوسری سورہ زخرف کی۔ ان دونوں آیتوں کا ترجمہ یہ ہے۔

وان من اهل الکتاب الا لیؤمنن به قبل موته ویوم القیمه یکون علیهم شهیدا (سورہ ۴۔ آیت ۱۵۹)

اور کوئی شخص اہل کتاب یعنی یہود میں سے باقی نہ رہے گا مگر وہ عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی اپنے مرنے سے ذرا پہلے جب کہ عالم برزخ نظر آنے لگتا ہے، ضرور تصدیق کرلے گا، گو اس وقت کی تصدیق نافع نہیں مگر ظہور بطلان کے لئے تو کافی

ہے تو اس سے اگر اب ہی ایمان لے آئیں تو نافع ہو جائے ۔ اور جب دنیا و برزخ دونوں ختم ہو چکی ہوں گی یعنی قیامت کے روز وہ یعنی عیسیٰ علیہ السلام ان منکرین کے انکار پر گواہ ہوں گے ۔

(تفسیر بیان القرآن مطبوعہ تھانہ بھون ۱۳۵۳ھ جلد دوم ص ۱۷۱ مولانا اشرف علی تھانوی)

سورہ زخرف کی تفسیر میں مولانا تھانوی ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وانه لعلم للساعة (سورہ ۴۳ آیت ۶۱)

اور وہ یعنی عیسیٰ علیہ السلام اس طور سے بن باپ پیدا ہونے میں، امکان قیامت کے یقین کا ذریعہ ہیں۔ اس طرح سے کہ قیامت میں دوبارہ زندہ ہونا بجز اس کے اور کیا استبعاد رکھتا ہے کہ خلاف عادت ہوگا۔ سو اس واقعہ سے حق تعالیٰ کا قادر علیٰ خلاف العادت ہونا ثابت ہو گیا پس صحت بعث کا علم ہوگیا۔

(تفسیر بیان القرآن مطبوعہ تھانہ بھون ۱۳۵۳ھ جلد ۱۰ ص ۹۳)

مولانا تھانوی کی اس تفسیر کا خلاصہ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نے تسہیل بیان القرآن کے نام سے کیا ہے جسکا جدید ایڈیشن حمائل شریف کی شکل میں مفتی محمد شفیع صاحب کے داماد مولانا نور احمد صاحب نے اپنے ادارہ القرآن والسنہ لسبیلہ سے شائع کیا ہے اس میں بھی مولانا ظفر احمد

عثمانی صاحب نے اس ترجمہ پر تنقید کئے بغیر دونوں آیات کا بالکل یہی ترجمہ دیا ہے۔

اس ترجمہ سے واضح ہے کہ ان آیات میں نزول مسیح کا کوئی تذکرہ نہیں، لہذا ان آیات کو پیش کرکے یہ دعویٰ کرنا کہ یہ آیات نزول مسیح کے متعلق واضح ہیں، اور جو نزول مسیح کو نہ مانے وہ ان آیات قرآنی کا منکر ہے بالکل غلط بات ہے۔ اور اس بناء پر مولانا عبیداللہ سندھی مولانا ابوالکلام آزاد، علامہ اقبال یا ان کے ہم خیالوں کو کافر قرار دینا، نہایت مجرمانہ بات ہے۔

والله اعلم ،وعلمہ اتم واحکم

محمد طاہر

خادم جامعہ مدینۃ العلوم

اورنگ آباد - کراچی 18 -

الجواب صحیح المجیب مصیب

محمد اسحاق الصدیقی عفا اللہ عنہ

رئیس الافتاء جامعہ مدینۃ العلوم

۱۱شعبان ۱۴۱۰ھ ۱۹۹۱/ ۲/ ۲۷

مہر دارالافتاء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

علامہ اقبال ۔ مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا سندھی کے خلاف

قادیانیوں کے کفر کے فتوے کی حقیقت

از مفتی محمد طاہر مکی

مصور پاکستان، مفکر اسلام ڈاکٹر علامہ محمد اقبال نے جب قادیانی افکار کا احتساب شروع کیا تو مہدی و مسیح کی آمد کے متعلق روایات پر بھی انھیں توجہ مبذول کرنی پڑی، بالآخر گہرے مطالعہ کے بعد انھیں احساس ہوا کہ یہ روایات نہ صرف عقیدہ بننے کے قابل نہیں ہیں بلکہ بقول ان کے یہ یہودی و مجوسی اثرات کے تحت وضع کی گئی ہیں۔ چودھری محمد احسن صاحب نے (جن کے بھائی احمدیوں کی لاہوری جماعت سے تعلق رکھتے تھے اور چودھری صاحب کو بھی اسمیں شامل کرنا چاہتے تھے۔) اس بارے میں علامہ اقبال سے رہنمائی چاہی تو اسکے جواب میں علامہ نے تحریر فرمایا:

ہاں یہ ٹھیک ہے کہ آپ کو کسی عالم سے یہ سوالات کرنے چاہئیں جو آپ نے مجھ سے کیئے ہیں، میں زیادہ سے زیادہ آپ کو صرف اپنا عقیدہ بتا سکتا ہوں اور بس ۔ میرے نزدیک مہدی، مسیحیت اور مجددیت کے متعلق جو

ے کیونکہ ان کے احمدی بھائی کی فرمائش تھی کہ بجائے علامہ اقبال کے ان روایات کے متعلق علماء سے پوچھو۔ اس احمدی بھائی کو پتہ تھا کہ روایتی علماء مجدد دین و مہدی و مسیح والی روایات کی تائید کریں گے۔ اس طرح ان روایات میں الجھا کر وہ اپنے بھائی کو بھی احمدی بنا لیتا جبکہ علامہ اقبال سے لے خطرہ تھا کہ وہ ان روایات ہی کو غلط قرار دے دیں گے جس سے قادنیت کی بنیاد ہی ختم ہو جائے گی اور ایسا ہی ہوا۔

احادیث ہیں وہ ایرانی اور عجمی تخیلات کا نتیجہ ہیں - عربی تخیلات اور قرآن کی صحیح اسپرٹ سے ان کو کوئی سروکار نہیں" (اقبال نامہ حصہ دوم خط ۸۷ ، ۲۳۱)

یہی بات علامہ نے اپنے خطبات " تشکیل جدید الٰہیات اسلام " کے پانچویں خطبہ کے آخر میں کہی ہے (ص ۲۲۱-۲۲۲، شائع کردہ بزم اقبال کلب روڈ لاہور)

اسی نقطہ نظر کا اظہار کرتے ہوئے قادیانی تحریک کے خلاف اپنی انگریزی کتاب Traitors of Islam. کے مضمون

Islam & Qadianism.

کے صفحہ ۳۴-۳۵ (جس کے ناشر آغا شورش کاشمیری مکتبہ چٹان لاہور ہیں) پر لکھتے ہیں -

Of the two forms which the modern revival of pre-Islamic Magianism has assumed, Bahaism appears to me to be more honest then Qadianism; for, former openly departs from Islam, wherease the latter apparently retains some of the more important externals of Islam with an inwardness wholly inimical to the spirit and aspirations of Islam. Its ideas of a jealous God with an inexhaustible store of earthquakes and plagues for its opponents; its conception of the Prophet as a soothsayer; its ideas of continuity of the spirits of Massiah, are so absolutely Jewish that the movement can easily be regarded as a return to early Judaism. The idea of the continuity of the spirit of Massiah belongs more to Jewish mysticism than to positive Judaism. Professor Buber who has given an account of the movement initiated by the Polish Massiah Baalshem tells us that it was thought that the spirit of the Messiah descended upon the earth through the Prophets and even through a long line of

holy men stretching into the present time the Zaddiks (Sadiqs). Heretical movements in Muslims Iran under the pressure of pre-Islamic Magian ideas invented the words buruz, Hulul, Zill to cover this idea of a perpetual reincarnation. It was necessary to invent new expressions for a Magian idea in order to make it less shocking to Muslim conscienc. Even the phrase promised Massiah is not a product of Muslim religious consciousness. It is a bastard expression and has its origin in the pre-Islamic Magian outlook.

We do not find it early Islamic religious and historical literature. This remarkable fact is revealed by professor Wensinck's Concordance of the Traditions of the Holy Prophet, which covers no less than 11 collections of the traditions and 3 of the earliest historical docoments of Islam. One can very well understand the reasons why early Muslims never used this expression.

The expression did not appeal to them probably because they thought that it implied a false conception of the historical process. The Magian mind regarded time as a circular historical process. The Magian mind regarded time as a circular movement; the glory of elucidation the true nature of the historical process as a perpetualty creative movement was reserved for the great Muslim thinker and historical Ibn Khaldun.

○ مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی مرزائیت کے متعلق ایک سوال کے جواب میں اسی نقطہ نظر کا اظہار کیا کہ ہمارا اعتقاد ہے کہ اب نہ کوئی بروزی مسیح آنے والا ہے نہ حقیقی - مولانا کی اصل تحریر یہ ہے:

۱۹ (الف) بالی گنج سرکلر روڈ کلکتہ — ۱۸ مارچ ۱۹۲۶ء

حبی فی اللہ - السلام علیکم - خط پہنچا - آپ دریافت کرتے ہیں - احمدی فرقہ کے دونوں گروہوں میں سے کونسا گروہ حق پر ہے؟ قادیانی یا لاہوری؟ میرے نزدیک دونوں حق و صواب پر نہیں ہیں البتہ "قادیانی گروہ اپنے غلو میں بہت دور تک چلا گیا ہے - حتیٰ کہ اسلام کے بنیادی عقائد

متزلزل ہوگئے ہیں ۔ مثلاً اس کا یہ اعتقاد کہ اب ایمان و نجات کے لئے
اسلام کے معلوم و مسلم عقائد کافی نہیں۔ مرزا صاحب قادیانی پر ایمان لانا
بھی ضروری ہے ۔ لیکن لاہوری گروہ کو اس غلو سے انکار ہے ۔ وہ نہ تو مرزا
صاحب کی نبوت کا اقرار کرتا ہے نہ ایمان کی شرائط میں کسی نئی شرط کا
اضافہ کرتا ہے اسے جو کچھ ٹھوکر لگی ہے اس بے محل اعتقاد میں لگی ہے جو
اس نے مرزا صاحب کے لیئے پیدا کرلیا ہے ، باقی رہے مرزا صاحب کے
دعاوی تو میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص جس نے اسلام کے اصول و
مبادیات کو سمجھا ہے اور عقل سلیم سے بے بہرہ نہیں۔ یہ دعاوی ایک لمحہ
کے لئے بھی تسلیم کرسکتا ہے۔

آپ نے اپنی طبیعت کے اضطراب کا ذکر کیا ہے میں آپ کو ایک موٹی
بات لکھتا ہوں ۔ اگر غور کیجئے گا تو انشاء اللہ ہر طرح کے اضطراب و شکوک
دور ہوجائیں گے ۔

آپ دو باتوں پر یقین رکھتے ہیں یا نہیں ؟ ایک یہ کہ قرآن اللہ کا کلام
ہے ۔ دوسری یہ کہ انسان کی نجات کے لئے جن جن باتوں کے ماننے کی
ضرورت تھی وہ سب اس نے صاف صاف بتلادی ہیں۔ یعنی ایسا نہیں
ہوسکتا ۔ کہ کوئی اعتقاد شرط نجات ہو اور اس نے صاف و صریح نہ بتلا دیا
ہو۔

اگر یقین رکھتے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ رکھتے ہیں تو غور کیجئے اگر ایک
زمانے میں مسلمانوں کے لیئے کسی نئے ظہور پر ایمان لانا ضروری تھا تو کیا
ضروری نہ تھا۔ کہ قرآن اس کا صاف و صریح حکم دیتا۔ کم از کم اتنی
صراحت کے ساتھ جتنی صراحت کے ساتھ اقیموا الصلوۃ و اتوا الزکوۃ
کا حکم دیا گیا؟

اچھا قرآن کی ایک ایک آیت دیکھ جایئے ۔ کہیں آپ کو یہ حکم ملتا ہے کہ
ایک زمانہ میں کوئی نیا نبی یا مسیح یا مجدد یا محدث (بالفتح) مبعوث ہوگا۔ اور
مسلمانوں کے لئے ضروری ہوگا کہ اسے پہچانیں اور اس پر ایمان لائیں؟ اگر
کوئی ایسا حکم نہیں ملتا، تو پھر آپ پر کون سی مصیبت آپڑی ہے کہ بیٹھے
بٹھائے اس جھگڑے میں پڑیں اور ایک نئے ایمان اور نئی شرائط نجات کے
سراغ میں نکلیں؟

قرآن اور مرزائیت

اس بارے میں دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ تیسری کوئی نہیں۔ یا تو نجات
کے لئے وہ عقائد کافی ہیں جو قرآن نے صاف صاف بتلا دیئے ہیں یا پھر کافی
نہیں اگر کافی ہیں تو قرآن نے کہیں یہ حکم نہیں دیا ہے کہ کسی نئے ظہور پر
پھر بھی ایمان لاؤ ۔ اگر کافی نہیں ہیں اور نئے شرائط نجات کی گنجائش باقی
ہے ۔ تو پھر قرآن ناقص نکلا ۔ اتنا ہی نہیں بلکہ وہ اپنے اعلان الیوم
اکملت لکم دینکم میں صادق نہیں۔

ہر مسلمان کے سامنے دونوں راہیں کھلی ہیں جو راہ چاہے اختیار کرنے۔
اگر قرآن پر ایمان ہے تو نئی شرط نجات کی گنجائش نہیں۔ اگر نئی شرط نجات
مانی جاتی ہے تو قرآن اپنی جگہ باقی نہیں رہ و العاقبۃ للمتقین۔

ابوالکلام

۱۹۔(الف) بالی گنج سرکلر روڈ کلکتہ ۵ جون ۱۹۳۶ء۔

حبی فی اللہ ۔ السلام علیکم۔

خط پہنچا میں پچھلے خط میں جو کچھ لکھ چکا ہوں ۔ اس پر پوری طرح غور کیجئے ۔ جو

نئے سوالات آپ نے لکھے ہیں۔ ان سب کا جواب اس میں آچکا ہے کسی
ایسے سوال کی گنجائش باقی نہیں رہی ہے۔

مجدد کی کوئی ضرورت نہیں

جو لوگ کہتے ہیں مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ ہر صدی کے کسی
مجدد پر ایمان لائیں۔ ان سے پوچھئے کہ یہ حکم کس قرآن میں نازل ہوا ہے؟
اگر قرآن سے مقصود وہ قرآن ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر
نازل ہوا ہے تو بتلائیے۔ کس پارہ، کس سورت اور کس آیت میں یہ بات کہی
گئی ہے کہ ہر صدی میں ایک مجدد آئیگا اور مسلمانوں کے لئے ضروری ہے
کہ اس کی معرفت حاصل کریں اور اس پر ایمان لائیں؟ اگر نہیں کی گئی
ہے تو ہمیں کونسی ضرورت ہے کہ اس لغویت میں پڑیں۔ ہم نہیں جانتے۔
کہ مجدد کیا بلا ہوتی ہے۔ ہم جو کچھ جانتے ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ کی آخری اور
کامل ہدایت آچکی ہے جس کا نام قرآن ہے اور جس کے مبلغ محمد رسول اللہ
تھے۔ جو انسان اس پر ایمان لاتا ہے اور اس کے بتلائے ہوئے احکام پر
عمل کرتا ہے اس کے لئے نجات ہے اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں جانتے اور نہ
جاننے کی ہمیں ضرورت ہے۔

جو شخص کہتا ہے کہ نجات و سعادت کے حصول کے لئے یہ کافی نہیں
اور کسی مجدد پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ وہ یا تو اسلام پر بہتان لگاتا ہے
یا اسلام کی بو بھی اس نے نہیں سونگھی ہے۔

باقی رہا نزول مسیح کا معاملہ، تو یہ ایک نہایت اہم معاملہ ہے اور اگر
کسی زمانے میں مسلمانوں کی نجات و سعادت اس پر موقوف رہنے والی تھی
تو ضروری تھا۔ کہ قرآن صاف صاف اسے بیان کر دیتا۔ اسی طرح صاف

صاف جس طرح اس نے تمام مہمات دینیہ واعتقادیہ بیان کر دی ہیں۔
لیکن یہ ظاہر ہے کہ قرآن میں کوئی تصریح موجود نہیں پس کوئی وجہ نہیں کہ
ہم اس کے اعتقاد پر مجبور ہوں۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ اب نہ کوئی بروزی مسیح
آنے والا ہے نہ حقیقی۔ قرآن آچکا ہے اور دین کامل ہو چکا۔ اگر آپ
طالب حقیقت ہیں تو ان جھگڑوں میں نہ پڑیئے۔ نہ ان خرافات کے
بارے میں سوالات کیجئے۔ ہمیں تلاش نجات کی ہے اگر نجات کے لئے قرآن
کامل ہے تو پھر وہ عقائد کافی ہیں جو قرآن نے بتلا دیئے ہیں زیادہ کاوش میں
ہم پڑیں ہی کیوں؟

(ابوالکلام)

(شائع شدہ روزنامہ زمیندار، لاہور ۲۶ جون ۱۹۳۶ء)

مولانا آزاد کے معتقد خاص مولانا غلام رسول مہر نے جب اس بارے
میں مزید دریافت کیا تو مولانا نے تحریر فرمایا:

کلکتہ

۹۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء

عزیزی　　　السلام علیکم

نزول مسیح کے بارے میں میری جس تحریر کی نسبت آپ نے سوال کیا
تھا، اس کا منشا صرف اس قدر تھا کہ نزول مسیح کے معاملہ کو کوئی مسلمان
شرائط ایمان و نجات میں سے نہیں سمجھتا۔ پس جو لوگ سمجھتے ہیں کہ
آنحضرت صلعم کے بعد بھی کسی دوسرے انسان پر ایمان لانا شرط اسلام و
نجات ہے، وہ اس سے احتجاج نہیں کر سکتے اور یہ جو میں نے لکھا تھا کہ اس
معاملہ کا تعلق آثار و علائم قیامت سے ہے، تو یہ کوئی نئی تحقیق نہ تھی بلکہ

جمہور کے عقیدہ کا اظہار تھا۔ چونکہ نزول مسیح کی بعض روایات اس طرح شروع ہوتی ہیں کہ لاتقوم الساعۃ حتیٰ ینزل المسیح وحتیٰ یکون کذا و کذا، اس لئے عام طور پر لوگوں نے اس معاملہ کو بھی اسی طرح اشراط ساعۃ میں سے سمجھا ہے۔ جس طرح دوسرے معاملات متذکرہ روایات کو اور اس لئے محدثین اسے اشراط ساعۃ کے ہی باب میں لاتے ہیں اور اس حیثیت سے اس پر بحث کرتے ہیں۔ نیز جن علماء نے خصوصیت کے ساتھ ان روایات کو جمع کیا ہے انھوں نے بھی ان کے لئے اشراط و آثار قیامت ہی کا نام و عنوان اختیار کیا ہے"

باقی رہی یہ بات کہ پیشن گوئیوں کی حیثیت سے بھی ان کی نوعیت کیا ہے؟ اور تحقیق کا فیصلہ کیا ہونا چاہئے؟ تو یہ بالکل دوسرا سوال ہے اور بلاشبہ روایات اس بارے میں قطعی اور فیصلہ کن نہیں۔ نیز اس میں بھی شک نہیں کہ اسلام سے پہلے مسیحی اعتقاد اس بارے میں موجود تھا اور مسیحیت کے صدر اول ہی میں اس کی بنیاد پڑ چکی تھی[1]۔ ترجمان القرآن" جلد سوم کا انتظار کیجئے اس میں بہ ضمن تفسیر سورہ زخرف اس پر مفصل بحث ملے گی۔[2]

ابوالکلام

(نقوش آزاد مرتبہ غلام رسول مہر خط ۴۷ ص ۹۹ ناشر کتاب منزل لاہور)

مولانا کے اس جواب کے بعد مہر صاحب نے مزید تشفی چاہی تو مولانا نے نہایت واضح الفاظ میں لکھا:

"تعجب ہے کہ نزول مسیح کے بارے میں آپ کی خلش باقی ہے۔ میں

[1] میری گزارش یہی تھی کہ نزول مسیح کا عقیدہ پہلے سے عیسائیوں میں موجود تھا۔ [2] غالباً مولانا نے یہ بحث سورہ زخرف کی آیت انہ لعلم للساعۃ الخ کے ضمن میں فرمائی تھی۔ (مہر)

نے اپنی رائے ظاہر کر دی تھی البتہ وجوہ و دلائل کے لئے کتاب کا حوالہ دیا تھا، بغیر تفصیل کے ان کا استقصاء ممکن نہیں۔ بلاشبہ یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ عقیدہ اپنی نوعیت میں ہر اعتبار سے ایک مسیحی عقیدہ ہے اور اسلامی شکل و لباس میں نمودار ہوا ہے، لیکن کیونکر نمودار ہوا؟ یہ بحث طلب ہے اگر آپ کسی وجہ سے اسے بہت ہی اہم سمجھتے ہیں تو کوشش کروں گا کہ وقت نکال لوں اور با تفصیل لکھوں"

(خط ۴۹ ص ۱۰۲ نقوش آزاد)

○ برصغیر کے مشاہیر میں علامہ اقبال اور مولانا ابو الکلام آزاد کی طرح ایک اور مذہبی و سیاسی شخصیت مولانا عبیداللہ سندھی کی ہے جنھوں نے اپنی عربی تفسیر الہام الرحمان میں حیات و نزول مسیح کے تصور کو مجوسی اور یہودی تصور قرار دیا ہے۔ مولانا سندھی کی یہ عربی تفسیر مشہور عالم دین مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی فاضل دیو بند سابق چیئرمین رویت ہلال کمیٹی پاکستان نے ایڈٹ کی ہے۔ اس تفسیر کی دوسری جلد میں مولانا سندھی فرماتے ہیں:

قولہ: (و اذ قال اللہ یا عیسیٰ انی متوفیک و رافعک الی ومطہرک من الذین کفروا) الایہ (۵۵) ومعنیٰ متوفیک ممیتک۔ وأما ماشاع بین الناس من حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام فھی أسطورہ یھودیہ و صابئیہ۔ و قد شاعت بین المسلمین بعد مقتل عثمان رضی اللہ عنہ بواسطہ انصار بنی ھاشم من الصابئہ، ومن الیھود الموالین لعلی بن ابی طالب لالحبہ بل انما اشاعوھا بین المسلمین بغضا فی الاسلام و اھلہ، بین من لم یتدبر معنی قولہ تعالیٰ:

(هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله) ۔ واتخذها عقیده ولا یفهم معنی هذه الایه الکریمه الامن یتقن الا جتماعیه العامه . ویکون ماهرا فیها۔

وآما من یؤمن بتلک الروایات . ویآتوننا بها فهم آبعد الناس من العلوم الا جتماعیه . واذا کانوا جاهلین بمعنی هذه الایه الشریفه . فانهم یقبلون تلک الروایات . ویتاثرون بها۔

ولا یخفی ان مرجع العلوم الا سلا میه باسرها. ومنبعها هو القرآن العظیم . ولیس فیه آیه تدل صراحه علی آن عیسی لم یمت. وانه حی سینزل الا الا ستنباطات. و تفسیرات من البعض. ولا یخلو ذلک من شکوک وشبه ۔وما کان بهذه المثابه کیف یمکن ان نتخذه مبنی عقیده اسلا میه ؟

وآصح الکتب بعد کتاب الله عند ناعلی الصحیح

هو موطا الا مام مالک ولیس فیه شئی یدل علی ذلک . وان کان عند عامه ۔اهل العلم اصح الکتب بعد کتاب الله هو کتاب البخاری نعم عندنا هو اصح الکتب کذلک الا ان مرتبه تلو مرتبه الموطا۔

وحدیث یوشک ان ینزل ابن مریم وان کان فی البخاری. لکن مامعناه ؟لم یذ کر البخاری شینا یوید هذا الحدیث . بل اتی بشئی ینافض هذا الفکر . ویوهنه . ولکن الناس لایتدبرون فی تراجم ابواب

البخاری لاشتهار فقه البخاری فی ابوابه . و هذا معروف عند اهل العلم.

فان کان الا مام البخاری اشار الی تضعیف فکر العامه فی جامعه فذلک عندنا تضعیف للحدیث و اشاره الی اعلاله . ومثل هذا الحدیث فی البخاری احادیث کثیره متعارضه یتر کها البخاری من غیر جمع بینها. لمن یتفکر. و یتدبر فیها. وقد اتفق اهل العلم علی ان مثل هذه الاحادیث لیست من الاصول المجمع علیها. ولا تضرفی کون البخاری اصح الکتب بعد کتاب الله۔

"قرآن مجید کی سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۵۵ میں جو ارشاد الہیٰ ہے انی متوفیک اسکے معنی یہ ہیں کہ جب میں تم پر موت وارد کردوں گا۔ رہا عام لوگوں کا یہ تصور کہ حضرت مسیح زندہ ہیں تو یہ ایک یہودی و صابئی (آرین) تصور ہے جو حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد، شیعان علیؑ میں شامل ہوکر ایرانیوں اور یہودیوں نے مسلمانوں کے درمیان پھیلایا،

ان ایرانیوں اور یہودیوں کی یہ حرکت اسلام اور مسلمانوں سے بغض کی بنا پر تھی حضرت علی سے محبت کی وجہ سے نہیں تھی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان قرآن مجید کی اس عظیم و جلیل آیت کی طرف اپنی توجہ مبذول کئے رکھیں جسمیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے رسول اللہ کو مبعوث ہی اسلئے کیا ہے کہ وہ اسلام کو تمام ادیان پر غالب کردیں (سورہ صف) وہ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان اس آیت پر عمل کرتے ہوئے پورے کرہ ارض پر چھاجائیں اور مجوسی و یہودی اور تمام غیر اسلامی مذاہب فنا کے گھاٹ اتر جائیں اسلیئے انھوں نے نزول مسیح کا تصور دیا کہ تمام دنیا پر

اسلام کو غالب کرنے کا کام تو دراصل حضرت مسیح دوبارہ تشریف لاکر کریں گے اسلئے قسمت کے اس لکھے کے خلاف آج ہی یہ کام کرنا کہ ساری دنیا پر اسلام کو غالب کر دیں کس طرح صحیح ہوسکتا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس عظیم آیہ جلیلہ کے مطلب و مقصد کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جو اجتماعیات کا ماہر اور اسکی گہرائیوں کا جاننے والا ہو۔ حیات و نزول مسیح کا عقیدہ ماننے والے اس آیہ کا مطلب سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اس بات سے تو کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ تمام عقائد اسلامی کا مرجع و منبع قرآن مجید ہے۔ اور اسمیں کوئی صریح آیت نزول مسیح کے متعلق نہیں۔ لوگ اس سلسلہ میں جو کچھ پیش کرتے ہیں وہ انکے استنباطات اور ان کی تشریحات و توضیحات ہیں۔ ایسی صورت میں حیات و نزول مسیح کو عقیدہ قرار دینا اور اسے مدار کفر و ایمان بنا لینا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟

پھر یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ اللہ کی کتاب کے بعد اصح الکتب موطا امام مالک ہے۔ اسمیں بھی حیات و نزول مسیح کے متعلق کوئی ارشاد نبوی نہیں پایا جاتا۔ عام لوگوں کے نزدیک اصح الکتب بخاری ہے اسمیں اگرچہ نزول مسیح کی روایت موجود ہے مگر ساتھ ہی حضرت مسیح کی وفات کا بھی ذکر ہے۔ ہمارے نزدیک اسطرح امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نزول مسیح والی روایت صحیح نہیں ہے۔ اس قسم کی روایات بخاری میں بہت ہیں جو باہم متضاد ہیں۔ ہمارے نزدیک ایسی روایات درج کرنے کا مقصد یہی ہے کہ امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ روایت اگرچہ بظاہر سند کے اعتبار سے صحیح معلوم ہوتی ہے لیکن درحقیقت معنوی اعتبار سے معلول (کمزور) ہے۔ اور اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ اس قسم کی اخبار آحاد، اصول میں شمار نہیں کی جاتیں جن سے اختلاف کرنا جرم ہو (الہام الرحمن جلد دوم ص ۴۹۔۵۰)

مولانا سندھی اپنی اسی تفسیر میں سورہ مائدہ کی آیہ اذقال اللہ یا عیسیٰ بن مریم .... فلما توفیتنی (آیت نمبر ۱۱۶) کی تفسیر میں اس مسئلہ پر مزید بحث کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں:۔

وعلاوہ علی ھذا آن المحققین من الاشاعرۃ لم یعد وانزول المسیح واتیان المھدی من جملۃ ما یجب اعتقادہ علی أھل السنۃ۔ فلم یذکرھما صاحب المواقف، ولم ینتقد علیہ الشراح، وکذلک لم یذکرھما العضد، ولم ینتقد علیہ المحقق الدوانی۔ اذاً فلیست المسألۃ الا ممن لم یتدبر فی العلوم کما حقہ واللہ أعلم۔

یہی وجہ ہے کہ اشاعرہ میں سے بہت سے محققین نے مہدی و مسیح کی آمد کو اہلسنت کے عقیدہ کے طور پر تذکرہ نہیں کیا۔ علم کلام کی مشہور کتاب مواقف میں ان دونوں عقیدوں کا ذکر نہیں ہے نہ اس کے شارحین نے عدم ذکر کی وجہ سے اس پر تنقید کی۔ اسی طرح قاضی عضد کی کتاب "مقاصد" میں بھی ان عقائد کا ذکر نہیں ہے نہ اس پر اس کے شارح دوانی نے تنقید کی ہے۔

اس سے واضح ہے کہ آمد مہدی و مسیح کو عقائد میں شمار کرنے والے وہ لوگ ہیں جنھوں نے غور و فکر سے کام نہیں لیا (الہام الرحمان جلد دوم ص ۵۴)

○ جمہور علماء کا نقطہ نظر یہ ہے کہ مہدی و مسیح کی آمد پر یقین رکھنا عقائد میں شامل ہے اور بعض وہ حضرات جو متشدد ہیں اپنے اس نقطہ نظر سے اختلاف کرنے والوں کو دائرہ اسلام سے خارج اور کافر قرار دیتے ہیں۔ اسی قسم کے متشدد علماء کی آڑ پکڑ کر مسلمانوں میں فتنہ پھیلانے کے لئے قادیانی

مذہب سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے مصور پاکستان علامہ اقبال، امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد اور امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی جیسے مشاہیر کے خلاف دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا پروپگنڈہ شروع کیا ہے تاکہ ایک طرف لوگوں کی نگاہ میں علماء کا وقار گرے کہ یہ کفر فروش لوگ ہیں، اور یہ کفر فروش تو اقبال و ابوالکلام کو بھی کافر قرار دیتے ہیں تو ان کے قادیانیوں کے متعلق کفر کے فتوے کی بھی کیا اہمیت ہے دوسری طرف قادیانیوں کے خلاف غیر مسلم قرار دینے کی پاکستانی پارلیمنٹ کے فیصلہ کی اہمیت مجروح ہو۔ اس صورت حال کے پیش نظر

① ایک استفتاء اور اس کا جواب عام ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے تاکہ یہ بات سامنے آجائے کہ مہدی و مسیح کی آمد کا عقیدہ نہ رکھنے والوں کے متعلق امام ابن حزم سے امام ابن تیمیہؒ اور آج تک کے محتاط علماء کا نقطۂ نظر یہی رہا ہے کہ یہ لوگ مسلمان ہیں اور آمد مہدی و مسیح کا انکار کرنے کی بنیاد پر کوئی شخص دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوجاتا کیوں کہ یہ اجماعی مسئلہ نہیں ہے۔

② مزید مطالعہ کے لیئے مہدی و مسیح کی آمد کے متعلق روایات پر علامہ تمنا عمادی کے تبصرہ کو جو علامہ اقبال کی فرمائش پر لکھا گیا تھا اور جس کی بنیاد پر علامہ اقبال نے ان روایات کے متعلق اپنا فیصلہ کرنے میں بنیادی مدد لی تھی پیش کیا جا رہا ہے۔ علامہ تمنا کے اس مضمون کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ علامہ اقبال اور ان کے ہم خیالوں کے کچھ دلائل سامنے آجائیں اور اس کی بنیاد پر ناظرین خود فیصلہ کر سکیں۔

③ بعض حضرات کی فرمائش پر اس فتویٰ کی تائید میں ایک مفصل تحریر بھی اللہ کے فضل و کرم سے تیار ہو چکی ہے جسمیں دسیوں ائمہ کرام اور اکابرین علم کے اقتباسات اور حوالے پیش کیئے گئے ہیں جس سے یہ بات

بالکل واضح ہوگئی ہے کہ مہدی و نزول مسیح کے معاملہ کو مدار کفر و ایمان قرار دینے کی انتہا پسندانہ روش، احتیاط و اعتدال کے خلاف اور شدت پر مبنی ہے اگر اللہ نے چاہا تو عنقریب وہ بھی کتابی صورت میں منظر عام پر آجائے گی۔ جس کے بعد اس موضوع پر کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی باقی نہیں رہے گی۔

محمد طاہر

- مفتی و مہتمم جامعہ مدینۃ العلوم۔ اورنگ آباد کراچی
- سرپرست عالمی جمعیت تدریس القرآن
- سرپرست بزم خاتم المعصومین صلی اللہ علیہ وسلم
- اولین ناظم اعلیٰ کل پاکستان سنی کونسل
- جنرل سیکرٹری ادارۂ فکر اسلامی
- ترجمان متحدہ سنی محاذ برائے عظمتِ قرآن کریم و عظمتِ صحابہ کرامؓ

تعارف

مولانا جعفر شاہ صاحب پھلواروی رفیق ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور و ممبر رابطہ مساجد سعودی عرب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جناب قاری عبدالکریم صاحب ایم۔ اے نے موجودہ مجموعے کی اشاعت سے قبل مجھ سے فرمائش کی کہ میں اس پر کچھ تعارفی کلمات لکھدوں۔ اسی کی تعمیل پیش خدمت ہے۔ ورنہ علامہ تمنا عمادی جیسی عظیم شخصیت کی تحقیق پر میرا کچھ لکھنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔

یوں تو مولانا کو تمام اسلامی علوم پر مجتہدانہ دسترس تھی لیکن فن رجال پر تو ان کے عبور کا یہ عالم تھا کہ حضرت والد[1] محترم مولانا شاہ سلیمان پھلواروی صدر جمعیت علماء اسلام (ہند) فرماتے تھے کہ اس فن میں علامہ ابن حجر عسقلانی کے بعد مولانا تمنا جیسا تبحر، شاید ہی کسی کو حاصل ہوا ہو۔

علامہ تمنا عمادی کے پیش نظر مقالہ کا پس منظر یہ ہے کہ جب علامہ تمنا نے فارسی میں مثنوی معاش و معاد لکھی اور اس پر علامہ اقبال سے رائے طلب کی تو علامہ اقبال نے نہ صرف اسکی تعریف کی بلکہ یہ تعارف دونوں حضرات کے آئندہ کے روابط کی بنیاد بن گیا۔ اسکے بعد قادیانیوں کا محاسبہ کرتے ہوئے عقیدہ انتظار مہدی و مسیح کے الجھے ہوئے مبحث پر جب علامہ اقبال نے مطالعہ کرنا شروع کیا تو مولانا اسلم جیراج پوری استاذ جامعہ ملیہ دہلی سے اس کے متعلق ان کی تحقیق اور نزول مسیح و مہدی کی

[1] یہاں حضرت قبلہ لکھا تھا جسے قاری عبدالکریم نے کاٹ کر والد کر دیا ہے تاکہ لفظ قبلہ کا غلط استعمال نہ ہو۔

روایت پر رائے دریافت کی۔ انہوں نے اسے خلاف قرآن تو قرار دیا لیکن متعلقہ روایات پر تفصیلی گفتگو کے لئے علامہ تمنا عمادی سے رجوع کا مشورہ دیا۔ اس مشورے کے مطابق علامہ اقبال نے جناب عرشی امرتسری کی وساطت سے نزول مہدی و مسیح کی روایات پر مولانا تمنا سے ان کی تحقیق دریافت کی جس کے جواب میں مولانا تمنا نے داد تحقیق دیتے ہوئے یہ طویل مقالہ تحریر فرمایا جسے علامہ اقبال نے بہت پسند کیا، اور قادیانیوں کے خلاف لکھتے ہوئے اپنے انگریزی مضامین میں کھل کر آمد مسیح کی روایات کو مجوسی اور یہودی ورثہ قرار دیا۔

بعد میں مولانا تمنا کا یہ مقالہ ماہنامہ البیان امرتسر میں شائع ہوا پھر کئی جرائد نے اسے نقل کیا۔ مگر اس مقالہ کی اہمیت کے پیش نظر اسے کتابی شکل میں محفوظ کردینے کی ضرورت تھی جسے اب قاری عبدالکریم صاحب پورا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں[1]۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کی کوششوں کو بارآور فرمائے۔ اسکے علاوہ بھی علامہ تمنا کے بہت سے مسودات ہیں جن میں نہایت نادر علمی تحقیقات ہیں۔ کاش کوئی علم دوست، باہمت شخص انھیں بھی یکجا کرکے شائع کرادے تو دین اور علم کی زبردست خدمت ہو، اور امت کو بہت فائدہ پہونچے۔

محمد جعفر 4/8/1971

[1] قاری عبدالکریم صاحب تو آرزو کے باوجود یہ کام نہ کر سکے اور انتقال فرما گئے۔ اب اللہ تعالیٰ اپنے دین کی خدمت ہم حقیر خادموں سے لے رہا ہے۔ یہ بھی اسی کا کرم ہے۔
(نظام الدین خان)

بَابِ اوّل

خروج مہدی

روایات پر تبصرہ

مُقَدَّمَہ کتاب

از

علامہ تمنا عمادی مجیبی پھلواروی

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ رب العالمین وسلام علی المرسلین
لاسما علی خاتم النبیین واتباعہ و صحبہ
وخیار امتہ اجمعین

جو لوگ کتاب اللہ کو ایک مکمل کتاب مانتے ہیں اور مافرطنا فی الکتاب من شئی ہم نے اس کتاب میں کوئی کمی نہیں چھوڑی ہے (انعام ۴) اور نزلنا علیک تبیانا لکل شئی (اے رسول) ہم نے اس کتاب کو تم پر (دین) کی ہر چیز کے صاف طور سے بیان کر دینے کے لئے اتارا ہے (نحل ۱۲) وغیرہ آیات کریمہ پر پورا ایمان رکھتے ہیں وہ کبھی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ دین کا کوئی مسئلہ ایسا ہو سکتا ہے جس سے قرآن خموش ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روایتوں کے ذریعے اس کو مسلمانوں کے لئے واجب التسلیم قرار دیا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تبلیغ، تعلیم، تبیین، تبشیر اور تنذیر، دین کے ہر کام میں قرآن کا پابند کیا ہے۔ آپ کی زبان مبارک سے کوئی دینی ارشاد قرآنی ہدایات کے علاوہ نہ ہوا، آپ کا کوئی دینی قدم قرآنی احاطے سے کبھی باہر نہ نکلا، مگر افسوس کہ ملاحدہ و منافقین عجم نے تابعین و اتباع تابعین کے لبادے اوڑھ اوڑھ کر ایسے متعدد عقیدے اور اعمال دینی حیثیت کے نئے نئے پیدا کر کے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ منسوب کر کے ممالک اسلامیہ کے اطراف و اکناف میں پھیلائے اور اس کے ماتحت یہ عقیدہ لوگوں کے دلوں میں پیدا کرنے کی کوشش کی کہ قرآن سے باہر بھی بعض دینی احکام ہیں عقائد و عبادات کی قسم کے بھی اور اصول اخلاق و معاملات کی قسم کے بھی۔ اور پھر روایت

پرستی کا شوق اسقدر عوام میں بھڑکایا کہ عوام ہی تک یہ مرض متعدی محدود نہ رہا بلکہ خواص بھی اس مرض میں مبتلا ہو کر رہے۔ یہاں تک کہ روایت پرستی رفتہ رفتہ مستقل دین بن کر رہ گئی، اور قرآن مجید جو اصل دین تھا اس کو روایتوں کا تابع ہو کر رہنا پڑا۔ اس کے بعد یہ سوال بھی کسی کے ذہن میں نہ آیا کہ قرآن ایک کامل و مکمل کتاب ہے یا نہیں۔ بلکہ مثلہ معہ* والی حدیث گھڑ کر دین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ایک تو ماثبت بالقرآن دوسرا ماثبت بالحدیث پھر ان دونوں کے امتزاج سے دین کے دو بچے اور پیدا ہوگئے ماثبت بالقیاس اور ماثبت بالاجماع، مگر ماثبت بالقرآن کو صرف عقیدۃً تو فرضیت کی اہمیت دینے پر ہمارے علماء مجبور تھے کیونکہ وہ کتاب اللہ کی عظمت سے انکار نہیں کر سکتے تھے، لیکن قرآن کی ہر آیت کو شان نزول یا تفسیری روایتوں کا پابند کر کے یا ناسخ و منسوخ کا امتیاز پیدا کر کے یا اختلاف قرأت کی من گھڑت تیغ نکال کر جہاں جہاں موقع ملا ان آیتوں کو ان کے منطوق ان کے اقتضاء النص سے پھیرنے کی مذموم کوشش کرتے رہے، اس طرح جو ان کے نزدیک ماثبت بالقرآن ہے وہ بھی آدھا ماثبت بالحدیث ہی ہے۔

مختصر یہ کہ تقریباً ایک ہزار برس سے مسلمانوں کے عقائد و عبادات اور

---

* مثلہ معہ " ایک حدیث بیان کی جاتی ہے جو نہ مؤطا میں ہے نہ بخاری میں نہ مسلم میں۔ البتہ دوسرے درجہ کی کتابوں میں سے ابو داؤد وغیرہ میں ہے۔ کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے ساتھ اسی کے مثل ایک اور چیز بھی دی گئی ہے یعنی حدیثیں۔ گو قرآن نے ساری دنیا کو چیلنج کیا تھا کہ " فلیأتوا بحدیث مثلہ ان کانوا صادقین (۵۲ / ۳۴) " اگر یہ اپنے قول میں سچے ہیں تو ایسا ہی ایک کلام بنا لائیں۔ " اس چیلنج کو آج تک کسی کافر نے قبول نہیں کیا مگر منافقوں نے یہ روایت گھڑ کر خود مسلمانوں کو مقابلہ پر لاکھڑا کیا کہ دوسرے تو کیا ہم خود ہی اس کی مثال پیش کئے دیتے ہیں۔ (نعوذ باللہ) ۔ یہ حدیث موضوع ہے اور افترا اور بہتان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر۔

اخلاق و معاملات سب کے سب روایات ہی کے ماتحت ہوگئے۔ اور ان میں کچھ روایتیں باہم مختلف بلکہ متضاد بھی ہیں اس لئے عقائد و عبادات و اصول و اخلاق و معاملات میں بھی اختلاف اور بعض جگہ تضاد ہونا ضروری تھا اور مختلف خیالات کی متعدد جماعتوں کا پیدا ہو جانا بھی اس کا لازمی نتیجہ تھا، جو ہو کر رہا ایک امت واحدہ بالآخر متعدد فرقوں میں بٹ کر رہی۔ و کل حزب بمالدیھم فرحون ہر جماعت اپنے موافق روایات و حکایات پر مگن ہے۔

وضع حدیث کے دو دور:۔ حدیثیں گھڑنے کے دو دور گزرے ایک تو پہلا دور، جس میں منافقین و ملاحدہ عجم تابعی کا مقدس خرقہ پہن کر اور ظاہری منافقانہ زہد و ورع عوام کو دکھا کر لوگوں میں اپنا رسوخ پیدا کر رہے تھے، اور مرکز اسلام سے دور دراز مقامات پر پہونچ پہونچ کر جھوٹی حدیثیں گھڑ گھڑ کر پھیلاتے تھے۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ عوام مسلمین میں خارج از اسلام غلط عقائد اور عبادات کے غلط طریقے پھیلا کر ان کو صحیح اسلام پر رہنے نہ دیں، اور پھر متضاد و متخالف باتیں بیان کر کے ان میں اختلاف بھی پیدا کر دیں۔ روایتیں اکثر انھیں صحابہؓ سے کرتے جو وفات پا چکے تھے، تاکہ کسی کو تصحیح کا موقع نہ مل سکے۔

دوسرا دور فرقہ بندی کا دور تھا، جب کہ فرقہ بندی کی داغ بیل مسلمانوں میں پڑ چکی تھی اور اتباع تابعین اور ان کے تلامذہ کا لبادہ اوڑھ کر منافقین عجم مختلف فرقوں کو باہم لڑانے اور ان کے درمیان اختلاف کی خلیج کو وسیع کرنے کے لئے ہر فرقے کی حمایت میں کچھ حدیثیں گھڑا کرتے تھے۔ اور خود اپنے کو بھی کسی ایک فرقے سے منسلک کر لیتے تھے بعض ان میں ایسے تھے جو اپنے کو منسوب کرتے تھے کسی اور فرقے کی طرف مگر حدیثیں

گھڑا کرتے تھے کسی اور فرقے کی حمایت میں وغیر ذالک ۔ یا متعدد مختلف فرقوں کے خلاف یا موافق حدیثیں گھڑا کرتے تھے۔

پہلے طبقے میں سابقون الاولون ملاحدہ و منافقین عجم ہی تھے ۔ بعد کو انھوں نے بعض منافقین یہود اور ملاحدہ نصاریٰ کو بھی شریک کرلیا تھا مگر تھے یہ سب کے سب تابعین کے لبادے اوڑھے ہوئے ، ظاہری ریائی زہد و ورع بھی رکھتے تھے ، اس لئے عوام مسلمین میں ان کا اعتماد و اعتبار قائم ہوچکا تھا ، ایسے ملکوں میں ، جہاں اکابر تابعین صحابہؓ کی اولاد نہیں موجود تھی اور صحابہؓ کا دور تقریباً ختم ہو چکا تھا ، اس وقت دور دراز مقامات میں ان کو جھٹلانے والا کون تھا؟ اس وقت ان کا مقصد تو صرف تخریب اسلام اور تخریب مسلمین تھا یعنی جماعت مسلمہ کو فرقوں میں تقسیم کر دینا اور مسلمانوں کو اسلام کے صحیح عقیدے پر قائم نہ رکھنا ہی ان کا اصل مقصود تھا ، جس کی ایک ترکیب یہ بھی نکالی کہ عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں اور وہ پھر دنیا میں آئیں گے تو اس مضمون کی روایتیں گھڑ گھڑ کر یہ عوام میں پھیلانے لگے جس کا مقصود یہ تھا کہ ہر نو مسلم کو اپنے پہلے عقیدے کی طرف واپس لایا جائے اور پرانے مسلمانوں کے عقیدے میں ایک نیا مضمون جو قرآنی تصریحات کے خلاف ہے بڑھا دیا جائے ۔ اسی غرض کے ماتحت حضرت عیسیٰؑ کے زندہ آسمان پر اٹھالئے جانے کی حدیثیں گھڑی گئیں اور پھر ان کے دوبارہ روئے زمین پر آنے کی حدیثیں بھی گھڑی گئیں۔ مگر یہ حدیثیں معلوم ہوتا ہے کہ منافقین عجم کی تعلیم یا ان کے اشارے سے منافقین اہل کتاب نے بنائیں ، اسی لئے ان میں اضطراب و اختلاف بہت ہے اور وہ جچے تلے الفاظ جو خاص منافقین عجم کی من گھڑت حدیثوں میں ہوتے ہیں اور جو ان کی بنائی

ہوئی حدیثوں کا انداز بیان ہوتا ہے وہ باتیں ان میں نہیں یا کم نظر آتی ہیں مگر یہ حدیثیں گھڑی گئی تھیں پہلے دور میں اس لئے صحاح اور غیر صحاح کی بہت سی کتابوں میں داخل ہوگئیں اور متعدد صحابہ و اکابر تابعین کی طرف منسوب کی جاسکیں ۔ ان حدیثوں کی تنقید ابھی آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ اس وقت تو اب امام مہدی کے متعلق جو غلغلہ ہے اس کی حقیقت معلوم کرلیجئے۔

خروج مہدی:۔ انھیں منافقین و ملاحدہ عجم نے ختم نبوت کے بعد امامت منصوصہ عن اللہ کا عقیدہ بھی مسلمانوں میں پھیلانا شروع کر دیا تھا اور حضرت علیؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصی ، خلیفہ ، بلافصل ، اور پہلا امام قرار دیکر باقی گیارہ ائمہ کا انھیں کی اولاد میں ہونے کا عقیدہ بنا رکھا تھا ، اور خاص خاص حلقوں میں اس عقیدے کو پہلے پوشیدہ طور سے پھیلاتے رہے اور جیسے جیسے بعض لوگوں میں یہ عقیدہ فاسدہ پھیلا اسی طرح رفتہ رفتہ اس کی خبر بھی دوسروں تک پہونچتی رہی ۔ علانیہ واضح طور سے اس کی کوئی روایت بنا کر تو نہیں پھیلاسکے ، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خاندان قریش ہی سے بارہ خلیفہ کے ہونے کی پیشن گوئی کی حدیث بنا کر اس کی روایت کرنے لگے ۔ چنانچہ ابو داؤد جلد دوم کتاب المہدی کی سب سے پہلی حدیث ملاحظہ فرمایئے ، ابو داؤد روایت کرتے ہیں ، عمرو بن عثمان الحمصی سے ، وہ مروان بن معاویہ الکوفی سے ، وہ اسماعیل بن ابی خالد الکوفی سے ، وہ اپنے والد ابو خالد البجلی الاحمسی الکوفی سے اور وہ جابر بن سمرہ صحابی سے کہ انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ یہ دین قائم رہے گا یہاں تک کہ تم پر بارہ خلیفہ ہوں ان سبھوں پر امت مجتمع رہے گی ۔ پھر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

سے ایک بات سنی جس کو میں نہ سمجھ سکا تو میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ کیا فرمارہے ہیں تو انھوں نے بتایا کہ آپ فرماتے ہیں کہ وہ سب خلیفہ قریش ہی سے ہوں گے۔

اس روایت کے سلسلہ اسناد سے اتنا تو آپ کو معلوم ہوگیا کہ ابو داؤد صاحب السنن کے شیخ تو حمصی شامی ہیں باقی سب کے سب کوفی ہیں۔ جابر بن سمرہ جن سے یہ روایت ہے وہ بھی آخر میں کوفے ہی میں آبسے تھے اور کوفہ ہی میں ۷۴ ھ میں وفات پائی۔ اسی لئے کوفیوں نے اپنی من گھڑت حدیثوں میں ان کا نام استعمال کرنا مناسب سمجھا پہلی روایت میں جس کا ذکر ابھی میں نے کیا کوفی ہی کوفی آپ دیکھ رہے ہیں۔ دوسری روایت میں بصریوں کا سلسلہ ہے۔ یعنی موسیٰ بن اسماعیل البصری۔ وہب بن خالد البصری اور داؤد بن ابی ہند البصری ان کے بعد عامر بن شراحیل الکوفی الہمدانی ہیں۔ جن کو شعبی کہتے ہیں۔ ان کے بعد وہی جابر بن سمرہ ہیں۔ اس سلسلہ اسناد میں کمال یہ کیا ہے کہ وہیب عن داؤد عن عامر لکھ کر جابر بن سمرہ کا نام لکھا ہے۔ وہیب تو خیر متعدد نہیں ہیں اس لئے وہی ابن خالد ہی سمجھے جائیں گے۔ مگر داؤد اور عامر کے نام بلاتصریح ولدیت و نسبت لکھنے کے معنی ہی یہی ہیں کہ اس سلسلہ اسناد کے بیان کرنے والے کا مقصد تدلیس* ہے۔ جابر بن سمرہ حضرت سعد بن وقاص مشہور صحابی کے بھانجے تھے۔ اور عامر سعد بن وقاص کے ایک بھائی یعنی جابر بن سمرہ کے ایک حقیقی ماموں بھی تھے جن کی کنیت ابو مصعب تھی۔ پھر ابو

* تدلیس کے معنی ہیں حدیث کے راویوں کے نام میں الفاظ حدیث میں قصداً دوسروں کو دھوکہ میں رکھنے کے لئے گول مول انداز بیان یا الفاظ کا رد و بدل اختیار کرنا جو در اصل کذب اور فریب ہی ہے۔

مصعب کے پوتے کا نام بھی عامر تھا۔ جو عامر بن مصعب کہے جاتے ہیں اور وہ جابر بن سمرہ کے ممیرے بھائی کے بیٹے تھے۔ پھر خود حضرت سعد بن ابی وقاص کے ایک صاحبزادے کا نام بھی عامر تھا جو جابر بن سمرہ کے ممیرے بھائی تھے۔ اور ان عامر بن سعد بن ابی وقاص کے بیٹے کا نام بھی داؤد تھا اس لئے یہ شبہ ضرور ہو سکتا ہے کہ یہ روایت داؤد بن عامر اپنے باپ سے کر رہے ہیں اور ان کے باپ عامر بن سعد اپنے پھوپھیرے بھائی جابر بن سمرہ سے روایت کر رہے ہیں۔ اس لئے صرف ابتدائی دوراوی بصری ہیں باقی پورا سلسلہ مدنیوں کا ہے۔ اور ایک خاندان کے لوگ ایک دوسرے سے روایت کر رہے ہیں۔ حالانکہ واقعہ ایسا نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہیب بن خالد داؤد بن عامر بن سعد سے روایت نہیں کرتے ہیں، بلکہ وہ داؤد بن ابی ہند سے روایت کرتے ہیں، جن کا لقب شعبی مشہور ہے۔ اور عامر بن شراحیل الشعبی داؤد بن ابی ہند سے روایت کرتے ہیں اور عامر بن سعد بن ابی وقاص کے متعلق تو ابن حجر تہذیب التہذیب میں جابر بن سمرہ سے روایت کرنے کا ذکر بھی نہیں کرتے۔ ان کے عوض جابر بن سلمہ کا نام لکھتے ہیں، مگر غالباً یہ طباعت کی غلطی ہے، کیونکہ جابر بن سلمہ کوئی راوی ہی نہیں ہے۔ البتہ مہاجر بن مسمار حضرت سعد بن ابی وقاص کے غلام آزاد کردہ تھے، اس لئے ان کی روایت عامر بن سعد بن ابی وقاص سے ضرور قرین عقل ہے۔ جیسا کہ اسی مضمون کی دو حدیثیں صحیح مسلم میں مہاجر بن مسمار عن عامر بن سعد بن ابی وقاص کر کے مروی ہیں۔ اور ایک حدیث داؤد بن ابی ہند عن الشعبی یعنی عامر بن شراحیل سے بھی صحیح مسلم میں اسی مضمون کی ہے۔ بہر حال چونکہ تحویلات لگا کر دس حدیثیں صحیح مسلم میں، تین حدیثیں ابو داؤد میں، پھر خاص صحیح بخاری ترمذی میں

بھی، اور بعض دوسری کتابوں میں بھی اس مضمون کی متعدد حدیثیں ہیں ۔
اور یہ مضمون اس وقت میرا اصل موضوع بھی نہیں ہے ۔ اس لئے میں
اس حدیث کے راویوں پر بحث کرکے مضمون کو طول دینا نہیں چاہتا۔
اور مختلف طرق سے جو متعدد حدیثیں ایک ہی مضمون کی بیان کی گئی ہیں
ان میں جو اختلاف مضامین ہیں ان سے بھی چشم پوشی کرتا ہوا محض تمہید
مضمون میں اس حدیث کا ذکر کر رہا ہوں ان حدیثوں سے اتنا ضرور ثابت
ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ جب تک بارہ خلیفہ
نہ ہولیں اس وقت تک اسلام اور مسلمانوں میں کسی طرح کا ضعف نہ
آئے گا ۔ اور اسلام دوسرے تمام ادیان پر اور مسلمان دوسری تمام قوموں
پر غالب ہی رہیں گے اور امت ایک خلیفہ پر مجتمع رہے گی۔

یہ ایک نہایت صاف اور واضح پیشن گوئی ہے اور چونکہ کثرت طرق سے
صحاح کی اکثر کتابوں میں موجود ہے ، اس لئے روایت پرستوں کے نزدیک
تو یہ ایک چیز متواتر ہے۔ اگرچہ صرف ایک ہی صحابی سے مروی ہے ۔ اور
اکثر طرق کے بعض روای کم و بیش مجروح ہیں مگر ان تمام باتوں کے
باوجود چونکہ محض ایک پیشن گوئی ہے ۔ جس کا صدق و کذب بعد کے
واقعات سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے صرف راویوں کی مجروحیت
اور بعض مضامین میں فی الجملہ اختلاف کی وجہ سے اس حدیث کی نسبت
رسول اللہ ؐ کی طرف بالکل غلط نہیں کہی جاسکتی۔ اختلافات راویوں کی
طرف سے ہوسکتے ہیں اس لئے اختلافات مضامین کو راویوں کے سر ڈالئے
اور نفس پیشن گوئی کو محدثین سے اتفاق کرتے ہوئے سردست صحیح سمجھ
لیجئے۔ اس کے بعد آپ کو دو باتیں اس حدیث کی روشنی میں دیکھنا ہیں۔
ایک تو یہ کہ یہ پیشن گوئی کس طرح سچی ثابت ہوئی ، اور وہ بارہ

خلیفہ کون، کون ہوئے ۔ دوسری بات یہ کہ مسلمانوں میں جب فرقہ بندیاں
پیدا ہوگئیں تو ہر فرقے نے اپنے مسلک کے مطابق اس حدیث کے کیا معنی
لئے۔

پہلی بات تاریخ کو جھٹلایا نہیں جاسکتا ، البتہ جزئیات تاریخ کو عقل و
درایت کی روشنی میں دیکھا جائے گا، تاریخ کی کھلی ہوئی شہادت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تین خلافتیں متفق علیہ طور
سے گذریں تیسری خلافت کے اواخر میں ایک فتنہ اٹھا جس کو اسلام میں
پہلا فتنہ کہنا چاہئے منافقین نے شامیوں اور مصریوں کو اپنی سازش میں
شریک کرکے خلیفہ سوم کو مرتبہ شہادت تک پہونچایا۔ پھر چوتھی خلافت
قائم ہوئی، اگرچہ تمام مسلمانوں کی متفق علیہ نہ ہوئی اس لئے کہ کچھ لوگ
تو اس خلافت کے تسلیم ہی کرنے سے منحرف بلکہ اس خلافت سے برسر
پیکار رہے اور اگر کچھ لوگ مطیع رہے بھی تو پورے انشراح قلب کے ساتھ
وہ مطیع نہ رہے مگر پھر بھی یہ چوتھی خلافت اگلی تین خلافتوں کے بعد ہی
سہی۔ مگر خلافت راشدہ ہی میں داخل سمجھی جاتی ہے اور داخل تھی ۔ مگر
خلافت کی نوعیت کے اعتبار سے نہیں بلکہ حضرت علیؓ کے ذاتی فضائل و
مناقب کے اعتبار سے اس لئے کہ وہ بذات خود ہر طرح ایک خلیفہ راشد
ضرور تھے، مگر ان کو ماحول ویسا نہ ملا جیسا کہ ان سے اگلے تین خلفائے
راشدین کو ملا تھا۔ اس لئے ان کو فرائض خلافت پوری طرح انجام دینے
کے مواقع نہ مل سکے ۔ اس میں ان کا ذاتی کوئی قصور نہ تھا بلکہ ان کے
ماحول کا قصور تھا۔ اور وہ ماحول اس قدر خطرناک قوت کا حامل تھا کہ یہ
اس پر قابو نہ پاسکے، یہاں تک کہ خود ان کو بھی اسی خطرناک ماحول کے
ہاتھوں جام شہادت پینا پڑا۔

رضی اللہ عنہ وعن الخلفاء الثلاثہ السابقین الاولین

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد اہل کوفہ نے فوراً حضرت حسنؓ کو مجبور کیا کہ وہ زمام خلافت سنبھال لیں ۔ وہ اس کے لئے بالکل تیار نہ تھے مگر اپنے خطرناک ماحول سے مجبور ہوکر آمادہ ہوگئے، لیکن حضرت معاویہؓ سے مصالحت کی سلسلہ جنبانی شروع کردی ۔ کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ جب ان کے والد بزرگوار اس خطرناک ماحول پر قابو نہ پاسکے تو یہ کب پا سکیں گے ۔ چنانچہ چند ہی ماہ کے بعد انھوں نے حضرت معاویہ سے صلح کرکے خلافت ان کو سونپ دی اور اس کے بعد ساری امت بلا اختلاف ایک خلیفہ پر پھر مجتمع ہوگئی ۔ اسی لئے اس سال کا نام اس وقت کے موجودہ صحابہؓ و تابعین نے عام الجماعہ رکھا تھا اور وہ ۴۱ ھ تھا ۔ اگلے پانچوں خلفائے راشدین حضرت حسنؓ کو ملا کر جو گذرے ان سب سے زیادہ مدت تک یعنی تقریباً بیس برس تک وہ مسند خلافت پر متمکن رہے اور اتنی بڑی مدت میں باوجود منافقین و ملاحدہ عجم کی ریشہ دوانیوں اور فتنہ پردرانہ سرگرمیوں کے انھوں نے اپنے حسن تدبیر سے سارے ممالک اسلامیہ کے وسیع طول و عرض میں ہر طرح سے امن و امان قائم رکھا، اور کسی حصہ ملک کو بے قابو نہ ہونے دیا اور فتنہ پردازوں کو کسی فتنہ انگیزی میں کامیاب نہ ہونے دیا ۔ رضی اللہ عنہ حضرت معاویہؓ کے بعد ان کے ولی عہد مقرر کر دینے کے مطابق یزید بن معاویہ عہدہ خلافت پر متمکن ہوئے یزید کے بعد مرکز خلافت میں شامیوں نے مروان کے ہاتھ پر بیعت کی ۔ ان کے بعد عبدالملک بن مروان کی پھر ولید بن عبدالملک کی، پھر سلیمان کی، پھر عمر بن عبدالعزیز کی بیعت کی جو بارہویں خلیفہ ہوئے ۔ یزید کے بعد اس کے بیٹے معاویہ بن یزید یا عبداللہ بن زبیر کو لیجئے ۔ معاویہ بن یزید بہ نامزدگی یزید خلیفہ ہوئے

تھے ۔ اور ابن الزبیر یزید کے وقت ہی سے خلافت کے مدعی اور اپنی خلافت منوانے کے لئے برسرپیکار تھے، یزید کے مرنے کے بعد ان کا دعویٰ حریف مقابل کے اٹھ جانے کی وجہ سے اپنی جگہ پر رہ گیا ۔ اس لئے ان کی خلافت مسلم مانی جاسکتی ہے ۔ بعض اہل الرائے کے نزدیک معاویہ بن یزید کی وفات کے بعد ابن الزبیر کا موقف مستحکم ہوگیا ۔ بہرحال چونکہ معاویہ بن یزید نے دراصل خلافت قبول ہی نہیں کی تھی اور نہ انھوں نے خلیفہ کی حیثیت سے کوئی کام انجام دیا تھا ۔ یہاں تک کہ ایک وقت کی نماز تک نہیں پڑھائی ۔ تو جس شخص نے خود اپنے کو خلیفہ نہ سمجھا ہو، اس کو خلیفہ قرار دینا کس قدر غلط ہے، اس لئے یزید بن معاویہ کے بعد عبداللہ بن الزبیر ہی کی خلافت تسلیم کی جائے گی، اگرچہ عبداللہ بن الزبیر کے زیر اقتدار سارے ممالک اسلامیہ نہ آسکے تھے، مگر جو ممالک ایک خلیفہ کے قبضے میں نہ تھے وہ دوسرے مسلمان خلیفہ ہی کے قبضے میں تھے ۔ اور قوانین ہر جگہ ایک ہی طرح کے وہی قوانین اسلامی نافذ تھے جو عہد خلفائے راشدین سے چلے آرہے تھے ۔ مگر اصولاً سارے مسلمانوں کا ایک ہی خلیفہ ہونا چاہئے ۔ اس لئے ان دو میں سے صرف ایک ہی برسرحق ہوگا ۔ مثلاً یزید کے وقت میں عبداللہ بن الزبیر کا خروج صحیح نہ تھا ۔ لیکن یزید کی موت کے بعد ان کی خلافت مسلم ہوگئی ۔ اسی طرح عبداللہ ابن الزبیر کی خلافت کے ہوتے ہوئے عبدالملک بن مروان کا خلیفہ بن بیٹھنا صحیح نہ تھا ۔ مگر عبداللہ بن الزبیر کی وفات کے بعد چونکہ میدان خالی ہوگیا ۔ اس لئے عبدالملک کی خلافت مسلم ہوگئی ۔ تو عبدالملک بن مروان نویں خلیفہ ہوئے، ان کے بعد ان کے بیٹے ولید بن عبدالملک خلیفہ ہوئے، یہ دسویں خلیفہ تھے ۔ ولید کے بعد ان کے بھائی سلیمان بن عبدالملک مسند خلافت پر متمکن ہوئے ۔

یہ گیارہویں تھے۔ ان کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز نے خلافت کی باگ
سنبھالی یہ بارہویں خلیفہ ہوئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کو
سارے مورخین اور تمام فقہائے مسلمین ایک بہتر عہد خلافت بلکہ
خلافت راشدہ کا ایک تتمہ سمجھتے اور لکھتے رہے ان کی وفات ۱۰۱ھ میں
ہوئی۔ اس نوے برس کے عرصے میں یعنی وفات نبویؐ کے بعد عمر بن
عبدالعزیز کی وفات تک دین اسلام میں کسی طرح کی دینی فرقہ بندی نہیں
پیدا ہوئی۔ نہ مسلمانوں میں غیر مسلمین کے مقابل کسی طرح کا ضعف
پیدا ہوا۔ سیاسی فرقہ بندیاں ضرور کچھ پیدا ہوگئیں تھیں۔ تو وہ خلافت
راشدہ یعنی حضرت علیؓ ہی کے دور میں پیدا ہوگئی تھیں۔ شیعیان علی و
شیعیان عثمان، روافض و خوارج کی ٹولیاں کھڑی ہوگئی تھیں۔ مگر ان
سبھوں کے عقائد و عبادات اور اصول اخلاق و معاملات میں کسی طرح کا
کوئی فرق پیدا نہ ہوا، سبھوں کا ہر کام میں دار و مدار کتاب اللہ ہی پر تھا اور
ساری امت ایک کلمہ پر برابر مجتمع رہی اور یہ بارہ خلیفہ جو پے در پے
ہوتے گئے وہ سب کے سب قریشی ہی تھے۔ ذاتی حسن و قبح اور چیز ہے اور
اپنی خلافت منوانے کے لئے اپنے مخالفین سے قتال باوجود ان مخالفین
کے بھی مسلمان ہی ہونے کے اور بات ہے لیکن جہاں تک عام مسلمانوں
کے ساتھ، ذمیوں کے ساتھ عدل و انصاف کا تعلق ہے، ان میں سے کسی
نے بھی اس میں کسی قسم کی کبھی کوتاہی نہ کی اور کتاب اللہ کے مطابق ہی
احکام نافذ کرتے رہے۔ غیر مسلمین پر ہمیشہ غالب رہے۔ حضرت علیؓ
حضرت حسنؓ اور عبداللہ بن الزبیرؓ کو تو آپس میں جنگ سے فرصت ہی نہ ملی
مگر اس وقت بھی مسلمانوں کو باہمی جنگ میں مبتلا دیکھ کر کسی طرف سے
حملہ کردینے کی ہمت کسی غیر مسلم حکومت کو نہ ہوئی۔ بلکہ حضرت عثمانؓ

کے بعد سے جو فتوحات کا سلسلہ بند ہوگیا تھا، وہ پھر حضرت معاویہؓ ہی کے
وقت سے شروع ہوگیا تھا، حضرت معاویہؓ کے بعد یزید کو چار برس سے بھی
کچھ کم ہی کی زندگی ملی اور اس کے عہد خلافت میں ایسے ایسے افسوسناک
سانحے ہوئے جن کے خیال ہی سے ہر مسلمان کا دل پاش پاش ہو جاتا ہے۔
ان افسوسناک حوادث میں سے سب سے اہم حادثہ واقعہ کربلا ہے۔ مگر اس
کی ذمہ داری سب سے زیادہ اہل کوفہ پر ہے، جس میں منافقین و ملاحدہ عجم
ہی پیش پیش تھے جن کا مرکز ہی کوفہ تھا اور یہ واقعہ کربلا کا کھیل تو اسی
لئے کھیلا گیا تھا کہ جو فتنہ حضرت معاویہؓ کے تدبر سے بیس برس تک سر نہ
اٹھا سکا تھا یہ چالاکہ کھیل کھیل کر پھر از سر نو زندہ کیا جائے اور پھر فتنوں کا
ایک سلسلہ قائم کر دیا جائے۔ مختصر یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کی وفات سے
عبداللہ بن الزبیر کے واقعہ قتل تک کے لئے (چودہ برس تک) پھر
فتوحات کا سلسلہ موقوف ہوگیا تھا اور مسلمان اتنے دنوں تک آپس کی
خونریزیوں میں مصروف رہے۔ اس کے بعد سے پھر برابر ہر خلیفہ کے وقت
میں کم و بیش فتوحات ہوتی رہیں۔ اور بارہویں خلیفہ یعنی حضرت عمر بن
عبدالعزیز کے وقت تک اسلامی فتوحات کی ایک لمبی فہرست تیار ہوگئی اور
ممالک اسلامیہ میں کافی وسعت پیدا ہوگئی۔ اس لئے بارہ خلیفوں والی
حدیث کی پیش گوئی تو حرفاً حرفاً صحیح ثابت ہوئی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد بھی اور چھ خلیفہ مسلسل بنی امیہ سے
ہوئے۔ اور ان کے بعد پھر خلافت بنی عباس کا دور آیا۔ عمر بن عبدالعزیز
کے بعد بھی متعدد خلفائے بنی امیہ ممدوح گزرے اور ان کے وقت میں
فتوحات بھی ہوئیں۔ خلفائے بنی عباس میں سے جو سابقین تھے وہ بہت
ممدوح رہے۔ اور یہ سب کے سب قریش ہی سے تھے۔ بنی امیہ کے پورے

عہد خلافت میں دین کے چاروں اجزاء یعنی عقائد و عبادات اور اصول اخلاق و معاملات ان میں کوئی کمی بیشی یا تغیر و تبدل نہ ہو سکا تھا۔

منافقین عجم نے خلفائے بنی امیہ کو ہر چند بہت بد نام کیا، اور ان کے خلاف ان کے عہدوں میں، اور پھر ان کے بعد روایات کے ذریعے خوب خوب جھوٹے پروپگنڈے کیئے۔ اس لئے عام طور سے بنی امیہ کا زمانہ نہایت برا زمانہ سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ خلافت راشدہ کے بعد اگر اسلام اپنی اسی پہلی سادگی پر بیرونی آمیزشوں سے اور فرقہ وارانہ کھینچ تان سے پاک و صاف رہا تو بنی امیہ ہی کے زمانے تک۔ بنی عباس کے ابتدائی دور میں جو کسی حد تک اسلامی سادگی کا اثر مسلمانوں میں جب تک رہ سکا رہا وہ دراصل بنی امیہ ہی کے انجن کی چلائی ہوئی گاڑی تھی جو انجن سے جدا ہونے پر بھی کچھ دور تک جب تک چل سکی چلتی رہی۔ مگر پھر آخر عجمیوں کی تخریبی سازشیں اپنے ناپاک مقصد میں کامیاب ہوتی چلی گئیں بارہویں خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے بعد ایک طرف سیاسی سازش دعوت عباسیہ والی جس کی داغ بیل سلیمان بن عبدالملک ہی کے عہد خلافت میں پڑ چکی تھی اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے مختصر سے عہد خلافت راشدہ میں چپکے چپکے اس کی کھچڑی خراسان میں پکائی جارہی تھی، حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات کے بعد ایک طرف اس ناپاک سازش کی رفتار تیز کی گئی، اور دوسری طرف ابن شہاب زہری کے ذریعے جمع حدیث کا کام شروع کر دیا گیا اور قال اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز ہر طرف بلند کی جانے لگی۔ چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات کے بعد ابن شہاب زہری متوفی ۱۷ رمضان ۱۲۴ھ نے اپنے وطن ایلہ میں جمع احادیث کا سنگ بنیاد رکھا۔ اور ان کے دیکھا دیکھی ان کے ابتداء کر دینے کے بعد دوسروں

نے بھی اس میدان میں گھوڑے ڈال دیئے جن کی پیش قدمی بصرہ والوں نے کی۔ چنانچہ سعید بن عروبۃ البصری جو بنی عدی کے غلام آزاد کردہ تھے متوفی ۱۵۷ھ مگر ۱۴۳ھ ہی میں پیرانہ سالی کی وجہ سے مختلط الحواس ہوگئے تھے۔ جمع احادیث پر کمربستہ ہوگئے۔ پھر ربیع بن صبیح البصری جو بنی سعد کے غلام آزاد کردہ تھے، متوفی ۱۶۰ھ یہ بھی کمر کس کر تیار ہوگئے۔ اگرچہ محدثین کے نزدیک یہ ضعیف الحدیث اور منکر الحدیث ہیں۔ ان کے بعد یا ان کے ساتھ ساتھ حماد بن سلمہ البصری متوفی ۱۶۷ھ نے بھی حدیثیں جمع کرنا شروع کر دیں، ابن حجر تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں کہ یہ ابدال[^] بھی تھے۔ کوفہ تو حدیثوں کے ڈھالنے کا ٹیکسال ہی تھا۔ مگر یہاں لوگوں نے چالاکی کی کہ یہاں سے صرف حدیثیں گھڑ گھڑ کر باہر سپلائی کرتے تھے تاکہ باہر والے جمع و تدوین کا کام شروع کریں اور جب متعدد جگہ متعدد لوگ اس کام میں مصروف ہولیں تو پھر یہاں بھی کوئی جمع و تدوین کا سلسلہ

[^] حماد بن سلمہ کے ترجمے میں ابن حجر لکھتے ہیں کہ انھوں نے ستر نکاح کئے مگر کسی سے کوئی اولاد نہ ہوئی اور یہ خاص علامت ہے ابدال کی کہ اس کے کبھی کوئی اولاد نہیں ہوتی آج سے تقریباً بتیس برس قبل میرے پاس پھلواری ضلع پٹنہ (صوبہ بہار) میں میرے ایک بزرگ کا خط ان کے ایک عزیز کے ہاتھ سے پہونچا اس میں مجھ سے پوچھا گیا تھا کہ اولیاء اللہ کے جو مناصب غوث قطب ابدال اوتاد اور مخدوم وغیرہ مشہور ہیں قرآن مبین میں ان کے متعلق کچھ ارشاد فرمایا گیا ہے یا نہیں؟ میں نے اسی خط میں لکھدیا کہ دین کی کوئی بات ایسی نہیں ہے، جس کے متعلق قرآن مبین بالکل خاموش ہو۔ یہ سوال بھی دین ہی سے متعلق ہے اس لئے قرآن مبین اس سوال کا بھی صاف صاف جواب رکھتا ہے۔ فوراً پھر لکھ کر بھیجا کہ آپ قرآن مبین کی وہ آیت لکھ کر بھیج دیجئے جس میں اولیاء اللہ کے ان مناصب کے متعلق کچھ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ میں نے لکھ کر بھیج دیا کہ۔ ان ھو الا اسماء سمیتموھا انتم واباء و کم ما انزل اللہ بھا من سلطان الایہ (یعنی یہ فقط نام ہی نام ہیں (جن کی کوئی حقیقت نہیں) تم نے اور تمھارے باپ دادا نے گھڑ لئے ہیں اللہ نے اس کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔

تمنا عفرلہ،

شروع کردے۔ چنانچہ سفیان ثوری متوفی ۱۶۱ھ نے کوفے میں بھی حدیثیں جمع کرنے کا کام شروع کر دیا تھا۔

مکہ معظمہ میں بصرہ کے ساتھ ساتھ کام شروع کیا گیا تھا۔ چنانچہ وہاں کے لئے عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج جو رومی الاصل تھے اور بنی امیہ کے غلام آزاد کردہ تھے متوفی ۱۵۰ھ تیار ہوگئے تھے۔ یہ ہنایت خطرناک قسم کے مدلس تھے۔ اور مدینے میں ان سب کے بعد امام مالک خود جمع احادیث کی طرف متوجہ ہوئے۔ امام مالک کی وفات ۱۷۹ھ میں ہے۔ ان سے وضاعین و کذابین کا کام ہنیں نکل سکتا تھا۔ اس لئے ان کا پرائیوٹ سیکرٹری کاتب بن کر حبیب بن ابی حبیب مصری ان کے ساتھ لگ گیا۔ جو مشہور کذاب تھا۔ امام ذہبی اور علامہ ابن حجر دونوں اس کو کذاب الناس لکھتے ہیں۔ اس کی وفات ۲۱۸ھ میں ہوئی تھی۔

شام میں عبدالرحمن بن عمر الاوزاعی متوفی ۱۵۸ھ نے جمع احادیث کا بیڑا اٹھایا یہ سند کے قیدیوں میں سے تھے۔ زہری ان سے روایت کرتے تھے اور یہ زہری سے روایت کرتے تھے مگر محدثین ان کی ان حدیثوں کو جنھیں یہ زہری سے روایت کرتے تھے مستند ہنیں سمجھتے تھے یمن میں معمر بن راشد جو ازدیوں کے غلام آزاد کردہ تھے۔ متوفی ۱۵۴ھ جمع احادیث میں سرگرم رہے۔ یہ آبان بن عباس مشہور کذاب سے روایت کرتے تھے۔ مگر آبان کی جگہ ثابت البنانی کا نام ظاہر کرتے تھے۔ (تہذیب التہذیب ص ۱۰۱ ج ۱) مگر محدثین ان کو پھر بھی ثقہ ہی سمجھتے اور لکھتے ہیں۔

اور خراسان جو منافقین عجم کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا مرکز رہا، وہاں عبداللہ بن مبارک جمع احادیث کے لئے منتخب ہوئے۔ ان کی وفات ۱۸۱ھ میں ہوئی۔ بڑے بھاری محدث تھے۔ امام ابو حنیفہ کے شاگرد مگر

امام بخاری و مسلم کے استاذ الاستاذ تھے۔ یہ بھی بنی تمیم کے غلام آزاد کردہ تھے۔ مگر بڑے ثقہ اور بہت بڑے محدث تھے۔ ان کے ساتھ بھی دو دو وراق (دفتری) لگے ہوئے تھے جو ان کے مسودات کی وراقی کرتے تھے۔

ایک تو سلمہ بن سلیمان المروزی متوفی ۲۰۳ھ دوسرے اسماعیل بن آبان الوراق الکوفی جو تھے تو کذاب مگر امام بخاری ان سے روایت کرتے ہیں۔ اس لئے آئمہ رجال نے دو اسماعیل بن آبان قرار دے کر ایک کو غنوی کا لقب دے کر اس کو کذاب قرار دے دیا۔ اور دوسرے کو ازدی کہہ کر ثقہ لکھ دیا اور لکھا کہ امام بخاری کے شیخ اور ابن مبارک کے شاگرد یہی دوسرے اسماعیل بن آبان تھے۔ پہلے ہنیں۔ حالانکہ دراصل دونوں ایک ہیں۔ اور یہ اسماعیل بن آبان صاحب شیعہ بھی تھے، آخر کوفی ہی تھے۔ متوفی ۲۱۶ھ۔

اور واسط میں ہشیم بن بشیر الواسطی متوفی ۱۸۳ھ نے حدیثیں جمع کرنا شروع کردیں یہ بخاری الاصل تھے اور مشہور مدلس تھے اور مرسل حدیثیں بہت روایت کیا کرتے تھے۔ اور رے میں جریر بن عبدالحمید نے جمع احادیث کا ذمہ لیا، متوفی ۱۸۸ھ یہ اصفہان کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے اور کوفے میں پروان چڑھے اس لئے تشیع کا اتنا اثر تو نمایاں ان پر تھا کہ حضرت معاویہؓ کو ناشائستہ الفاظ سے اعلانیہ یاد کیا کرتے تھے۔ اور مشہور مدلس تھے۔

مختصر یہ ہے کہ بارہ خلیفوں کے گذر جانے کے بعد سے دعوت عباسیہ کے فتنے نے بھی سر اٹھایا، اور سلسلہ روایت احادیث کا فتنہ بھی کھڑا ہوا اور بنی امیہ کی خلافت کے ختم ہوتے ہی جہاد فی سبیل اللہ کا سلسلہ بھی موقوف ہوگیا اور پھر ہر جگہ جمع احادیث کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

اس تصریح کی روشنی میں عقل تو یہی کہتی ہے کہ بارہ خلیفوں والی حدیث بحیثیت ایک پیشن گوئی کے ضرور صحیح ہے، واقعات اس حدیث کی تصدیق کر رہے ہیں۔

مگر اہل کوفہ اور دوسری جگہوں کے متشیع حضرات اس پیشن گوئی والی حدیث کو صحیح قرار دیتے ہوئے خلفائے بنی امیہ پر کس طرح منطبق تسلیم کرتے، اس لئے سب سے پہلے تو اس حدیث کے اثر کو زائل کرنے کے لئے ایک دوسری حدیث گھڑ ڈالی گئی کہ الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ۔ ترمذی میں احمد بن منیع البغوی البغدادی سے وہ شریح بن نعمان البغدادی سے، وہ حشرج بن نباتہ الکوفی سے وہ سعید بن جمہان سے وہ سفینہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الخلافۃ فی امتی ثلاثون سنۃ ثم ملک بعد ذالک ثم قال سفینۃ امسک خلافۃ ابی بکر ثم قال و خلافۃ عمر و خلافۃ عثمان ثم قال و امسک خلافۃ علی فوجدناھا ثلثین سنۃ قال سعید فقلت لہ ان بنی امیۃ یزعمون ان الخلافۃ فیھم قال کذبو ابنو الزرقائیل ھم ملوک من شرالملوک۔ یعنی بروایت سعید بن جمہان حشرج بن نباتہ الکوفی کہتے ہیں کہ سفینہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام آزاد کردہ تھے، متوفی تقریباً ۷۴ھ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں خلافت تیس برس تک رہے گی پھر اس کے بعد بادشاہی ہوگی یہ قول رسولؐ (بزعم راوی) بیان کر کے حشرج کوفی نے کہا کہ سعید بن جمہان نے کہا کہ سفینہ نے مجھ سے کہا کہ ابو بکرؓ کے عہد خلافت کو حساب کر لو پھر عمر اور عثمان کے عہد خلافت کو لے لو پھر علی کے عہد خلافت کو حساب کر لو۔ تو ہم سبھوں نے ان سب زمانوں کی میزان تیس

برس ہی پائی۔ سعید نے کہا کہ بنی امیہ کا گمان ہے کہ خلافت ہم لوگوں میں ہے تو سفینہ نے کہا کہ جھوٹے ہیں زرقائیل کے بچے۔ وہ لوگ بادشاہ ہیں بد ترین بادشاہوں میں سے۔

اس سلسلہ روایت میں حشرج بن نباتہ الکوفی کا نام آپ نے دیکھا۔ یہ تقریباً تمام ائمہ رجال کے نزدیک ضعیف الحدیث اور لا یحتج بہ من منکر الحدیث ہیں، اور ان کی حدیثوں کی متابعتیں عموماً نہیں ملتیں۔ اور ان کے بعد سعید بن جمہان کا نام آپ دیکھتے ہیں۔ جو اصل راوی اس حدیث کے ہیں، اور تنہا راوی ہیں صحاح میں۔ یہ بصری ہیں مگر یہ بھی لا یحتج بہ ہیں ابن حجر لکھتے ہیں کہ یہ سفینہ سے ایسی ایسی حدیثیں روایت کرتے ہیں جن کو انکے سوا کوئی روایت نہیں کرتا۔ امام بخاری نے کہا کہ یہ عجیب حدیثیں روایت کیا کرتے تھے۔ یحییٰ بن سعید ان کی حدیث ناپسند کرتے تھے۔ اور باطل کہتے تھے اور پر غضب ہو جاتے تھے۔ چنانچہ یہاں یہ حدیث بھی صرف سعید بن جمہان ہی سے مروی ہے اور سفینہ ہی سے جس کو ان کے سوا کوئی دوسرا شخص روایت نہیں کرتا۔ ان کی وفات ۱۳۶ھ میں ہوئی۔ اور سفینہ کی وفات ۷۴ھ کے قریب ہوئی تھی۔ دونوں کے سال وفات میں ۶۲ برس کا فرق ہے۔ پھر سعید بن جمہان بصرہ کے رہنے والے اور سفینہ مدنی تھے، مدینہ ہی میں وفات پائی سعید بن جمہان کے معمر ہونے کا بھی کوئی ذکر کسی نے نہیں کیا ہے۔ پھر کس عمر میں سعید بصرہ سے مدینہ گئے تھے جو ان کو سفینہ سے حدیثیں سننے کا موقع ملا؟

یہی حدیث ابو داؤد میں بھی ہے، اسی سعید بن جمہان سے اور انھیں

یعنی عموماً جو حدیثیں یہ روایت کرتے ہیں کوئی دوسرا ان حدیثوں کو روایت نہیں کرتا۔ تمنا عمادی

سفینہ سے مگر یہاں حدیث کے الفاظ یوں ہیں کہ خلافۃ النبوۃ ثلاثون سنۃ ثم یوتی اللہ الملک من یشاء یعنی نبوۃ کی خلافت تیس برس تک رہے گی۔ پھر اللہ جس کو چاہے گا اپنا ملک دے گا۔ قال سعید قال لی سفینۃ امسک علیک ابابکر سنتین و عمرا عشرا و عثمان اثنی عشرا۔ وعلی کذا قال سعید قلت لسفینۃ ان ھولاء یزعمون ان علیا لم یکن بخلیفۃ قال کذبت ایتاہ بنی الزرقاء۔ یعنی بنی مروان (جب سفینے کی حدیث بیان کر چکے تو) سعید نے کہا کہ سفینہ نے مجھ سے کہا کہ حساب کرو ابو بکر (کی خلافت کے) دو برس اور عمر (کی خلافت) دس برس اور عثمان (کی خلافت کے) بارہ برس اور علی اسی طرح۔ سعید نے کہا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ علی خلیفہ نہیں تھے۔ تو سفینہ نے کہا کہ جھوٹ کہا زرقاء کے بچوں کی "فلانون" نے یعنی بنی مروان۔

ترمذی کی روایت میں تو یہ تھا کہ بنی امیہ کہتے ہیں کہ خلافت انھیں لوگوں میں ہے اور ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ علیؓ خلیفہ ہی نہ تھے۔ ابو داؤد کی روایت دو طریق سے ہے، یعنی سعید بن جمہان سے عبدالوارث بن سعید البصری بھی بیان کرتے ہیں۔ اور عوام بن حوشب البصری بھی۔ تو ابو داؤد میں دو بصری سعید بن جمہان سے روایت کرتے ہیں اور ترمذی میں صرف ایک کوفی حشرج بن نباتہ ہے۔ مگر نفس حدیث کے الفاظ میں بھی فرق ہے کہ ترمذی میں ثم ملک بعد ذالک ہے۔ اور ابو داؤد میں ہے ثم یؤتی اللہ الملک من یشاء۔ اور بعض نسخوں میں ہے، ملک من یشاء۔ پھر بقول حشرج بن بناتہ سفینہ نے بنی امیہ کو "رزقائیل کے بچے" کہا۔ اور بقول عبدالوارث بن سعید و عوام بن حوشب سفینہ نے بنی امیہ کو "زرقاء کے بچے" کہا۔ حشرج کے سامنے

سفینہ نے بنی امیہ کو جھوٹا قرار دیا۔ اور عبدالوارث و عوام کے سامنے ان کی "فلان" کو جھوٹی قرار دیا۔ اور آپ جانتے ہیں کہ حضرت سفینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے، اور آپؐ کے زیر تربیت رہے۔ جس نے اخلاق نبوی کی آغوش تربیت میں دمائی پرورش پائی ہو وہ کبھی بد زبان، کسی کو گالیاں دینے والا نہیں ہو سکتا۔ یہ خاصہ اسی جماعت کے فرد کا ہے جس کے مذہب میں صحابہ کرام وازواج رسول امہات المومنین رضی اللہ عنہم اجمعین کی پاک شانوں میں گستاخیاں کرنا اور گالیاں بکنا سب سے بڑا کار ثواب ہے۔ اس لئے یہ کوفے اور بصرے کے لوگوں کو زیب دیتا ہے۔ حضرت سفینہؓ قرآن پاک کے حکم صریح ولا تنابزو بالالقاب۔ سے خوب واقف تھے۔ اس لئے کسی کو وہ ایسے لقب سے کبھی یاد نہیں کر سکتے تھے۔ جس لقب کو وہ اپنے لئے پسند نہیں کرتے۔ کیا وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ بنی امیہ میں بھی بعض ام المومنین بعض خلفائے راشدین ہوئے ہیں؟ وہ کس طرح پورے قبیلے کو بغیر کسی استثناء کے گالیاں دے سکتے تھے۔

مختصر یہ ہے کہ یہ حدیث صحاح کی دنیائے احادیث میں بس صرف ابو داؤد و ترمذی میں مروی ہے، ترمذی میں صرف ایک کوفی سے اور ابو داؤد میں فقط دو بصریوں سے اور یہ تینوں صرف ایک بصری منکر الحدیث، ضعیف الحدیث لا یحتج بہ سعید بن جمہان سے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث آحاد در آحاد ہے تنہا سعید بن جمہان اس کے راوی ہیں اور وہ تنہا حضرت سفینہؓ پر اس کی تہمت لگا رہے ہیں۔ اور یہ حدیث صرف اس بارہ خلیفوں والی حدیث کے مضمون کو بے اثر کرنے کے لئے گھڑی گئی ان چاروں خلفائے راشدینؓ کی مدت خلافت کا اندازہ کرکے۔ یہ دیکھ کر کہ حضرت معاویہؓ کے ہاتھ میں زمام خلافت آئی ہے۔ ربیع الاول ۴۱ ھ میں خلافت

حضرت صدیق اکبرؓ ربیع الاول ۱۱ھ میں ہوئی تھی تو حضرت معاویہؓ کے قبل تیس سال ہوتے ہیں ۔ جن میں پہلی چار خلافتیں ہوئیں ۔ اس لئے یہ حدیث چونکہ تقریباً پہلی صدی گذرنے کے بعد گھڑی گئی اس لئے یقیناً نکتہ بعد الوقوع کے طور سے ایک بات واقعات کو سامنے رکھ کر بنائی گئی اور اس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر دی گئی ۔ اور اس کے لئے بڑے صحابیوں کے نام استعمال کرنے کی گنجائش نہ تھی اس لئے ایک غیر معروف صحابی جو ایک آزاد کردہ غلام تھے ، ان کا نام استعمال کیا گیا۔ چونکہ وہ آخر عمر میں کوفے میں آبسے تھے اور کوفہ ہی میں وفات پائی اس لئے ان کے نام کے استعمال میں کوئی خرخشہ نظر نہ آیا ورنہ اگر واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا فرماتے تو اکابر صحابہ کو ضرور اس کی خبر ہوتی اور آپ مہاجرین و انصار سے فرماتے نہ کہ صرف ایک غلام سے ۔ بخلاف جابر بن سمرہ والی بارہ خلیفوں کی پیشن گوئی کے کہ بارہ خلیفوں کی مدت خلافت پہلی صدی گذر جانے کے بعد دوسری صدی کے آغاز یعنی ۱۰۱ھ میں ختم ہوتی ہے۔ اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ بارہ خلیفوں کے گذر چکنے کے بعد یہ حدیث ان کے فضائل ثابت کرنے کے لئے یا بعد والوں کی تنقیص کے خیال سے گھڑلی گئی ہے ۔ صحاح میں جو حدیثیں بارہ خلیفوں کے متعلق مروی ہیں اگرچہ وہ صرف حضرت جابر بن سمرہ سے مروی ہے۔ مگر ترمذی میں یہ بھی مذکور ہے کہ وفی الباب عن عبداللہ بن مسعود و عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم۔ یعنی اس بارے میں عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عمرؓ سے بھی حدیثیں مروی ہیں ۔ جس سے یہ صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ تنہا جابر بن سمرہ ہی اس حدیث کے راوی نہیں ہیں ، بلکہ بعض دوسرے صحابہ بھی ہیں اور پھر جابر بن سمرہ سے روایت

کرنے والے صحاح میں آٹھ دس تابعی ہیں۔ جن میں سے کسی کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انھوں نے یزید اور اس کے بعد والے خلفائے بنی امیہ کی حمایت میں یہ حدیث اپنے جی سے گڑھ لی ہوگی۔

مختصر یہ ہے کہ الخلافۃ فی امتی ثلاثون سنۃ والی حدیث جس کے راوی صرف سفینہ ہیں اور ان سے صرف سعید بن جمہان روایت کرتے ہیں اور صرف ترمذی و ابو داؤد میں ہے وہ بھی صرف تین طرق سے جن کو طریق بھی نہیں بلکہ تحویل کہنا چاہئے ۔ اور پھر صاف معلوم ہو رہا ہے کہ یہ حدیث بنی امیہ کی خلافتوں سے انکار کے لئے خلافت راشدہ کے بعد چار خلیفوں کی مدت خلافت کا حساب کرکے بنائی گئی ہے۔ اس کے مقابل یہ بارہ خلیفوں والی حدیث بہت زیادہ قوی ہے، اور قابل وثوق ہے،۔ خصوصاً جب کہ واقعے کے اعتبار سے یہ پیشن گوئی صحیح بھی ثابت ہو چکی۔ لیکن پھر بھی یہ ایک ظنی روایت ہی ہے، اس لئے میں اس پیشن گوئی کو حدیث رسول ہی یقین کرلوں تو یہ بھی صحیح نہ ہوگا ۔ کیونکہ ظنیات سے یقین حاصل نہیں ہوسکتا ۔

مگر فرق پرست علماء نے اپنے اپنے فرقہ کے مفروضات کے مطابق اس بارہ خلیفوں والی حدیث کے مختلف معانی لئے ، علمائے اہل سنت کو ہر چند بنی امیہ سے کوئی خاص عداوت نہ سہی مگر یہ روایت پرستی میں کسی دوسرے فرقے سے کم نہ تھے ۔ اور حدیث کی کتابوں میں بنی امیہ کے متعلق بہت سی روایتیں ایسی ملتی ہیں جو خلافت عباسیہ کے زمانے میں یا جس وقت دعوت عباسیہ کا فتنہ شباب پر آچکا تھا، اس وقت گھڑی گئی تھیں ۔ اور پھر تاریخ اسلام کے تقریباً سب سے پہلے جامع ، ابو جعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ (بعہد خلیفہ عباسی مقتدر باللہ) نے اپنی طویل و عریض تاریخ

میں کچھ تو اپنی شیعت کے تقاضے سے اور کچھ خلیفہ وقت اور ان کے درباریوں کو خوش کرنے کے لئے بنی امیہ کے نامہ اعمال کو خوب خوب سیاہ کیا ہے۔

ان تصریحات کے ماتحت خلافت و نبوت کے تیس برس تک رہنے کی حدیث اور بارہ خلیفوں والی حدیث دونوں کو صحیح مانتے ہوئے دونوں میں تطابق یوں پیدا کیا کہ تیس برس کے بعد خلافت و نبوت جو اصل خلافت تھی وہ تو ختم ہوگئی۔ اس کے بعد ملوکیت آگئی۔ مگر بعد کے آٹھ بادشاہ بھی خلیفہ ہی کہے گئے۔ اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے یعنی ایک کا جانشین ایک خلیفہ دوسرا ہوتا رہا۔ اسی اعتبار سے سارے خلفائے بنی امیہ اور جملہ خلفائے بنی عباس خلیفہ ہی کہے جاتے تھے اس لئے بعد خلافت راشدہ کے آٹھ خلفاء کو لغوی معنی کے اعتبار سے خلفاء کہا گیا ہے۔ اور یہ کہنا کہ بارہ خلفاء تک یہ دین اپنی اصلی شان پر باقی رہے گا۔ پھر اس میں رخنہ پڑنے لگے گا۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ بارہ خلفاء کے بعد بھی خلفاء کا سلسلہ ضرور کچھ عرصے تک رہے گا۔ مگر بارہ خلفاء کے بعد والے خلفاء دین کو رخنے سے بچا نہ سکیں گے۔ اور دینی عزت و وقار کو قائم نہ رکھ سکیں گے۔ اس لئے دونوں حدیثیں صحیح ہیں، اور ایک دوسرے کے خلاف نہیں۔

باقی رہا یہ کہ چار خلفائے راشدین کے بعد جو آٹھ خلیفہ مسلسل ہوئے ان میں بعض بہت زیادہ بد نام ہیں جن پر سخت سخت الزامات دینی اور اخلاقی ہر حیثیت سے ہیں، جن کی شہادتیں تاریخ و سیر اور روایات سے بکثرت ملتی ہیں وہ ان بارہ کی تعداد سے ساقط ہیں۔ کیوں کہ اس حدیث میں یہ نہیں فرمایا گیا ہے کہ وہ بارہ خلیفہ پے در پے ہوں گے۔ بعد والے بعض خلفائے بنی عباس کو ملا کر کسی طرح بارہ کی تعداد پوری کر لی جائے گی بعضوں نے یہ بھی کہا کہ ایک وقت میں متعدد خلفاء بھی ہوسکتے ہیں،

کوشش کی جائے اور پتا لگایا جائے تو اس کی مثال بھی مل سکتی ہے۔ اگرچہ ایسا کہنے والے صاحب نے مثال میں کچھ نام پیش نہیں کیئے اور ایک وقت میں متعدد خلفاء کا وجود شرعاً جائز بھی ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس سوال کو بھی حل نہیں کیا۔ غرض یہ لوگ بارہ خلیفوں والی حدیث کو صحیح مان کر عجیب مخمصے میں پڑے۔ کیونکہ یزید جیسے شخص کو بھی جس کے فاسق و فاجر ہونے پر ان کا ایمان بالغیب تھا، اور پھر بنی مروان کو بھی ایسا خلیفہ ماننا پڑتا ہے، جنھوں نے دین کے وقار و عظمت کو برقرار رکھا، اور دین میں کسی طرح کا رخنہ پڑنے نہ دیا اور اس کے ماننے کے لئے یہ کبھی تیار نہ تھے۔ حالانکہ حدیث کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ وہ بارہ خلیفہ مسلسل پے در پے ہوں گے۔ الی اثنی عشر خلیفۃ کا لفظ ہرگز اس کا مقتضی نہیں ہوسکتا کہ ان بارہ کے درمیان کے دو چار نام چھوڑ کر پندرہویں یا بیسویں یا پچیسویں کو ان میں شمار کرکے بارہ کی گنتی پوری کی جائے۔ سب سے زیادہ دشواری یزید کی وجہ سے ہے۔ اور یزید سے پہلے کسی طرح بھی بارہ خلیفوں کی تعداد پوری نہیں اترتی۔ اور یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ یزید کو چھوڑ کر گنا جائے۔ غرض علمائے اہل سنت لایعنی تاویلیں کرکے اپنے نفس کو کسی طرح مطمئن کرنے میں شاید کامیاب ہوگئے ہوں، مگر دوسروں کی تشفی وہ اپنی تاویلوں سے نہیں کر سکتے۔

علمائے شیعہ نے اس کی تاویل ہی نرالی کی۔ انہوں نے کہا کہ بارہ خلیفوں سے مراد ہمارے بارہ امام ہیں ان کے عقیدے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی، پھر حضرت حسن، پھر حضرت حسین، پھر علی بن حسین زین العابدین، پھر محمد باقر، پھر جعفر صادق، پھر موسیٰ کاظم، پھر علی رضا، پھر محمد تقی، پھر علی نقی، پھر حسن عسکری، پھر

محمد بن الحسن العسکری ۔ یعنی حضرت علیؓ کے بعد ان کے بڑے
صاحبزادے حسن بن علی ان کے بعد حضرت علی کے دوسرے صاحبزادے
حسین بن علی ان کے بعد مسلسل حضرت حسینؓ ہی کی نسل میں امامت رہی
باپ کے بعد بیٹے امام ہوتے گئے۔ بارھویں امام محمد بن حسن العسکری
دشمنوں کے خوف سے غار "سر من رائی" میں چھپ گئے اور وہی امام مہدی
ہیں جو قیامت سے کچھ پہلے اس غار سے نکلیں گے ۔ اور ساری دنیا میں شیعہ
مذہب کو پھیلا کر رہیں گے ۔ تلک من امانیتھم ۔ شیعوں کے بلا
دلیل وہی منصوبے ہیں ماانزل اللہ بھامن سلطان۔ اللہ تعالیٰ
نے ان کے ان اوہام باطلہ کی کوئی دلیل اپنی کتاب میں نازل نہیں فرمائی ۔
مگر یہ لوگ بلا دلیل ۔ اس مسئلہ امامت کو منصوص من اللہ مانتے ہیں، اور
سمجھتے ہیں کہ اصلی بارہ خلیفہ یہی بارہ امام ہیں، حالانکہ ان بارہ اماموں میں
سے کسی کو بھی اس کا موقع نہ ملا کہ شیعہ مذہب کے مطابق دین کو دنیا میں یا
دنیا کے کسی بڑے حصے میں علانیہ پھیلا سکیں۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ۔

وعد اللہ الذین امنوا منکم و عملو الصالحات
لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من
قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبد
لنھم من بعد خوفھم امنا یعبد و ننی و لا یشرکون
بی شینا ومن کفر بعد ذالک فاولئک ھم الفاسقون

○ (اے لوگو) اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان کے ساتھ
نیک عمل میں مصروف رہے یہ وعدہ کیا ہے کہ انھیں زمین میں اپنا خلیفہ بنا
دے گا ۔ جس طرح ان سے اگلوں کو اپنا خلیفہ بنایا تھا ۔ (جیسے داؤد و سلیمان
علیہما السلام وغیرہ ہما) اور ان کے لئے ان کے اس دین کو سہل العمل بنا
دیں گے ۔ جس کو ان کے لئے پسند کیا ہے ۔ (یعنی اسلام کے قوانین پر بہ

اطمینان تمام عمل کرنے کے مواقع اور سہولتیں پیدا کردیں گے اور
(دشمنوں اور مخالفوں سے) ان کے خوف کے بعد (اس خوف کو) امن و
امان سے بدل دیں گے ۔ کہ (اطمینان کے ساتھ) میری بندگی میں مصروف
رہیں ۔ اور (کسی بات میں) کسی چیز کو میرا شریک نہ بنائیں ۔ اور اس
(خلافت ربانی کے قیام) کے بعد بھی جو لوگ کفر کریں تو پھر وہی لوگ بدکار
ہیں (نور ۷) آپ اس آیت کو پوری طرح ذہن نشین رکھتے ہوئے بارہ
خلیفوں کی پیشن گوئی والی حدیث کو اور پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز تک جو
بارہ خلیفہ گذرے ان کے زمانوں میں جو دینی غلبہ رہا اور برابر فتوحات
ہوتے رہے اور دین میں کسی طرح کی کمی بیشی نہ ہو سکی اور امت باوجود
اس کے کہ بعض وقت باہمی کشت و خون میں بھی مبتلا رہی ، مگر بہر حال
ساری قوم ایک کلمے پر مجتمع رہی ۔ اور دینی فرقہ بندی اس میں آنے نہ
پائی۔ ان سب باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے انصاف و دیانت سے کہیئے کہ
وعدہ خلافت الٰہیہ کن لوگوں پر پورا اترا ؟ حضرت علی شیعوں کے امام اول
ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ ہمارے خلیفہ چہارم ہونے کی حیثیت سے
ضرور اس وعدہ الٰہیہ کے مصداق ہوئے اسی لئے ان کے لئے وہی دین
سہل العمل رہا جو ان کے پیش رو تین خلفائے راشدینؓ کے لئے سہل
العمل تھا۔ نہ وہ شیعوں جیسا مذہب رکھتے تھے ۔ نہ شیعہ مذہب ان کے لئے
سہل العمل بنایا گیا۔ اور ان کے بعد گیارہ بزرگان بنی فاطمہؓ جن کو شیعہ
منصوص من اللہ ائمہ بغیر کسی دلیل دینی کے مانتے ہیں ان میں سے کسی
ایک کے لئے بھی خلافت الٰہیہ کا وعدہ پورا نہ اترا ۔ حضرت حسنؓ کو چند
مہینے اپنے والد بزرگوار کی جگہ برائے نام جانشینی کا موقعہ ملا بھی تو اس
طریقہ پر کہ باپ کے بعد بیٹا خلیفہ ہوجائے ۔ اگر یہ مدعی تھے تو انہوں نے

شروع ہوئی۔ بالآخر چند ماہ بعد ان کو دعویٰ خلافت سے دست بردار ہی ہونا
پڑا اس دست برداری کے بعد پھر مسند خلافت ان میں سے کسی کو چند منٹ
کے لئے بھی نہ مل سکی۔ اور حضرت حسنؓ کو بھی جو چند ماہ مسند خلافت پر
تمکن کا موقع ملا تو وہ اتنے دنوں تک اسی شریعت اور اسی قانون کا اتباع
کرتے رہے، جس کے تبع ان کے پیش رو چاروں خلفائے راشدینؓ تھے
شیعوں کی شریعت وہ بھی جاری نہ کر سکے۔ بلکہ شیعہ حضرات کو خود بھی
اس کا اعتراف ہے کہ سارے شیعہ حضرت ابو جعفر محمد باقر تک اسی دین
اور اسی شریعت کے پابند تھے، جس کے پابند غیر شیعہ سارے مسلمان
تھے۔ جب ابو جعفر محمد باقر نے بقول ان کے شیعہ شریعت کی تدوین کی تو
پھر شیعوں کو اس کا موقعہ ملا کہ دوسرے مسلمانوں سے الگ ہو کر خود
ایک جداگانہ شریعت اختیار کرلیں۔ چنانچہ شیعہ مذہب کی سب سے پہلی
اور سب سے زیادہ معتبر کتاب حدیث "اصول کافی" ص ۳۶۹ میں ہے کہ
و کانت الشیعہ قبل ان یکون ابو جعفر وھم لا
یعرفون مناسک حجھم وحلالھم وحرامھم حتی
کان ابو جعفر ففتح لھم وبین لھم مناسک حجھم و
حرامھم و حلالھم حتیٰ صار الناس یحتاجون الیھم
من بعدی ملکانوا یحتاجون الی الناس۔ ابو جعفر (پیدا)
ہونے سے پہلے شیعہ ہیں۔ مگر وہ اپنے مناسک حج اور شیعوں کے حلال و
حرام سے واقف نہ تھے۔ یہاں تک کہ ابو جعفر (پیدا) ہوئے تو انہوں نے
شیعوں کے لئے مناسک حج اور شیعوں کے حلال و حرام کو کھول دیا اور
بیان کردیا تو شیعہ جو پہلے دوسرے لوگوں کے (اپنے امور دین میں) محتاج
تھے۔ (ابو جعفر کے بیان کر دینے کے بعد) دوسرے لوگ شیعوں کے محتاج
ہوگئے۔

تمام مسلمان اپنے دینی امور میں شیعوں کے کہاں تک محتاج ہوئے یا
ہیں، اس کو تو ساری دنیا جانتی ہے، اس لئے مجھ کو اس کی ضرورت نہیں کہ
ابو جعفر کلینی صاحب مصنف اصول کافی کے اس قول کی تردید میں وقت
صرف کروں۔ مگر یہ تو ان کا تسلیم کردہ ہے کہ حضرت ابو جعفر، محمد باقر
تک تمام شیعے بلکہ خود ان کے آباؤ اجداد سب کے سب اسی شریعت کے
پابند تھے جو تمام مسلمانوں کے پیشوا صحابہ مہاجرین و انصار جو سابقون
الاولون تھے، خصوصاً خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے محتاج تھے۔ کیونکہ
انھیں سابقون الاولون کے اتباع پر رضوان الہیٰ کا حصول موقوف ہے، بغیر
ان کے اتباع کے رضائے الہیٰ کی دولت نہیں مل سکتی حضرت ابو جعفر
باقر کے متعلق اسی اصول کافی ص ۲۹۸ میں ہے کہ ان کی ولادت ۵۷ھ
میں ہوئی اور ان کی وفات ۵۷ سال کی عمر میں ۱۱۴ھ میں ہوئی تھی۔
ان کے والد ماجد حضرت علی بن حسین زین العابدین کے متعلق اسی
اصول کافی ص ۲۹۶ میں لکھا ہے کہ ان کی ولادت ۳۸ھ میں ہوئی اور
وفات ۵۷ برس کی عمر میں ۹۵ھ میں ہوئی تھی۔ غرض شیعوں کے
مناسک حج اور حلال و حرام کے کھولنے اور بیان کرنے کی ضرورت نہ ان
کے امام اول حضرت علیؓ نے محسوس فرمائی، نہ امام دوم حضرت حسن بن
علیؓ نے، نہ امام سوم حسین بن علیؓ نے، نہ امام چہارم علی بن حسینؓ نے،
ان کے یہ چار امام تو عمر بھر عام مسلمانوں کی شریعت کا اتباع کرتے رہے،
ان کے پانچویں امام حضرت ابو جعفر محمد باقر بھی ۳۸ برس کی عمر تک اپنے
والد ماجد کیساتھ عام مسلمانوں ہی کی شریعت کا اتباع کرتے رہے۔ جب ۹۵ھ
میں ان کے والد بزرگوار حضرت علی بن الحسین نے وفات پائی اور حسب
عقیدہ شیعہ انھوں نے اپنے والد ماجد کے بعد ۹۵ھ میں ۳۸ برس کی عمر میں
امامت کی پگڑی اپنے سر پر باندھی تو اس کی ضرورت انھوں نے پہلی صدی

کے خاتمے پر محسوس کی کہ شیعوں کے مناسک حج عام مسلمانوں سے الگ اور شیعوں کے حلال و حرام عام مسلمانوں سے جداگانہ ہونا چاہئیں۔ اور پھر لگے وہ شیعوں کی ایک خاص شریعت کو مدون کرنے جس کو یقیناً پہلی صدی ہجری کے بعد ہی مکمل کر سکے ہوں گے۔ بہر حال یہ سوال ضرور پیدا ہو کر رہتا ہے کہ ان کے پانچویں امام صاحب نے جو نئی شریعت بنائی یہ صحیح شریعت کتاب اللہ کے مطابق ہے، یا وہ شریعت کے مطابق تھی جس کے پیرو، ان کے آباء ان کے پیش رو چار امام تھے۔؟

وعدہ استخلاف کا کانٹا:۔ بارہ خلیفوں والی حدیث کو اپنے مزعومہ بارہ اماموں پر بزعم خود تو شیعہ حضرات نے چسپاں کر لیا، مگر جب تک وعدہ استخلاف ان پر پورا نہ اترے اس وقت تک یہ بارہ خلیفوں والی حدیث ان بارہ اماموں پر کسی طرح چسپاں ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ اس لئے ان کو یہ فرض کرنا پڑا کہ اگرچہ پہلے گیارہ اماموں پر وعدہ استخلاف والی آیت پوری نہیں اتری، مگر بارہویں امام پر ضرور پوری اتر کر رہے گی۔ ان کے بارہویں امام جن کو یہ لوگ محمد بن الحسن العسکری کہتے ہیں کہ حسب روایت کلینی ص ۳۳۲ ص ۲۵۵ کے شعبان کے مہینے میں پیدا ہوئے۔ ابو جعفر کلینی کو تاریخ و روز ولادت کا علم نہ تھا۔ اس لئے صرف مہینہ اور سنہ لکھ سکے۔ وہ بھی بغیر سند کے۔ بلکہ اس کے فوراً بعد جو بسلسلہ اسناد لکھتے ہیں اس کے آخر میں لکھتے ہیں کہ ولدلہ ولد سماہ م ح م د سنہ ست و خمسین و ماتین یعنی امام حسن عسکری کے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام انھوں نے م ح م د رکھا ۲۵۶ھ میں۔ معلوم نہیں پچپن کا قول صحیح ہے یا چھپن کی روایت کا قول صحیح ہے؟ اور پھر کھل کر محمد کیوں نہیں لکھا، ہر حرف کو الگ الگ کیوں لکھا؟ شاید اس کی غرض یہ ہو کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک سے مشابہت نہ رہے واللہ عالم۔ اس کے بعد ہی وہ روایت لکھتے ہیں کہ علی بن محمد نے کہا کہ ہم سے بیان کیا محمد اور حسن، علی، بن ابراہیم کے دونوں بیٹوں نے ۲۷۹ھ میں کہ ہم سے محمد بن علی بن عبدالرحمن العبدی نے جو قبیلہ عبد قیس سے تھے، بیان کیا ضوء بن علی سے سن کر کہ انھوں نے کہا کہ ہم سے بیان کیا فارس کے ایک شخص نے جس کا نام بھی انھوں نے بتایا تھا (مگر ضوء بن علی کے بعد والے راویوں میں سے خدا جانے کون صاحب بھول گئے۔) اس کے بعد ایک داستان ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ فارسی صاحب "سر من رای" میں امام حسن عسکری کے پاس پہونچے اور ان سے اجازت لیکر ان کی خدمت میں بحیثیت ایک خادم کے رہنے لگے۔ مگر مردانہ ہی مکان میں۔ بلا اجازت بھی آنے جانے کی ان کو اجازت تھی (اس لئے وہ زنانہ مکان کے حالات سے بے خبر تھے) مگر ایک بار وہ اسی زنانہ ہی مکان میں داخل ہونے لگے تو آواز آئی کہ تم اپنے مقام پر کھڑے رہو، آگے نہ بڑھو تو وہ کہتے ہیں کہ میں رک گیا نہ آگے بڑھنے کی ہمت پڑی نہ پیچھے ہٹنے کی۔ اتنے میں ایک لونڈی باہر نکلی اور اس کے ساتھ کوئی چیز (کپڑے میں) لپٹی ڈھکی ہوئی تھی پھر مجھ کو پکارا کہ داخل ہوئیں مکان میں، داخل ہوا تو امام حسن عسکری نے اس لونڈی کو پکارا تو وہ واپس آئی تو اس سے کہا کھول اس کو جو تیرے ہاتھ میں ہے تو اس نے کھول کر نکالا ایک بچہ سفید خوبصورت اور کھولا اس کا پیٹ تو اس بچے کی دھک دھکی ناف تک بال اگے ہوئے تھے سبز جو کالے نہ تھے تو امام حسن عسکری نے فرمایا کہ یہ تمھارا سردار ہے۔ پھر اس کو حکم دیا تو وہ اس کو لے گئی۔ اس کے بعد میں نے پھر اس بچے کو کبھی نہیں دیکھا یہاں تک کہ امام حسن عسکری کی وفات ہوگئی۔ جب ضوء بن علی سے اس

فارسی شخص نے یہاں تک بیان کیا تو ضنو نے پوچھا کہ اس بچے کی عمر اس
وقت کتنی تھی۔ تم اس کا کیا اندازہ کرتے ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ دو برس۔
اس کے بعد محمد بن علی بن عبدالرحمن العبدی نے ضنو بن علی سے پوچھا کہ
تم اس کی عمر کا کیا اندازہ کرتے ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ دو برس اس کے بعد
ابو علی اور ابو عبداللہ (یہ کنیتیں ہیں علی بن ابراہیم کے دونوں بیٹے محمد اور
حسن کی) نے کہا کہ ہم لوگ ان کی عمر کا اندازہ کرتے ہیں، اکیس برس
(اصول کافی ص ۳۳۴ مطبوعہ نولکشور) اس روایت کو سامنے رکھ کر محمد بن
الحسن العسکری شیعوں کے بارہویں امام کی عمر کا حساب جوڑیئے۔ سال
ولادت تو بیان ہو چکا کہ ۲۵۵ یا چھپن تھا۔ جس وقت اس فارسی شخص نے
ان کو امام حسن عسکری کی لونڈی کی گود میں دیکھا تھا۔ اس وقت ان کی عمر
کا اندازہ وہ فارسی شخص دو برس کا کرتا ہے۔ تو اس فارسی نے ۲۵۷ھ یا
اٹھاون میں دیکھا ہوگا مگر ضنو بن علی صاحب اس وقت ان کی عمر کا اندازہ
چودہ برس کا کرتے ہیں۔ اور علی بن ابراہیم کے دونوں بیٹے اکیس برس کی
عمر کا تخمینہ کرتے ہیں۔ اکیس برس کے نوجوان آدمی کو ایک لونڈی کس
طرح کپڑوں میں لپیٹ کر گود میں لائے گی۔ بلکہ ۱۴ برس کے مراہق لڑکے
کو بھی کپڑے میں لپیٹ کر گود میں نہیں لا سکتی۔ اس کے علاوہ جس نے دیکھا
تھا اس کا تخمینہ صحیح ہوگا یا دوسروں کا۔ دو برس، چودہ برس اور اکیس برس
میں اتنا تفاوت ہے کہ ایک کو دوسرے سے کوئی مناسبت ہی نہیں۔ اور اگر
یہ کہا جائے کہ محمد بن علی بن عبدالرحمن نے اس وقت کی عمر کا تخمینہ بتایا
تھا۔ جس وقت وہ روایت کر رہے تھے تو سیاق و عبارت اس مفہوم کی
تائید نہیں کرتا۔ اور اگر یہ صحیح کہا جائے۔ تو پھر ماننا پڑے گا کہ علی بن
ابراہیم کے دونوں بیٹوں نے بھی اسی وقت کی عمر کا تخمینہ کیا تھا جس وقت

کہ وہ راویت کر رہے تھے۔ مگر وہ روایت کر رہے تھے۔ ۲۷۹ھ میں۔ اور
جس کی پیدائش ۲۵۵ھ یا چھپن میں ہو (اس کی عمر ۲۷۹ھ میں ۲۴ یا ۲۳
برس کی ہوگی نہ کہ اکیس برس ورنہ کم سے کم اتنا تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس
حدیث کے راویوں کو اپنے امام آخر الزماں بارہویں امام کا سال پیدائش
معلوم نہ تھا اس لئے وہ لوگ عمر کا پورا حساب نہ کر سکے محض الکل پچو
تخمینہ کرتے رہے۔ سال ولادت کی تعین ان راویوں کے بعد والوں نے
کی۔

حقیقت حال:۔ حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ امام حسن عسکری کے
یہ صاحبزادے فرض کر لئے گئے ہیں۔ ورنہ ان کی کوئی شخصیت فی الواقع اگر
ہوتی تو ان کو امام حسن عسکری اس قدر لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ
رکھتے۔ اور بعد والے صرف بعض لوگوں کے اپنی زندگی میں ایک بار دیکھ
لینے کی روایتیں بنا بنا کر ان کا وجود ثابت نہ کرتے۔ اصول کافی کا یہ پورا
باب مولود صاحب الزماں جو ۳۳۳ سے ص ۳۴۲ تک چلا گیا ہے بارہویں
امام کا وجود ہی ثابت کرنے کی روایتوں سے بھرا ہوا ہے نہ اس میں
غیوبت کبریٰ کا ذکر ہے نہ غیوبت صغریٰ کا اور نہ حالات زندگی کے متعلق
کوئی روایت ہے۔ یا تو لایعنی کرامتیں اور خلاف عقل و درایت باتیں ہیں۔
یا امام مہدی وغیرہ کی فرضی داستانیں ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ وہ پیدا بھی ہوئے تو غیر شیعہ ہی نہیں بلکہ عام شیعوں کی
نظروں سے بھی پوشیدہ رکھے گئے۔ اور پھر ایسے چھپے کہ ان کا کہیں نام و
نشان تک نہیں، مگر عقیدہ یہی قائم کر لیا گیا کہ وہ چھپے ہوئے ہیں قیامت
کے قریب آئیں گے اور شیعہ مذہب کو ساری دنیا میں پھیلا کر رہیں گے۔
اور خدا جانے کیا کیا کریں گے۔ مشہور ہے کہ شیعوں کا یہ عقیدہ ہے

کہ امام مہدی آئیں گے تو خلفائے ثلاثہ کو زندہ کریں گے اور سولی دیں
گے ۔ وغیر ذالک من الھفوات

غرض وہی وعدہ استخلاف والی آیت کا کانٹا دل سے نکالنے کے لئے
بارہویں امام کو غائب کیا گیا ۔ اور پھر یہ عقیدہ قائم کیا گیا کہ وہ آئیں گے ۔
مگر یہ عقیدہ دوسری صدی کے بعد قائم کیا گیا۔ دوسری صدی تک یہی خیال
پھیلایا گیا کہ ایک شخص بنی فاطمہ میں پیدا ہوں گے ۔ جن کا نام محمد ہوگا اور
ان کے باپ کا نام عبداللہ ہوگا ۔ اور وہ ساری دنیا کو عدل و انصاف سے
بھر دیں گے ۔ وہی مہدی موعود ہیں ۔ چنانچہ کوفہ و بصرہ وغیرہ مقامات کے
متقدمین اہل تشیع نے اس مفہوم کی حدیثیں گھڑگھڑ کر ممالک اسلامیہ میں
دوسری صدی کے اواخر میں پھیلائیں جامعین احادیث میں سے امام بخاری
و امام مسلم کو تو ایسی کوئی حدیث نہ مل سکی، اور نہ کسی کو اس کا موقع ملا کہ
مہدی موعود کے متعلق کوئی حدیث صحیحین میں داخل کرسکے ۔ مگر ترمذی و
ابو داؤد و ابن ماجہ میں اس مضمون کی حدیثیں ضرور ہیں، معلوم نہیں ان
کتاب کے جامعین نے خود ان حدیثوں کو داخل کیا ہے یا کسی دوسرے نے
ان کی کتابوں میں یہ حدیثیں داخل کر دیں ۔ مگر نسائی میں نہ نزول عیسیٰ کی
کوئی حدیث ہے نہ آمد مہدی کی ۔

اتنی تمہید کے بعد اب میں ظہور مہدی کی ان حدیثوں کی تنقید شروع
کرتا ہوں جو صحاح میں یعنی ترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ میں ہیں ۔ وباللہ
التوفیق لیحق الحق و یبطل الباطل و لو کرہ
المجرمون ٥ بل نقذف بالحق علی الباطل فید مغہ
فاذا ھوارھق و لکم الویل مما تصفون

تنقید احادیث آمد مہدی

ترمذی نے تو لکھدیا ہے کہ آمد مہدی کے متعلق حضرت علیؓ، حضرت ابو
سعید خدریؓ ، حضرت ابو ہریرہؓ ، اور حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ
عنہم اجمعین سے بھی حدیثیں مروی ہیں، مگر چار حدیثیں جو ترمذی میں مذکور
ہیں ان میں دو حدیثیں عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف منسوب ہیں ، ایک ابو
ہریرہؓ کی طرف اور ایک ابو سعید خدری کی طرف اور بس۔

پہلی حدیث:۔ کو عبید بن اسباط بن محمد الکوفی اپنے باپ اسباط بن محمد
الکوفی سے وہ سفیان الثوری الکوفی سے، وہ عاصم بن بہدلہ الکوفی سے ، وہ زر
بن حبیش الکوفی سے اور وہ عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں۔

دوسری حدیث:۔ کو عبدالجبار بن العلاء ، العطار البصری سفیان الثوری
الکوفی سے ، وہ عاصم بن بہدلہ الکوفی سے وہ زر بن حبیش الکوفی سے اور وہ
عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں۔ یعنی دونوں حدیثوں کے ذمہ دار
دراصل عاصم بن بہدلہ الکوفی ہیں جو قرأت کے بہت بڑے امام سمجھے جاتے
ہیں اور قرآن مبین میں اختلاف قرأت کا ایک انبار جنھوں نے لگا رکھا ہے۔
اور ان کی اکثر حدیثیں اختلاف قرأت کے متعلق بواسطہ زر بن حبیش بن،
عبداللہ بن مسعودؓ ہی کی طرف منسوب ہیں۔

تیسری حدیث:۔ کو بھی وہی عاصم بن بہدلہ الکوفی ابو صالح السمان
سے وہ ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں ۔ اس کے ذمہ دار بھی وہی عاصم
کوفی ہیں۔ اور یہ تینوں حدیثیں کوفہ کی ایک ہی ٹکسال میں ڈھلیں۔

چوتھی حدیث:۔ جو بصرہ کی ٹکسال میں گھڑی گئی اس کو محمد بن بشار۔
بندار البصری محمد بن جعفر غندر البصری سے وہ شعبہ الواسطی البصری سے وہ

زید العمی بن الحواری البصری سے وہ ابو الصدیق الناجی سے اور وہ ابو سعید الخدری سے روایت کرتے ہیں۔

تو پہلی تینوں حدیثوں کے ذمہ دار صرف عاصم بن بہدلہ الکوفی ہیں جن کے متعلق ابن حجر تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۹ میں لکھتے ہیں کہ ان کا مقام اتنا نہ تھا کہ ان کو ثقہ کہا جائے اور یہ حافظ حدیث بھی نہ تھے۔ حافظہ بھی ان کا خراب تھا اور ان کی حدیثوں میں منکریت بھی تھی۔ اور قران مجید کے ساتھ اختلاف قرأت کی بھرمار کر کے جو برتاؤ انھوں نے کیا ہے، اس کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں۔ انھیں سے اس کی بھی روایتیں ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مصحف میں سورہ فلق اور سورہ الناس نہ تھے اور جس کے مصحف میں عبداللہ ابن مسعودؓ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس دونوں سورتوں کو دیکھتے تو اس مصحف سے ان دونوں سورتوں کو محو کردیتے تھے وغیرہ ذالک ۱۲۷ھ میں یا ۱۲۸ھ میں وفات پائی۔

اور چوتھی حدیث کے ذمہ دار زید بن الحواری العمی البصری ہیں جو ہراۃ کے قاضی تھے بنی امیہ کے آزاد کردہ غلام تھے سلیمان الاعمش الکوفی الشیعی کے خاص شاگرد تھے جابر جعفی رافضی کذاب کے گویا خلیفہ راشد تھے۔ ابن حجر ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ ان کو ابو حاتم نے کہا کہ یہ ضعیف الحدیث ہیں ان کی حدیثیں لکھ لی جائیں مگر سند میں قبول نہ کی جائیں۔ ابو زرعہ نے کہا کہ قوی نہیں ہیں، ضعیف ہیں اور ان کی حدیثیں واہی ہیں۔ نسائی نے کہا ضعیف ہیں۔ ابن عدی نے کہا کہ عام طور سے ان کی حدیثیں ضعیف ہوا کرتی ہیں۔ ابن سعد نے بھی ان کو ضعیف الحدیث کہا۔ ابن المدینی نے بھی کہا کہ ہم لوگوں کے نزدیک یہ ضعیف ہیں۔ عجلی نے کہا کہ ضعیف الحدیث ہیں کچھ بھی نہیں ہیں۔ ابن حبان نے کہا کہ حضرت انسؓ

سے موضوع حدیثیں روایت کیا کرتے ہیں جن کی کوئی اصل نہیں ہے۔ یہاں تک کہ دل بھی کہتا ہے کہ یہ بالقصد ایسا کرتے ہیں۔ میرے نزدیک ان کی حدیثوں سے سند پکڑنا جائز نہیں ہے۔

اتنی تصریح کے بعد ترمذی کی حدیثوں کے متعلق اب کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ اور پھر چوتھی حدیث کے پہلے راوی یعنی ترمذی کے شیخ محمد ابن بشار جن کا لقب بندار تھا ان کے متعلق عمرو بن علی قسم کھا کر کہتے تھے کہ بندار جو حدیثیں یحییٰ القطان سے روایت کرتے ہیں ان میں جھوٹ روایت کرتے ہیں۔

(تہذیب التہذیب ص ۷۱، ج ۹)

ابو داؤد:۔ کی حدیثوں میں سے سب سے پہلی حدیث پانچ تحویلوں سے مروی ہے تحویلات کی تفصیل میں وقت کیوں ضائع کیا جائے، کیونکہ پانچوں تحویلیں انھیں عاصم بن بہدلہ الکوفی ہی تک پہنچتی ہیں اور ان تحویلوں میں بھی تین بصری اور سات کوفیوں ہی کے نام آتے ہیں صرف ایک بغدادی بھی کہیں سے پکڑ لئے گئے ہیں۔ تو پہلی حدیث اور اس کی ساری تحویلات کے ذمہ دار وہی عاصم کوفی ہیں جو ترمذی کی پہلی تین حدیثوں کے ذمہ دار ہیں اور ان کا حال آپ کو ترمذی کی حدیث میں معلوم ہوچکا۔ مگر ان تحویلوں میں بھی ضعفاء و مجروحین اور بعض شیعہ بھی موجود ہیں، جیسے عبیداللہ بن موسیٰ الکوفی وغیرہ۔

دوسری حدیث:۔ کو عثمان بن ابی شیبہ الکوفی، فضل بن وکین الکوفی شیعہ سے وہ فطر بن خلیفہ الکوفی کٹر شیعہ سے، وہ قاسم بن ابی بزہ ہمدانی سے وہ ابو الطفیل سے اور وہ حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں۔ اس حدیث کے ذمہ دار فطر بن خلیفہ الکوفی ہیں جو کٹر شیعہ تھے جن کو ابن حجر نے

تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۰۲ میں زائغ، غیر ثقہ لایحتج بہ ، بد مذہب وغیرہ لکھا ہے۔ یہ بھی قریشیوں کے غلام آزاد کردہ تھے۔

تیسری حدیث:۔ کو احمد بن ابراہیم البغدادی عبداللہ بن جعفر الرقی سے اور حسن بن عمر الرقی زیاد بن بیان الرقی سے ۔ اور عبداللہ بن جعفر الرقی اور زیاد بن بیان دونوں علی بن نفیل الحرانی سے ، وہ سعید بن المسیب سے اور وہ حضرت ام المومنین ام سلمہؓ سے روایت کرتے ہیں اس حدیث کے متعلق خود ابن حجر علی بن نفیل الحرانی کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ لایتابع علی حدیثہ فی المہدی و لا یعرف الا بہ
یعنی اس حدیث کی متابعت (تائید) کہیں نہیں ملتی جو انھوں نے آمد مہدی کے متعلق روایت کی ہے ، وہ حدیث صرف انھیں کی وجہ سے جانی جاتی ہے ، اور علی بن نفیل سے جو زیاد بن بیان اس حدیث کی روایت کرتے ہیں ان کے ترجمے میں ابن حجر لکھتے ہیں کہ یہ علی بن نفیل سے مہدی والی حدیث روایت کرتے ہیں جو ابو داؤد اور ابن ماجہ میں ہے ۔ اور بس ان کی صرف یہی ایک حدیث ہے ۔ (غالباً صحاح میں) امام بخاری نے ان کے بارے میں فیہ نظر لکھا ہے ۔ یعنی ان کی شخصیت یا ان کی یہ حدیث محل نظر ہے ۔ زیاد بن بیان اور صاحب سنن ابو داؤد کے درمیان جو تین راوی ہیں وہ تینوں رقہ کے رہنے والے ہیں جو شام کا ایک شہر تھا کوفے کے قریب ۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اپنی ولایت کوفہ کے زمانے میں عیاض بن غنم کو کوفے سے ۱۷ھ میں رقہ تبلیغ و جہاد کے لئے بھیجا تھا اور خود کوفہ میں بیٹھ کر حالات کی نگرانی کر رہے تھے ۔ رقہ والوں نے صلح کرلی تھی ۔ غرض یہ شہر کوفے والوں کی برابر جولانگاہ رہا، اور اہل کوفہ کے اثرات سے پوری طرح متاثر تھا اس لئے اس حدیث کو بھی کوفیوں ہی

کا نتیجہ فکر سمجھنا چاہئے۔

بہر حال جس حدیث کو خود امام بخاری فیہ نظر کہیں اور ابن حجر لایتابع علیہ بتائیں اس کے متعلق کسی مزید گفتگو کی کوئی حاجت باقی نہیں رہتی۔

چوتھی حدیث:۔ کو سہل بن تمام البصری، عمران القطان البصری سے وہ قتادہ بن دعامۃ البصری سے ، وہ ابو نضرہ منذر بن مالک البصری سے اور وہ ابو سعید الخدری سے روایت کرتے ہیں۔

سہل بن تمام کے متعلق ابن حجر تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں لم یکن بکذاب کان ربما وھم فی الشئی وقال ابو حاتم شیخ یعنی یہ بڑے جھوٹے تو نہ تھے مگر اس چیز میں یعنی حدیث میں وہم کیا کرتے تھے یعنی اوہام کے تحت حدیثیں بیان کیا کرتے تھے۔، ابو حاتم نے کہا کہ یہ ایک شیخ تھے ۔ اسی سے ظاہر ہے کہ یہ کس پایہ کے راوی ہیں۔

عمرو بن القطان البصری کے متعلق ابن حجر لکھتے ہیں کہ یحیٰی بن سعید ان سے راوایت نہیں کرتے تھے ۔ نسائی وغیرہ نے ان کو ضعیف لکھا ہے اور ابن معین نے ان کو لیس بشئی قرار دیا ہے۔ (یعنی یہ کچھ بھی نہیں ہیں) ۔

قتادہ کا تو بارہا تذکرہ آچکا ہے کہ یہ سخت مدلس تھے ۔ قدر یہ مذہب رکھتے تھے اور اپنے مسلک کی طرف دوسروں کو دعوت دیتے تھے اور بہت غلو رکھتے تھے ۔ حدیثوں میں حاطب اللیل تھے، یعنی ہر کس و ناکس سے اور ہر طرح کی رطب دیا بس حدیثیں روایت کیا کرتے تھے ۔ یا تو صحیح و غلط حدیث کی تمیز ان کو آتی ہی نہ تھی یا جان بوجھ کے بے پروائی برتتے تھے۔

ابو نضرہ جن سے اس حدیث کو قتادہ روایت کرتے ہیں ان کا نام منذر بن مالک تھا ۔ یہ بصری تھے عقیلی نے ان کا ذکر ضعفاء میں کیا ہے ۔ امام بخاری ان کو لا یحتج بہ لکھتے ہیں ۔ ابن سعد بھی ان کو لا یحتج بہ ہی کہتے ہیں ۔ یہ بصرہ کے رہنے والے تو تنہا اس حدیث کو حضرت ابو سعید خدری سے روایت کرتے ہیں مگر مدینے کے کسی شخص نے بھی اس حدیث کو حضرت ابو سعید خدری سے نہیں سنا ۔ تعجب ہی تعجب ہے ۔ غرض اس سلسلہ اسناد کی ہر کڑی اول سے آخر تک کمزور ہی کمزور ہے ۔ اس حدیث کے ذمہ دار بھی ابو نضرہ منذر بن مالک البصری ہی معلوم ہوتے ہیں جو ابن سعد و امام بخاری دونوں کے نزدیک لا یحتج بہ ہیں (یعنی ناقابل اعتبار ہیں) ۔

پانچویں حدیث:۔ کو محمد بن المثنیٰ البصری معاذ بن ہشام البصری سے وہ قتادہ البصری سے، وہ صالح ابو الخلیل بن ابی مریم البصری سے وہ اپنے ایک دوست سے اور وہ حضرت ام المومنین ام سلمہؓ سے روایت کرتے ہیں ۔ محمد بن المثنیٰ بخاری و مسلم وغیرہ بہتیروں کے شیخ تھے ۔ اس لئے ان کو ثقہ کیوں نہ سمجھا جائے گا ۔ مگر ابن حجر اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ اپنی کتاب میں رد و بدل کیا کرتے تھے ۔

معاذ بن ہشام البصری کو ابن معین لیس بحجۃ لکھتے ہیں اور خود ابو داؤد ان کے متعلق کہتے ہیں کہ اکرہ ان اقول فیہ شیئاً میں ناپسند کرتا ہوں کہ ان کے متعلق کچھ بولوں ۔ اور کیوں نہ ناپسند کرتے ۔ آخر ان کی حدیثیں روایت کرتے تھے، مگر ان کے متعلق یقیناً کچھ ناگفتہ بہ ہی باتیں وہ جانتے تھے جب تو ایسا کہتے تھے ۔ یحییٰ بن سعید بھی ان سے راضی نہ تھے ۔ اور یحییٰ بن معین نے ان کو ضعیف الحدیث بھی کہا ہے یہ معاذ اس حدیث کو اپنے باپ ہشام بن ابی عبداللہ الدستوائی البصری سے اور وہ قتادہ سے

روایت کرتے ہیں ۔ قتادہ کا حال آپ کو معلوم ہو چکا اور قتادہ صالح ابو الخلیل بن ابن ابی مریم البصری سے اس کی راویت کرتے ہیں، جن کو ابن عبدالبر نے اپنی کتاب تمہید میں لا یحتج بہ لکھا ہے (تہذیب التہذیب ترجمہ صالح) اور یہ صالح صاحب اس حدیث کو اپنے کسی دوست سے سنتے ہیں جن کا وہ نام نہیں بتاتے ۔ شاید وہ طالح ہوں، اس لئے نام بتانا مناسب نہیں معلوم ہوا تو جس حدیث کے راویوں میں متعدد ضعفاً اور لا یحتج بہ ہوں اور پھر ایک راوی کا نام بھی درمیان سے غائب ہو ایسی حدیث کہاں تک حجت و سند ہو سکتی ہے ۔ ہر صاحب عقل و دیانت خود اس کو سمجھے ۔

چھٹی حدیث:۔ کو ہارون بن عبداللہ البغدادی عبدالصمد بن عبدالوارث البصری سے وہ ہمام بن یحییٰ بن دینار البصری سے وہ قتادہ سے وہ ابو الخلیل بن ابی مریم البصری سے، وہ اپنے ایک دوست سے اور وہ حضرت ام المومنین ام سلمہؓ سے روایت کرتے ہیں ۔ ہارون تو خیر ثقہ سمجھے جاتے ہیں، اگرچہ امام بخاری نے ان سے راویت کرنے میں نہ جانے کیوں احتیاط کی، باقی سب ان سے روایت کرتے ہیں ۔

مگر عبدالصمد بن عبدالوارث البصری وہی ذات شریف ہیں جن کی ایک من گھڑت حدیث ترمذی میں ہے، سورہ اعراف کی چوبیسویں آیت هوالذی خلقكم من نفس واحده وجعل منهاز وجهاليسكن اليها فلما تغشها حملت حملا خفيفا فمرت به الايه : کی تفسیر میں ۔ جس میں حضرت آدم و حضرت حوا علیہما السلام پر ارتکاب شرک کا الزام عائد کیا ہے اور توبہ کا بھی کوئی ذکر نہیں حالانکہ قرآن مبین کی واضح تصریح سے ہر گناہ بغیر توبہ کے بھی معاف ہو سکتا ہے ۔ مگر شرک اور کفر توبہ کے بغیر کبھی معاف نہیں ہو سکتا ۔ ایک

ترمذی ۳۰۷۷/۵

شجر ممنوعہ کے استعمال پر تو اتنی سخت گرفت ہوئی کہ بغیر توبہ کے جان بخشی نہ ہو سکی اور ارتکاب شرک کر گذرنے پر کچھ بھی نہ ہوا۔ اس کی طرف سے بالکل چشم پوشی کرلی گئی؟ یہ روایت انھیں عبدالصمد بن عبدالوارث البصری سے ترمذی کے علاوہ بعض اور کتابوں میں بھی ہے۔ یہی عبدالصمد صاحب یہاں آمد مہدی کی بھی روایت کر رہے ہیں۔

اور ہمام بن یحییٰ کو تو یکتب حدیثہ ولا یحتج بہ لکھا ہے۔ یحییٰ بن سعید ان سے روایت کرنے میں سخت اجتناب کرتے تھے ہمام کے بعد وہی قتادہ اور وہی ابو الخلیل بن ابی مریم اور وہی ان کے گمنام دوست ہیں ان تینوں پر بحث پانچویں حدیث میں ہو چکی ہے۔

ساتویں حدیث:۔ کو بھی وہی پانچویں حدیث والے محمد بن المثنیٰ عمرو بن عاصم البصری سے، وہ ابو العوام عمران القطان البصری سے، وہ قتادہ سے وہ ابو الخلیل بن ابی مریم سے وہ عبداللہ بن الحارث سے اور وہ حضرت ام المومنین ام سلمہؓ سے روایت کرتے ہیں۔

اب مثنیٰ کو آپ پانچویں حدیث میں جان چکے ہیں۔ عمرو بن عاصم کے متعلق خود ابو داؤد ہی کا قول ہے کہ میں ان کی حدیث سے خوش نہیں ہوتا ہوں جس سے ان کا ضعف ظاہر ہے اور بھی بعض ائمہ رجال نے اشارۃً ان کے ضعف کا اظہار کیا ہے دیکھئے تہذیب التہذیب۔

ابو العوام وہی چوتھی حدیث والے عمران القطان البصری ہیں ان کا حال مذکور ہو چکا ہے۔ محدثین کی ایک طرح کی تدلیس یہ بھی ہوتی ہے کہ ایک جگہ نام لکھتے ہیں۔ دوسری جگہ وہیں پر دوسری حدیث میں کنیت یا صرف ولدیت لکھدیتے ہیں تاکہ عام ناظرین کوئی دوسرا نیا راوی سمجھیں۔ اور یہ حدیث پہلی ہی حدیث کی ایک تحویل نہ سمجھی جائے بلکہ ایک

مستقل نئی حدیث سمجھی جائے۔

عمران القطان ابو العوام البصری صاحب کے بعد پھر وہی قتادہ اور وہی ابو الخلیل بن ابی مریم البصری ہیں۔ مگر یہاں ان کے وہ گمنام دوست ان سے بیان کرنے والے نہیں ہیں بلکہ عبداللہ بن الحارث المدنی البصری کا نام استعمال کیا گیا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ حدیث نمبر ۴ سے نمبر ۷ تک کے ذمہ دار قتادہ بن دعامہ البصری ہیں اور نمبر ۵ سے نمبر ۷ تک کی ذمہ داری میں ابو الخلیل بن ابی مریم البصری بھی ان کے شریک ہیں۔ بلکہ زیادہ قرین یہی ہے کہ نمبر ۴ کے ذمہ دار ابو نضرہ البصری ہوں اور نمبر ۵ سے نمبر ۷ تک کے ذمہ دار ابو الخلیل بن ابی مریم البصری ہوں۔ یہی زیادہ قرین عقل ہے۔ قتادہ بیچارے درمیان میں سان لئے گئے ہوں۔ واللہ اعلم

آٹھویں حدیث:۔ کو عثمان بن ابی شیبہ الکوفی جریر بن عبدالعزیز بن رفیع سے، وہ عبید اللہ بن القبطیہ سے اور وہ حضرت ام المومنین ام سلمہؓ سے روایت کرتے ہیں عثمان بن ابی شیبہ الکوفی کا نام حدیث نمبر ۲ میں آچکا ہے۔ مگر وہاں ان کے تعارف کی ضرورت نہیں دیکھی کیونکہ حدیث نمبر ۲ کی حقیقت واضح کرنے کے لئے تنہا فطر بن خلیفہ الکوفی الشیعی کی شخصیت کافی تھی، عثمان بن ابی شیبہ الکوفی کا تعارف اس حدیث نمبر ۸ کے لئے اٹھا رکھا تھا۔ تو سن لیجئے یہ صاحب تو ایسے ہیں جن سے بخاری میں ۵۲ حدیثیں اور مسلم میں ۱۳۵ حدیثیں مروی ہیں۔ خدا جانے کیوں ترمذی نے ان سے روایت نہیں کی اور نسائی نے بھی احتیاط کی۔ باقی سارے جامعین احادیث نے ان کی حدیثیں لیں مگر قران مجید سے نہ جانے کیوں ان کو چڑ تھی، عموماً قرآن میں تحریف و تصحیف کیا کرتے تھے۔ سورہ یوسف میں جو

ہے۔ جعل السقایہ فی رحل اخیہ اس کو جعل السفینہ فی رحل اخیہ پڑھتے تھے۔ اور الم ترکیف فعل ربک باصحب الفیل کو "الف لام میم ترا کیف فعل ربک باصحب الفیل پڑھتے تھے اور سب سے بڑا کمال تو یہ کرتے تھے کہ سورہ حدید ۲ میں جو ہے فضرب بینھم بسور لہ باب اس کو پڑھتے تھے ... "فضرب بینھم بسنور لہ ناب" سور کے معنی دیوار اور باب کے معنی دروازے کے ہیں۔ اور سنور کہتے ہیں بلی (جانور) کو اور ناب کہتے ہیں نوکیلے دانت کو۔ یہ تحریف و تصحیف نہیں ہے بلکہ قرآن مجید کے ساتھ ٹھٹھا کرنا ہے۔ امام ذہبی تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۸ میں ان کی اس گستاخی کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ لعلہ تاب شاید انھوں نے توبہ کرلی ہو۔ ابن حجر تہذیب التہذیب میں ان کی ایک اور عمداً تحریف کا ذکر ج ۷ ص ۱۵۱ میں کرتے ہیں کہ واتبعوا ماتتلوا الشیطین علی ملک سلیمان (بقرہ ۱۲) کو واتبعوا حرف "ب" کو کسرہ دے کر یعنی بصیغہ امر پڑھتے تھے۔ اب آپ خود سمجھ لیجئے کہ جس شخص کا یہ برتاؤ کتاب اللہ کے ساتھ ہو وہ احادیث رسول اللہؐ کے ساتھ کیا کچھ نہ کرتا ہوگا۔ مگر تعریف کیجئے محدثین کی کہ ان سب باتوں کو جانتے بوجھتے ایسے شخص سے بھی حدیثیں لینے میں ان کو ذرا بھی جھجک نہ ہوئی کہئے زندہ باد راویان کوفہ! و پائندہ باد روایت پرستی! حقیقت تو یہ ہے کہ جس حدیث میں عثمان بن ابی شیبہ الکوفی کا نام آجائے۔ ان کے بعد اس حدیث کے کسی راوی کو دیکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ باقی راوی کیسے ہیں۔ ان کی کوئی حدیث ہزار بے ضرر معلوم ہو، مگر اس کے شہد میں کچھ نہ کچھ زہر ضرور ملا ہوا ہوگا۔

نویں حدیث:۔ کو ہارون بن المغیرہ الرازی عمر بن ابی قیس سے، وہ

شعیب بن ابی خالد سے وہ ابو اسحٰق سے وہ حضرت علیؑ سے روایت کرتے ہیں۔ ہارون بن المغیرہ رے کے رہنے والے تھے اس لئے رازی تھے، اور رے کے قاضی تھے۔ عمر بن ابی قیس تو کوئی راوی ہی نہیں ہے البتہ عمرو بن قیس الکوفی ایک راوی ہیں یہ بھی رے کے قاضی ہوگئے تھے اور پھر وہاں بس کر رازی بھی ہوگئے تھے۔ ابو اسحٰق عمرو بن عبداللہ السبیعی الکوفی بڑے بھاری بھرکم محدث ہیں، مگر متشیع تھے۔ یہ اور سلیمان الاعمش ایک گروپ کے لوگوں میں سے تھے۔ کوفہ میں ان دونوں سے بڑا کوئی بھی محدث نہ تھا۔ کوفے کی حدیثیں تقریباً نوے فی صدی انھیں دونوں سے پھیلیں اور انھیں دونوں کے گھر حدیثوں کی سب سے بڑی ٹکسال تھے۔ یہ حدیثیں ہی نہیں، صحابی بھی گھڑا کرتے تھے، یعنی بعض اسم بے مسمیٰ ایک فرضی نام کو صحابی قرار دے کر اس نام سے راویت کرتے تھے اور بعد والوں نے ان کی روایتوں کی وجہ سے اس نام کو صحابہ کی فہرست میں داخل کر لیا ان کے متعدد شیوخ ایسے ہیں جن کو ان کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ مثلاً مالک بن اغر مالک بن مالک، ہیثم بن حسن، یزید بن یزید، زید بن تبیع وغیرہم ابن حجر تہذیب التہذیب میں ان کے ترجے میں لکھتے ہیں کہ ستریا اسی راویوں سے یہ تنہا روایت کیا کرتے تھے جن سے کوئی دوسرا روایت نہیں کرتا اور پھر بھی مرسل حدیثیں بہت روایت کیا کرتے تھے۔ یعنی جن سے کبھی کچھ سنا نہیں ان سے بھی روایت کرتے تھے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ میں نے حضرت علیؑ کے پیچھے جمعہ کی نماز پڑھی ہے۔ ان کی پیدائش ۳۳ھ کی ہے اور حضرت علیؑ کی وفات ۴۰ھ میں۔ ہوسکتا ہے کہ سات برس کی عمر میں بچوں کی صف میں یہ بھی کہیں ہوں، مگر ان کا بلاواسطہ حضرت علیؑ سے حدیثیں روایت کرنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہوسکتا۔ محدثین تو کہتے ہیں کہ

انھوں نے عبداللہ بن عمرؓ متوفی ۷۳ھ و انس بن مالک متوفی ۹۳ھ سے بھی
حدیثیں نہیں سنی تھیں۔ اور ابن حجر تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۶۷ میں
لکھتے ہیں کہ فاما ابو اسحاق فروی عن قوم لایعرفون
ولم ینتشر عنھم عنداھل العلم الا ماحکی
ابواسحاق عنھم یعنی ابو اسحق نے تو ایسی جماعت سے حدیثیں
روایت کی ہیں جو بالکل غیر معروف ہیں اہل علم تک جن کی حدیثیں کبھی
نہیں پہنچیں بجز انھیں حدیثوں کے جن کی روایت ان سے ابو اسحاق نے کی
تو پھر یہ معروف و مشہور لوگوں سے بھی ایسی روایتیں جب کریں جن کو
ان کے سوا اور کوئی روایت نہ کرتا ہو تو یقیناً وہ روایتیں واجب الاحتراز ہیں
بلکہ جن حدیثوں میں صرف ان کے ہم مذہب کوفی و بصری روات ان کے
شریک ہوگئے ہوں تو وہ بھی قابل اعتبار نہیں بلکہ زیادہ مشتبہ ہے کیونکہ یہ
اس کی دلیل ہے کہ ایسی حدیثیں ان لوگوں کی متفقہ سازش کے ماتحت
بنائی گئی ہیں۔

اپنی کتاب تہذیب التہذیب میں ابن حجر ان کے ترجمے میں اور امام ذہبی
میزان الاعتدال ج ۱: ص ۳۴۵ میں لکھتے ہیں کہ کوفہ والوں میں ایک
جماعت تھی جن کا مذہب ان کے تشیع کی وجہ سے غیر محمود تھا مگر وہی
محدثین کے سرگروہ تھے اور ابو اسحق اعمش، منصور بن معتمر اور زبید الیامی
نام لکھ کر وغیرہم لکھدیا۔ پھر اسی تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۶۷ میں اور
میزان الاعتدال ج ۱: ص ۴۲۳ و ص ۳۴۵ میں مذکور ہے، بعض میں عبداللہ
بن المبارک کا قول، بعض میں معن بن عیسیٰ المدنی کا قول، بعض جگہ کسی
اور محدث کا کہ کوفے والوں کی حدیثوں کو ابو اسحاق اور اعمش نے برباد
کردیا۔

تو بس یہی ابو اسحق صاحب ہیں جو اس حدیث کو حضرت علیؓ سے
روایت کر رہے ہیں۔ اب آپ ہی سوچئے کہ ان کی روایت سے یہ حدیث
کہاں تک قابل وثوق ہو سکتی ہے اور انھوں نے حضرت علیؓ سے یہ حدیث
سنی بھی ہوگی یا نہیں چھ برس کا بچہ کیا حدیث سنے گا اور کیا سمجھے گا اور کیا یاد
رکھے گا۔

دسویں حدیث:۔ کو بھی وہی ہارون بن المغیرہ انھیں عمرو بن ابی قیس
الکوفی سے وہ مطرف بن طریف سے، وہ حسن سے، وہ ہلال بن عمرو سے،
اور وہ حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں۔ اس حدیث میں بھی نویں
حدیث کی طرف ابو داؤد کے شیخ ہارون بن المغیرہ اور ان کے شیخ وہی عمرو
بن ابی قیس الکوفی ہیں، ان دونوں کا ذکر اجمالاً نویں حدیث میں آچکا ہے۔
مولانا شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ عون للعبود شرح سنن ابی داؤد ج ۴
ص ۱۷۷ میں اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں قال ابن
خلدون والحدیثی سکت عنہ ابو داؤد وقال فی
موضع اخرفی ھارون من ولد الشیعہ۔ یعنی ابن خلدون
نے کہا کہ اس حدیث کے متعلق ابو داؤد نے سکوت اختیار کیا۔ مگر دوسری
جگہ کہا ہے ہارون بن مغیرہ کے بارے میں کہ یہ شیعہ کی اولاد سے تھے۔ ابن
حجر تہذیب التہذیب میں ان کا مختصر سا ذکر کرتے ہیں اور ہارون بن المغیرہ
بن حکیم البجلی ان کا پورا نام نسب کے ساتھ لکھتے ہیں۔ ابن خلدون کی
تحریر سے ابو داؤد کی شہادت کہ یہ شیعہ کی اولاد سے تھے اور ان کے "بجلی"
ہونے سے میں سمجھتا ہوں کہ ان کا نسبی تعلق مغیرہ بن سعید البجلی الکوفی سے
تھا۔ جو اول درجے کا بدترین رافضی کذاب تھا۔ اور آخر میں خود نبوت کا
مدعی ہو بیٹھا تھا۔ آخر ۱۲۰ھ میں قتل کیا گیا۔ چونکہ کوفے میں اس نے ایک

جماعت تیار کرلی تھی اور آمادہ فتنہ و فساد تھا جس کا مفصل حال لسان
المیزان میں ابن حجر نے لکھا ہے اور عمرو بن ابی قیس کے متعلق لکھتے ہیں
کہ لا باس بہ وفی حدیثہ خطاء یعنی ان کی ذات میں تو کوئی
مضائقہ نہیں ہے مگر ان کی حدیث میں خطاء ہے اور ذہبی نے کہا ہے کہ
صدوق لہ اوھام یعنی ہیں تو سچے مگر اوہام میں مبتلا رہتے ہیں۔ مطرف
بن طریف الکوفی اس حدیث کو کسی حسن یا ابو الحسن سے راویت کرتے ہیں
بعض نسخوں میں حسن ہے بعض میں ابوالحسن اور عون المعبود شرح سنن
ابی داؤد میں ہے کہ ابو الحسن ہی صحیح ہے۔ مگر یہ نہیں لکھا کہ یہ ابو الحسن
کون ہیں؟ نہ محشی صاحب اس کو بتاتے ہیں نہ کوئی دوسرے شارح ابی داؤد
اس گرہ کو کھولتے ہیں صرف اتنا لکھدیتے ہیں کہ یہ مطرف کے ایک شیخ
ہیں۔ اور ابن حجر بھی اس سے زیادہ نہیں لکھتے۔ حقیقت یہ ہے کہ "حسن"
نام کے کسی شخص سے بھی مطرف کی کوئی حدیث روایت نہیں کرتے اس
لئے "حسن" کا لفظ تو یقیناً غلط ہے، باقی رہ گئے "ابوالحسن" تو دیکھنا یہ ہے کہ
مطرف بن طریف الکوفی کے شیوخ میں سے کن صاحب کی کنیت "ابوالحسن"
ہے۔ اتنا دیکھنے سے صاف پتا مل گیا کہ یہ "ابوالحسن" صاحب عطیہ بن سعد
بن جنادہ العوفی الجدلی القیسی الکوفی ہیں"۔ مطرف بن طریف کے شیوخ
میں سے صرف انھیں کی کنیت "ابوالحسن" ہے۔ دیکھ لیجئے تہذیب التہذیب
ج ۷، ص ۲۲۵ اور اسی صفحہ میں ان کے متعلق ابن حجر لکھتے ہیں۔ وکان
یعد من شیعۃ اھل الکوفۃ یعنی یہ کوفی شیعوں میں شمار کئے
جاتے تھے یہی وہ ذات شریف ہیں جو کلبی کذاب کی کنیت اپنی طرف سے
"ابو سعید" رکھ کر اس کی حدیثیں روایت کیا کرتے تھے تاکہ لوگ سمجھیں کہ
یہ حدیث ابو سعید خدری صحابیؓ سے راویت کر رہے ہیں۔ حالانکہ کلبی کی
کنیت "ابو سعید" نہ تھی۔ ان کے متعلق خود ابو داؤد فرماتے تھے کہ

لیس بالذی یعتمد علیہ یعنی یہ ایسے شخص نہ تھے جن پر اعتماد کیا
جائے اور ابو حاتم، ہشیم، نسائی، ابن حبان، امام بخاری، امام مسلم، امام احمد
بن حنبل وغیرہم ائمہ حدیث و رجال نے ان کو ضعیف یا غیر ثقہ اور
لا یحتج بہ کہا ہے۔ یہ مطرف صاحب کی تدلیس تھی کہ انھوں نے ان
کے نام کو چھپا کر ان کی کنیت بیان کرکے ان کی شخصیت کو مبہم کرنے کی
کوشش کی۔ تعجب ہے کہ ابن خلدون نے بھی ان ابو الحسن صاحب کا پتہ نہ
لگایا اور نہ شارحین ابو داؤد نے ان کی شخصیت کا کھوج نکالا۔ صرف اتنا
لکھدیا کہ ابو الحسن مطرف بن طریف کے کوئی شیخ تھے۔ یہاں تک کہ
خلاصہ التہذیب والے احمد بن عبداللہ الخزرجی بھی اسی قدر لکھ کر چھوڑ دیتے
ہیں کہ یہ ابو الحسن مطرف کے کوئی شیخ تھے۔ کسی نے اتنی زحمت گوارہ نہ کی
کہ ان کے سب شیوخ کی کنیت دیکھ کر نکال لے کہ "ابو الحسن" مطرف
بن طریف کے کس شیخ کی کنیت تھی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس کی طرف
کسی کا گمان گیا ہی نہیں کہ ممکن ہے کہ مطرف نے یہاں تدلیس سے کام لیا
ہو اور مشہور نام کو چھوڑ کر کسی غیر معروف کنیت بیان کردی ہو تاکہ اس
کی شخصیت پر پردہ پڑا رہے۔ مگر یہ حقیر اپنی خوئے تفحص و تجسس سے مجبور
تھا اس لئے "ابو الحسن" شیخ مطرف کا پتہ لگا کر ہی رہا۔ فالحمد للہ
علی توفیقہ

باقی رہ گئے ہلال بن عمر۔ یہ ابو الحسن عطیہ العوفی الکوفی کے گھڑے
ہوئے ایک اسم فرضی ہیں۔ اس نام کا کوئی شخص حضرت علیؓ سے روایت
کرنے والا دنیا میں نہ تھا۔ ابن حجر بھی تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۸۳ میں
ہلال بن عمرو الکوفی کا مختصر سا ترجمہ لکھتے ہیں جو ساڑھے تین سطر میں ختم ہو
جاتا ہے۔ ابو داؤد کی اسی حدیث کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ
سے اسی ایک حدیث کی یہ روایت کرتے ہیں اور ان سے ابو الحسن جو

مطرف بن طریف کے کوئی شیخ تھے اس کے بعد لکھتے ہیں کہ مولف یعنی
شیخ عنبری صاحب تہذیب الکمال نے کتاب الاطراف میں لکھا ہے کہ ہلال
بن عمرو کوئی غیر مشہور آدمی تھے ۔ پھر لکھتے ہیں کہ میں نے ذہبی کے ہاتھ کا
لکھا ہوا پڑھا ہے کہ یہ ایک اسم نکرہ تھے یعنی غیر معین غیر معروف تھے ۔
مگر حقیقت یہی ہے کہ جس طرح کلبی کی کنیت اپنی طرف سے "ابو سعید"
رکھ کر عطیہ نے محدثین کو دھوکا دیا اسی طرح یہاں "ہلال بن عمرو" ایک
نام اپنی طرف سے گھڑ کر ایک حدیث موضوع روایت کردی ہے ۔

ابو داؤد کی ان دس حدیثوں کا روایت پرستوں میں بڑا غلغلہ رہتا ہے ،
ان کی حقیقت آپ پر واضح ہو چکی ۔ اب صرف ابن ماجہ رہ گئی ادھر بھی
نظر رہے ۔

ابن ماجہ کی حدیثیں

پہلی حدیث :۔ کو عثمان بن ابی شیبہ الکوفی معاویہ بن ہشام الکوفی سے
وہ علی بن صالح الکوفی سے ، وہ یزید بن ابی زیاد الکوفی الشیعی سے وہ ابراہیم
بن یزید النخعی الکوفی سے وہ علقمہ النخعی الکوفی سے اور وہ عبداللہ بن مسعودؓ
سے روایت کرتے ہیں ۔

عثمان بن ابی شیبہ الکوفی کا حال آپ ابو داؤد کی دوسری اور آٹھویں
حدیث کی تنقید میں پڑھ چکے ہیں کہ یہ قرآن مجید میں ملحدانہ تحریف کیا
کرتے تھے ۔ جس شخص کا یہ برتاؤ کلام اللہ کے ساتھ ہو وہ کلام رسول اللہ
کے ساتھ کیا کچھ نہ کرتا ہوگا ۔ ناظرین خود انصاف کے ساتھ اس کو سوچ
لیں ۔

معاویہ بن ہشام الکوفی کو ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں کثیر الخطاء

بتلائے اوہام ، بے سنی حدیثوں کو روایت کرنے والے ضعیف ، متروک
اور لا یحتج بہ لکھا ہے یزید بن ابی زیاد الکوفی شیعہ ہی نہیں بلکہ ابن حجر
لکھتے ہیں کان من ائمہ الشیعہ الکبار یہ شیعوں کے بھاری
بھرکم اماموں میں سے تھے ۔ اور پھر منکر حدیثوں کی روایت کرنیوالا اور
لا یحتج بہ وغیرہ ہونا تو ان کے لئے معمولی سی بات ہے ۔ اور ابراہیم
نخعی کوفی و علقمہ نخعی کوفی کے نام کا استعمال کرلینا تو یزید بن ابی زیاد الکوفی
کے لئے کچھ مشکل نہ تھا ۔ یہ روایت درحقیقت یزید بن ابی زیاد الکوفی ہی کی
من گھڑت ہے ۔

دوسری حدیث :۔ کو نصر بن علی الجہضمی البصری ، محمد بن مروان
العقیلی البصری سے وہ عمار بن ابی حفصہ البصری سے وہ زید العمی البصری
سے ، وہ ابو صدیق الناجی البصری سے اور وہ ابو سعید الخدری سے روایت
کرتے ہیں ، نصر بن علی الجہضمی البصری جن سے یہ حدیث مروی ہے کہ
"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن و حسینؓ کے ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ جو
مجھ سے محبت رکھے اور ان دونوں سے اور ان دونوں کے باپ ماں سے
محبت رکھے وہ میرے درجے میں ہوگا قیامت کے دن" یعنی آپ نے یہ
نہیں فرمایا کہ وہ میرے ساتھ ہوگا ۔ بلکہ فرمایا کہ فی درجتی یعنی اس
کا وہی درجہ قیامت کے دن ہوگا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ
ہوگا کس قدر سستا درجہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ رسول کے
ساتھ وہ صرف ان چار شخصوں سے محبت رکھنے کی بدولت حاصل ہو جاتا
ہے ، نہ کسی عمل کی ضرورت ہے نہ کسی تقویٰ کی مگر چونکہ صحاح ستہ کے
شیوخ ان سے راویت کر رہے ہیں اس لئے ان پر کون انگلی اٹھا سکتا ہے ،
مگر یہ راویت ان کے شیعہ ہونے کا اعلان کررہی ہے ۔

محمد بن مروان العقیلی البصری ۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ میرے سامنے یہ حدیثیں روایت کر رہے تھے اور میں مشاہدہ کر رہا تھا مگر میں نے قصداً ان کی کوئی حدیث نہیں لکھی اور ان کی حدیثیں ترک کیں ۔ ابو زرعہ بھی کہتے ہیں کہ یہ کوئی ایسے آدمی نہیں ہیں جن سے روایت کی جائے عقیلی نے بھی ان کا ضعف ظاہر کیا ہے اور ان کی بعض حدیثوں کے متعلق لکھا ہے کہ ان کی متابعت نہیں ملتی ۔ یعنی کوئی دوسرا ان حدیثوں کو روایت نہیں کرتا ۔

عمارہ بن ابی حفصہ البصری ۔ یہ ازدیوں کے آزاد کردہ غلام تھے ۔ ان کے بعد زید العمی اور ابو الصدیق الناجی ان دونوں کے نام اسی طرح ساتھ ساتھ ترمذی کی حدیث نمبر ۴ یعنی اس کی آخری حدیث کی تنقید میں آچکے ہیں ۔ زید العمی پر تمام ائمہ رجال کا تقریباً اتفاق ہے کہ یہ ضعیف اور لا یحتج بہ ہیں ۔

یہی زید العمی ابو الصدیق الناجی سے اور وہ ابو سعید الخدری سے ترمذی میں بھی مہدی کے متعلق روایت کر چکے ہیں اور پھر ابن ماجہ میں بھی اسی سلسلے سے ان کی روایت ہے ۔ دونوں کے مضمون کا فرق تنقید مضامین میں معلوم ہو جائے گا ۔ وہاں زید العمی صاحب شعبہ الواسطی سے کچھ اور کہتے ہیں ۔ یہاں عمارہ بن ابی حفصہ البصری سے کچھ اور ہی کہتے ہیں اور دونوں سے وہی کہتے ہیں جس کو یہ بروایت ابو الصدیق الناجی البصری حضرت ابو سعید الخدری کی طرف منسوب کر رہے ہیں ۔

تیسری حدیث :۔ کو محمد بن یحییٰ بن ابی عمر والعدنی اور احمد بن یوسف النیساپوری ، دونوں عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی الشیعی سے روایت کرتے ہیں وہ سفیان ثوری الکوفی سے ، وہ خالد الحذاء البصری سے ، وہ ابو قلابہ

عبداللہ بن زید الجرمی البصری سے ، وہ ابو السماء الرحبی عمرو بن مرثد الدمشقی الشامی سے ، اور وہ ثوبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام آزاد کردہ سے ۔

محمد بن یحییٰ بن ابی عمر العدنی کے متعلق ابن حجر تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں کہ ابو حاتم نے کہا کہ آدمی تو نیک کار تھے مگر ان میں غفلت تھی ، میں نے ان کے پاس ابن عیینہ سے مروی ایک موضوع حدیث دیکھی تھی ۔ ابو حاتم کی اس شہادت کے بعد ان پر اعتماد کیا رہا ۔ ایک حدیث پر تو ان کی نظر پڑ گئی ، اگر یہ حدیث بھی وہ دیکھ لیتے تو ممکن تھا کہ اس کو دوسری موضوع حدیث کہتے ۔ بخاری میں تو ان کی کسی روایت کا پتہ نہیں ملتا ۔ مگر مسلم میں ۲۱۶ حدیثیں ان سے مروی ہیں ۔ اور پھر ترمذی و نسائی و ابن ماجہ میں بھی ان کی حدیثیں ہیں ۔ اس لئے ائمہ رجال ان کے متعلق کچھ اور بول بھی نہیں سکتے تھے ، بخاری کی طرح ابو داؤد نے بھی ان سے احتیاط کی ہے ۔ اور احمد بن یوسف النیساپوری تو عبدالرزاق بن ہمام کے خاص شاگرد اور ان کی حدیثوں کے مشہور راوی تھے ۔ اس لئے یہاں دراصل عبدالرزاق بن ہمام کو دیکھنا چاہیئے کہ یہ کون ہیں ۔ یہ حمیریوں کے غلام آزاد کردہ تھے ۔ شیعہ تھے ۔ حضرت علیؓ اور ان کے اہل بیت کے فضائل میں اور دوسرے صحابہؓ کے خلاف ایسی ایسی حدیثیں روایت کیا کرتے تھے جن کو ان کے سوا کوئی بھی روایت نہیں کرتا تھا ۔ امام نسائی نے فرمایا کہ جس نے ان کی حدیثیں لکھنا شروع کیں بالآخر منکر حدیثیں ضرور ان سے لکھیں ۔ امام احمد اور یحییٰ بن سعید نے ان کی حدیثیں ترک کر دی تھیں زید بن المبارک نے کہا کہ عبدالرزاق کذاب تھے ۔ اور عباس العنبری نے کہا کہ میں صنعا (یعنی عبدالرزاق کے وطن میں) پہنچا اور عبدالرزاق کے متعلق کرید کرنے لگا تو پتا ملا کہ عبدالرزاق کذاب ہے ۔ اس حد تک

کہ واقدی (جو مشہور کذاب تھے) ان کے اعتبار سے زیادہ سچا تھا۔
(دیکھئے تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۳۱۴، ۳۱۵)

عبدالرزاق بن ہمام کے حالات معلوم کرلینے کے بعد اس حدیث کے دوسرے راویوں کی طرف نگاہ ڈالنے کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ اگرچہ ان میں بھی بعض ضعیف اور لایحتج بہ ہیں۔

چوتھی حدیث:۔ کو عثمان بن ابی شیبہ الکوفی ابو داؤد الحضرمی الکوفی سے وہ یاسین بن کنعان الکوفی سے، وہ ابراہیم بن محمد بن حنفیہ سے وہ محمد بن حنفیہ سے اور وہ حضرت علی سے روایت کرتے ہیں۔

عثمان بن ابی شیبہ کو آپ اسی ابن ماجہ کی پہلی حدیث اور ابو داؤد کی حدیث نمبر ۲ و نمبر ۸ میں پوری طرح جان چکے ہیں کہ قرآن مجید کے ساتھ معاندانہ گستاخیاں کیا کرتے تھے۔ تو پھر آپ خود سوچئے کہ جس کے دل میں کتاب اللہ کی عظمت نہ ہو، اس کے دل میں حدیث رسول کا کیا احترام ہوگا۔

ابو داؤد الحضرمی، ان کا نام عمر بن سعد بن عبید ہے۔ کوفی تھے۔ ابو نعیم فضل بن وکین الکوفی ان کا بہت احترام کیا کرتے تھے، امام ذہبی میزان الاعتدال ترجمہ فضل بن وکین الکوفی میں لکھتے ہیں کہ ان میں تشیع تھا کسی کو برا نہیں کہتے تھے ابن جنید نے کہا کہ میں نے یحییٰ بن معین کو یہ کہتے سنا کہ ابو نعیم جس شخص کا ذکر کریں اور کہیں کہ خوب آدمی ہے اور اس کی مدح کریں تو سمجھ لو کہ وہ شخص شیعہ ہے۔ اور جس کے بارے میں مرجبہ وغیرہ کہدیں تو جان لو کہ وہ اہل سنت ہے۔ اس کی حدیثیں لینے میں کوئی مضائقہ نہیں، اور یہاں تو صرف خوب آدمی ہی کہنا نہیں، فقط تعریف کرنا ہی نہیں بلکہ ان کا بہت احترام کرتے تھے ان کے سامنے زیادہ باتیں نہیں کرتے تھے۔ اس لئے ابو نعیم ان کے شیعہ ہونے کی

شہادت دے رہے ہیں۔

ابو داؤد الحضرمی الکوفی کے بعد ابن ماجہ نے صرف "یاسین" لکھدیا ہے اس لئے پتا لگانا چاہیئے کہ یہ کون "یاسین" ہیں۔ شارحین ابو داؤد فرماتے ہیں کہ یاسین بن شیبان العجلی الکوفی ہیں اور کوئی ان کو ابن سنان بھی کہتا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ صرف ابراہیم بن محمد بن حنفیہ سے اور وہ بھی صرف یہی ایک حدیث روایت کرتے ہیں۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ فیہ نظر و لا اعلم لہ حدیثا غیر ھذا۔ یعنی ان یاسین صاحب کی شخصیت محل نظر ہے اور اس ایک حدیث کے سوا اور کوئی دوسری حدیث ان کی میں نہیں جانتا (تہذیب التہذیب) خیال کرنے کی بات ہے کہ جس شخص نے اپنی پوری عمر میں کبھی کسی حدیث کی روایت نہ کی ہو وہ ایک ایسی مشتبہ حدیث وہ بھی ایک شیعہ یعنی ابراہیم بن محمد بن حنفیہ سے کیوں روایت کرنے لگا، جب تک کہ وہ خود بھی شیعہ نہ ہو۔ شارحین ابو داؤد اور ابن حجر کو تہذیب التہذیب میں اس کا اعتراف کرنا تھا کہ یہ یاسین بن شیبان شیعہ تھے۔ ورنہ اس حدیث کی روایت کی پگڑی خواہ مخواہ اس غریب کے سر پر تو کسی طرح زیب نہیں دیتی۔ ایک غیر شیعہ جس نے کبھی کوئی حدیث روایت نہیں کی وہ ایک شیعہ کی گھڑی ہوئی حدیث بلاوجہ کیوں روایت کرنے لگا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ یاسین بن معاذ الزیات الکوفی ہی ہے۔ جو زہری وغیرہ سے بھی منکر حدیثیں روایت کیا کرتا تھا اور باتفاق ائمہ رجال منکر الحدیث لایحتج بہ ہے اور سبھوں نے اس کو ضعیف وغیر ثقہ لکھا ہے۔ ابن ماجہ نے خود یا ابو داؤد الحضرمی نے صرف "یاسین" بغیر اظہار ولدیت کے اسی لئے بتایا تاکہ لوگ حسن ظن سے کام لے کر یاسین بن شیبان کو اس کا راوی سمجھیں، ورنہ اگر حقیقت میں یاسین بن شیبان ہی اس کے راوی

ہوتے تو ابن ماجہ یا ابو داؤد الحضری صرف " یاسین " کبھی نہیں لکھتے بلکہ ولدیت کو ضرور ظاہر کر دیتے تاکہ یاسین بن معاذ سے اشتباہ نہ ہو جائے - محدثین کا عام دستور ہے کہ جب ایک نام کے ایک سے زیادہ راوی ہوں ، بعض ثقہ اور بعض غیر ثقہ اور وہ ثقہ سے روایت کرتے ہیں تو ضرور اس ثقہ راوی کی ولدیت یا نسبت وغیرہ بیان کرکے اس کی شخصیت کو واضح اور معین کر دیتے ہیں. تاکہ دوسرے ہمنام غیر ثقہ سے وہ راوی مشتبہ نہ ہوجائے - اور اگر اس غیر ثقہ ہی سے روایت کرتے ہیں تو جو لوگ تدلیس کے خوگر ہیں وہ عموماً اس روای کا صرف نام یا فقط کنیت لکھدیتے ہیں اور کبھی ولدیت و نسبت کو بیان نہیں کرتے ، تاکہ لوگ اشتباہ میں رہیں اور جن لوگوں کے موافق وہ حدیث ہو وہ اس مبہم نام سے ثقہ ہی راوی مراد لے کر اس سے حجت و سند پکڑیں - یہاں یہ قصور خود ابن ماجہ کا نہیں معلوم ہوتا بلکہ یہ تدلیس ابو داؤد الحضرمی کی معلوم ہوتی ہے -

اور ابراہیم بن محمد بن حنفیہ کی شیعیت کا اعتراف اگرچہ ابن حجر وغیرہ نے تہذیب التہذیب وغیرہ میں نہیں کیا ہے اور محض مختصر سا ترجمہ لکھ کر چھوڑ دیا ہے مگر شیعوں کی بعض کتب رجال میں ان کا ذکر خیر موجود ہے - و کفیٰ بہ شہادۃ چنانچہ علامہ عبداللہ المامقانی اپنی کتاب الرجال تنقیح المقال میں (ص ۳۲ ج ۱) ۱۹۱ کے تحت میں لکھتے ہیں

ابراهيم بن محمد بن على بن ابى طالب بن الحنفيه المدنى عدہ الشيخ فى رجاله من اصحاب السجاد و ظاهره كونه اماميا وفى تقريب ابن حجر انه صدوق من الخاصه قلت فيكون من الحسان

یعنی ابراہیم بن محمد بن علی بن ابی طالب جو (باعتبار شہرت) ابن الحنفیہ (کہے جاتے) تھے مدنی تھے ان کو شیخ (طوسی) نے اپنی (کتاب) رجال میں سجاد (علی بن الحسین زین العابدین) کے اصحاب میں گنا

ہے - اور ان کا ظاہر (حال) ان کے امامیہ (شیعہ) ہونیکا بتاتا ہے، اور کتاب تقریب میں ابن حجر نے لکھا ہے کہ وہ سچے تھے خاص لوگوں (یعنی شیعوں) میں سے - میں نے کہا جب تو وہ اچھے لوگوں میں تھے* -

پانچویں حدیث:- کو ابو بکر بن ابی شیبہ الکوفی احمد بن عبدالملک الحرانی سے وہ ابو الملیح الرقی حسن بن علی الفزاری سے ، وہ زیاد بن بیان الرقی سے وہ علی بن نفیل ابو محمد الجزری الحرانی سے ، وہ سعید بن المسیب سے اور وہ حضرت ام المومنین ام سلمہؓ سے روایت کرتے ہیں -

ابو بکر بن ابی شیبہ آخر عثمان بن ابی شیبہ ہی کے اپنے بھائی تھے اور دونوں بھائی کوفی ہی تھے - ابو بکر بن ابی شیبہ نے بھی حدیثیں جمع کی تھیں - ان کی کتاب مصنف ابن ابی شیبہ کے نام سے مشہور ہے جس میں کوفیوں کی من گھڑت حدیثوں کا ایک کافی ذخیرہ ہے - بیس برس قبل اس کا ایک قلمی نسخہ میں نے دیکھا تھا - دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے - اور احمد بن عبدالملک حران کے رہنے والے تھے جو موصل اور شام و روم کے راستے پر واقع ایک شہر تھا رقہ سے متصل کوفہ سے قریب ، ان کو ان کے ہم وطن محدثین برا سمجھتے تھے - اور ظاہر ہے کہ ان کے ہم وطن ان کے حالات سے زیادہ صحیح طور سے واقف ہو سکتے ہیں اس لئے باہر والوں کے حسن ظن سے ان کی توثیق نہیں ہو سکتی -

ابو الملیح الرقی بن عمر الفزاری اس حدیث کو زیاد بن بیان الرقی سے

* عبداللہ الامقانی صاحب یہاں بھی اپنی تحریف سے باز نہ آئے - تقریب میں ابن حجر نے من الخامسہ لکھا ہے یعنی محدثین کے طبقات میں سے یہ پانچویں طبقے کے آدمی تھے - " عامہ " اور " خاصہ " شیعوں کی مخصوص اصطلاح ہے - اہل سنت کو شیعہ علماء " عامہ " کہا کرتے ہیں - اور شیعوں کو " خاصہ " اہل سنت اس معنی میں عامہ و خاصہ نہیں بولتے - مامقانی صاحب نے " خامسہ " کو " خاصہ " بنا کر ابن حجر کی شہادت سے بھی ان کو شیعہ ثابت کر ہی دیا -

روایت کرتے ہیں۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ ان کی یہ حدیث محل تامل ہے (ہتذیب التہذیب ج ۳: ص ۳۵۶) پھر علی بن نفیل ابو محمد الجزری الحرانی کا نام آتا ہے ان کے ترجمے میں ابن حجر ہتذیب التہذیب ج ۷ ص ۳۹۱ میں لکھتے ہیں کہ ان کی حدیث جو آمد مہدی کے متعلق ہے (یعنی یہی زیر بحث حدیث) اس کی کوئی متابعت ہنیں ملتی، اور یہ حدیث صرف انھیں کی وجہ سے جانی جاتی ہے در حقیقت حران ہی میں گھڑی گئی۔ یا کوفے والوں نے گھڑ کر اس کو اشاعت کے لئے حران میں بھیج دیا۔ واللہ اعلم۔ بہر حال خود امام بخاری اور عقیلی جیسے محدث بھی اس حدیث کو مشتبہ ہی سمجھتے تھے۔

چھٹی حدیث:۔ کو ہدبہ بن عبدالوہاب، سعد بن عبدالحمید بن جعفر بن عبداللہ البغدادی سے، وہ علی بن زیاد الیمامی البصری سے، وہ عکرمہ بن عمار الیمامی البصری سے وہ اسحق بن عبداللہ ابی طلحہ سے، وہ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں۔

سعد بن عبدالحمید بن جعفر کا دعویٰ تھا کہ میں نے امام مالک سے ان کی کتابیں سنی ہیں، مگر ان کے ہمعصروں کو اس سے انکار تھا۔ یعنی ان کے اس دعوے کو لوگ جھوٹا سمجھتے تھے۔ ابن حبان نے لکھا ہے کہ یہ مشہور محدثین سے منکر حدیثیں روایت کیا کرتے تھے اور فاحش اوہام میں مبتلا تھے اس لئے ان کی حدیثوں سے استناد نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ (ہتذیب التہذیب ج ۳ ص ۴۷۱) علی بن زیاد الیمامی ابن حجر ہتذیب التہذیب ج ۷ ص ۳۲۱ میں لکھتے ہیں کہ اس نام کا کوئی راوی ہی ہنیں ہے۔ البتہ عبداللہ بن زیاد الیمامی ایک راوی تھے جو عکرمہ بن عمار سے روایت کرتے تھے۔ امام بخاریؒ نے ان کا ذکر کیا ہے ان کی کنیت ابو العلاء تھی۔ ممکن ہے کہ ابن

ماجہ نے ابو العلاء بن زیاد ہی لکھا ہو، اور کاتب نے "ابو العلاء" کو "علی" بنا دیا۔ حالانکہ "ابو العلاء" اور "علی" میں کوئی خطی مشابہت ہنیں ہے کہ کاتب "ابو العلاء" نو حرفوں کے لفظ کو "علی" تین حرف کا لفظ بنا دے۔ اگر "ابو العلاء" کو "ابو علی" بناتا جب البتہ ایک حد تک قرین عقل ہوتا۔ در حقیقت یہ ان لوگوں کے حافظے کا قصور ہے جن لوگوں نے یہ حدیثیں ابن ماجہ میں داخل کیں۔ واللہ اعلم۔ بہر حال۔ ان عبداللہ بن زیاد کے متعلق بھی اسی جگہ ابن حجر خود لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے ان کو منکر الحدیث لیس بشئی لکھا ہے اور عقیلی نے ان کا ذکر ضعفاء میں کیا ہے اور عکرمہ بن عمار الیمامی کو ابن حجر ہتذیب التہذیب ہی میں مضطرب الحدیث لکھتے ہیں امام احمد بن حنبل نے ان کو ضعیف الحدیث کہا ہے۔

یحییٰ بن ابی کثیر سے منکر حدیثیں انھوں نے روایت کی ہیں یحییٰ بن سعید ان کو ضعیف الحدیث قرار دیتے تھے۔ امام بخاری نے بھی ان کو ابن ابی کثیر کی حدیثوں میں مضطرب الحدیث لکھا ہے۔ اور یہ مدلس بھی تھے اور ابن قیم نے زاد المعاد ج ۱ ص ۲۷ میں ان کی حدیث لکھ کر لکھا ہے کہ وھو موضوع بلا شک کذبہ عکرمہ بن عمار۔ وہ حدیث بے شک موضوع ہے اس کو جھوٹ روایت کیا ہے، عکرمہ بن عمار نے۔ پھر ابن قیم لکھتے ہیں کہ ابن جوزی نے بھی اس حدیث کو بعض راویوں کا وہم لکھا ہے۔ اور اس حدیث کے متعلق عکرمہ بن عمار ہی کو متہم کیا ہے۔ تو پھر جس کا ایک جھوٹ پکڑا جا چکا وہ کیا دوسری مشتبہ حدیث میں بھی جھوٹا ہنیں سمجھا جائے گا؟ کم از کم ایسے شخص پر اعتماد تو باقی ہنیں رہنا چاہئے۔

ساتویں حدیث:۔ کو حرملہ بن یحییٰ المصری اور ابراہیم بن سعید الجوہری الطبری البغدادی۔ دونوں ابو صالح عبدالغفار بن داؤد الحرانی سے۔

وہ عبداللہ بن لہیعہ المصری سے، وہ عمرو بن جابر ابوزرعہ الحضرمی المصری سے، وہ عبداللہ بن الحارث ابن جزء الزبیدی سے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

عبداللہ بن لہیعہ المصری مشہور غیر ثقہ لایحتج بہ اور بدترین مدلس تھے۔ ائمہ رجال کی جماعت میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جس نے ان کو غیر ثقہ یا ضعیف یا متروک یا لایحتج بہ نہ لکھا ہو۔

اور عمرو بن جابر ابو زرعہ الحضرمی المصری کے متعلق دوسرے ائمہ رجال کیا کیا فرما رہے ہیں ان سب کو لکھنے سے بہتر یہ ہے کہ میں ان کے شاگرد رشید عبداللہ بن لہیعہ جو اس حدیث کی روایت ان سے کر رہے ہیں انھیں کی شہادت ان کے متعلق پیش کردوں۔ ابن حجر تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں کہ ابن ابی مریم نے ابن لہیعہ سے پوچھا کہ یہ عمرو بن جابر کون شخص ہیں، تو ابن لہیعہ نے کہا کہ یہ ہم لوگوں میں سے ایک احمق شیخ ہے۔ کہا کرتا ہے کہ حضرت علی بدلیوں میں چھپے ہوئے ہیں۔ اسی لئے ابن عدی نے فرمایا کہ یہ منجملہ شیعہ منجملہ ضعفاء ہیں۔ امام احمد بن حنبل اور ازدی نے ان کو کذاب کہا ہے۔ اس آخری حدیث کا حال بھی آپ کو معلوم ہوگیا۔

اجمالی تبصرہ:۔ ترمذی کی چار، ابو داود کی دس اور ابن ماجہ کی سات سب ملا کر اکیس حدیثیں آمد مہدی سے متعلق کہی جاتی ہیں۔ مگر مضامین کی تنقید میں آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ان میں سے بعض حدیثوں میں مہدی کا کوئی ذکر نہیں بلکہ کسی اور کے آنے کی خبر دی گئی ہے۔

ان حدیثوں کے راویوں میں اکثریت آپ کو کوفیوں ہی کی ملے گی اور زبر دست اکثریت۔ ان کے بعد بصریوں کی اکثریت نظر آئے گی۔ اہل رقہ و

اہل حران کو بھی کوفیوں ہی میں شمار کر لیجئے تو بہتر ہے۔ کیونکہ یہ دونوں مقام کوفے سے قریب بھی تھے اور ان دونوں جگہوں کے تعلقات اہل کوفہ سے بہت تھے۔

اور اگر ان کو کوفیوں میں شمار نہ کیجئے جب بھی ان لوگوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں۔ اور پھر ان میں بھی آپ کو متشیعین ہی اکثر ملیں گے۔ اسی طرح ہمدانیوں میں سے بھی کچھ لوگ آپ کو ملیں گے۔ ہمدان شیعوں کا ایک گڑھ تھا۔ تاریخ ابن خلدون ج ۱: حصہ ۱ ص ۲۵۲ میں ہمدان کا مفصل حال مذکور ہے مختصر طور سے اس کا ترجمہ لکھ دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ اہل ہمدان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ زمانہ اسلام میں ان کا دین برابر تشیع ہی رہا۔ انہیں میں سے علی بن محمد الصلیحی تھے۔ قبیلہ بنی یام میں سے جنہوں نے یمن میں عبیدئین کی دعوت کا پرچم لہرایا تھا۔ پھر شیعوں میں سے فرقہ زیدیہ نے وہاں عروج پکڑا اور اس وقت تک تشیع ہی ان کا مذہب چلا آرہا ہے۔ وہی ہمدانی یمن میں آکر رہے (یہ ایک طویل عبادت کا قص ہے) مطلب یہ ہے کہ ہمدانیوں یا یمنیوں کی روایت کو بھی ویسی ہی سمجھنی چاہیئے جیسی کوفیوں اور بصریوں کی روایتیں ہوا کرتی ہیں۔

عاصم ابن بہدلہ الکوفی:۔ ترمذی میں ان سے تین حدیثیں مروی ہیں۔ پہلی اور دوسری بواسطہ زر بن حبیش حضرت عبداللہ بن مسعود کی طرف منسوب کی گئی ہیں اور تیسری بواسطہ ابو صالح السمان حضرت ابوہریرۃ کی طرف۔ پہلی حدیث اسی قدر ہے کہ بقول عاصم الکوفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "دنیا نہیں جائے گی (یعنی) نہیں ختم ہوگی، جب تک عرب کی حکومت میرے اہل بیت میں ایک مرد کے ہاتھ میں نہ آ جائے جس کا نام میرا ہی نام ہوگا"

دوسری حدیث بھی بواسطہ زر بن حبیش عبداللہ بن مسعود ہی سے مروی ہے کہ بقول عاصم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " والی (حاکم) ہو گا - ایک مرد میرے اہل بیت میں سے جس کا نام میرا ہی نام ہوگا" مگر یہ حدیث ناتمام سی ہے، جیسا کہ اس کے مضمون ہی سے ظاہر ہے -

تیسری حدیث جس کو عاصم کوفی ابو صالح السمان مدنی سے روایت کرتے ہیں اور وہ ابوہریرہؓ سے کہ بقول عاصم کوفی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " اگر دنیا کا صرف ایک ہی دن باقی رہ جائے گا تو اللہ اس دن کو اتنا لمبا کر دے گا کہ وہ والی (حاکم) ہو جائے -"

یہ تیسری حدیث جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے تتمہ معلوم ہوتی ہے اس دوسری حدیث کا جس کو عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف سے منسوب کیا گیا ہے - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابوہریرہؓ ایک ہی مجلس میں موجود تھے - اور زر بن حبیش، ابو صالح السمان اور عاصم کوفی بھی، اسی جگہ تھے - عبداللہ بن مسعود نے زر بن حبیش کے کان میں چپکے سے کہدیا کہ " والی ہوگا ایک مرد میرے اہل بیت میں سے جس کا نام میرا ہی نام ہوگا " زر بن حبیش نے اس کو عاصم کوفی سے کہدیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ " اگر دنیا کا صرف ایک دن باقی رہ جائے گا تو اللہ اس دن کو اتنا لمبا کر دے گا کہ وہ والی ہو جائے -" ابو صالح السمان نے اس کو چپکے سے عاصم کوفی سے کہدیا یہی صورت تسلیم کر لی جائے - جبھی یہ حدیث نمبر ۲ و نمبر ۳ صحیح ہو سکتی ہے - تاکہ " وہ والی ہو جائے " جو حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث کے آخری ٹکڑے میں جو " وہ " ہے یہ ضمیر اس " رجل " (مرد) کی طرف پھر سکے جو عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں مذکور ہے اور حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث معنی خیز ہو سکے -

بلکہ دونوں حدیثیں ملانے کے بعد بھی پہلے یہ ماننا پڑے گا کہ جس مجمع میں عبداللہ بن مسعود، ابوہریرہ، زر بن حبیش، ابو صالح اور عاصم کوفی موجود تھے، اس مجمع میں پہلے سے آمد مہدی کا ذکر ہو رہا تھا - کہ وہ پیدا ہوں گے اور سارے عرب کے والی ہو جائیں گے - اسی تذکرہ پر عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ " والی ہوگا ایک مرد میرے اہل بیت میں سے جس کا نام میرا نام ہی ہوگا " ابوہریرہ نے کہا کہ اتنا ہی نہیں فرمایا تھا بلکہ فرمایا تھا کہ " اگر دنیا کا صرف ایک ہی دن باقی رہ جائے گا تو اللہ اس دن کو اتنا لمبا کر دے گا کہ وہ والی ہو جائے "-

خیال تو فرمایئے کہ ان فرضی واقعات کو جب تک فرض نہ کر لیجئے کیا حدیث نمبر ۲ و نمبر ۳ دو مکمل حدیثیں جو دو مختلف صحابیوں سے مروی کہی جاتی ہیں اور دونوں کو ان دونوں صحابیوں کے دو مختلف شاگرد روایت کر رہے ہیں کبھی یہ صحیح اور معنی خیز ہو سکتی ہیں، کیا تعقید معنوی کی اس سے بہتر کوئی مثال مل سکتی ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حدیث نمبر ۱ و نمبر ۲ و نمبر ۳ ساتھ ساتھ وضع کی گئیں - اور ان تینوں کے وضع کرنے والے نہایت بودے قسم کے وضاع تھے، ان تینوں حدیثوں کو ایک ہی زنجیر کی تین کڑیاں بنا دیجئے اور ایک ہی سلسلہ روایت سے فرض کر لیجئے تو عقل تسلیم کر سکتی ہے کہ پہلے عبداللہ بن مسعودؓ نے "حتی یملک العرب" کہا اس کے بعد ان کو خیال ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لفظ " یملک " نہ تھا بلکہ " یلی " تھا - اس لئے دوبارہ " حتی یلی رجل الخ " فرمایا - " العرب " کا ذکر چونکہ پہلے کر چکے تھے، اس لئے دوبارہ اس کے ذکر کی ضرورت نہ تھی - اس کے بعد خود انھیں کو یہ یاد آگیا کہ آپ نے یوں فرمایا تھا کہ " اگر دنیا کا صرف ایک

ہی دن باقی رہ جائے گا تو اللہ اس کو اتنا لمبا بنا دے گا کہ وہ والی ہو جائے ۔ کون والی ہو جائے ۔ کس کا والی ہو جائے ۔ اس کے کہنے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ رجل من اهل بيتی (میرے اہل بیت میں کا ایک مرد) پہلے کہہ چکے ہیں دو دو بار ۔ اور کس کا والی ہوگا ۔ یہ سوال بھی باقی نہیں رہتا کیونکہ یملک العرب عرب کا بادشاہ ہوگا سب سے پہلے کہہ چکے تھے ۔

مگر یہاں تو ایک سلسلے کی تین کڑیاں پہلے گھڑی گئیں ۔ واقعات تو ذہن میں رہے ۔ گھڑنے والے صاحب اتنے ماہر نہ تھے کہ اپنے ذہنی فرضی واقعے کے مطابق اب ان کڑیوں کو ملا کر ایک سلسلہ روایت سے پیش کر دیں ۔ تعدد حدیث کی فکر بھی دامن گیر تھی ۔ تو بس ہر کڑی کو دوسری کڑی سے کاٹ کر ایک مستقل حدیث بنا ڈالی اور راویوں میں بھی فرق کر دیا تا کہ تینوں کڑیاں ایک ہی زنجیر کی نہ معلوم ہوں ۔ اور اسی میں ان کی چوری پکڑی گئی ۔ اگرچہ ایک ہزار سال کے بعد ہی پکڑی گئی ۔ جبکہ روایت پرستی کا دور ختم ہو رہا ہے ۔ فالحمد للہ ۔

ابن ماجہ میں عاصم عن زر بن جیش سے کوئی حدیث مروی نہیں ہے ، اس لئے ابو داؤد میں عاصم کی حدیثیں دیکھیے ۔ ابو داؤد کی پہلی حدیث اسی سلسلے سے ہے یعنی اس کو عاصم کوفی زر بن جیش الکوفی سے اور وہ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں ۔ مگر عاصم کوفی کے بعد تحویلات کی باقی تمام میں نکلی ہیں ۔ سفیان ثوری الکوفی ، عمر بن عبید الکوفی ، اور ابو بکر بن عیاش الکوفی تینوں کہتے ہیں کہ ہم سے عاصم کوفی نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دنیا کا صرف ایک ہی دن باقی رہ جائے گا (جب بھی) اللہ اس دن مجھ میں سے یا میرے اہل بیت میں سے ایک مرد کو مبعوث کرے گا جو عرب پر حکومت کرے گا جس کا نام میرے نام پر اور

اس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام پر ہوگا ۔ لیکن ابو داؤد کے بعض نسخوں میں ابو بکر بن عیاش کی روایت میں " عرب " کا لفظ نہیں ہے ۔ یعنی صرف اس شخص کی حکومت کرنے کا ذکر ہے ۔ کہاں ؟ اس کا ذکر نہیں ۔

اور عاصم کوفی ہی سے زائدہ بن ابی الرقاد الباہلی البصری جو منکر الحدیث غیر ثقہ اور لا یحتج بہ ہیں روایت کرتے ہیں تو ذرا سے لفظی فرق کے ساتھ لولم يبق کی جگہ لولم یکن تو چنداں قابل گرفت نہیں مگر تطول اللہ ذالک الیوم کا بھی اضافہ کرتے ہیں ۔ یعنی یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دنیا کا صرف ایک ہی دن رہ جائے گا تو اللہ اس دن کو لمبا کر دے گا تاکہ اس ایک مرد کو مجھ سے یا میرے اہل بیت سے مبعوث کرے جس کا نام میرے نام پر اور جس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام پر ہوگا ۔

اور فطر بن خلیفہ الکوفی جو شیعہ غالی ۔ لا یحتج بہ متروک اور خود ابو داؤد نے بھی جن کو مطروح (جو متروک سے بھی زیادہ سخت لفظ ہے) کہا ہے ۔ وہ جو عاصم کوفی سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں تو درمیان میں وہ زائدہ بن ابی الرقاد والا اضافہ تو نہیں کرتے مگر آخر حدیث میں نزول عیسیٰ بن مریم والی حدیث سے چرا کر اتنا مضمون بڑھا دیتے ہیں کہ وہ جو آدمی مبعوث ہوں گے وہ روئے زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے ۔ جس طرح وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی تھی ۔

مگر اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ عاصم کوفی کی اس حدیث میں جو عاصم کے بعد پانچ آدمی ان سے روایت کرتے ہیں ۔ ان میں سے صرف فطر بن خلیفہ شیعہ اور ان کے ساتھ زائدہ بن ابی الرقاد یہی دونوں منکر الحدیث غیر ثقہ اور لا یحتج بہ ہیں باقی تینوں ابو بکر بن عیاش عمر بن عبید اور سفیان ثوری اگرچہ تینوں کوفی ہیں مگر ہر طرح معتمد علیہ اور ان لوگوں کی حدیثیں

بالکل صحیح ہوتی ہیں۔ عمر بن عبیدالکوفی تو تھرڈ کلاس راوی ہیں، چنداں
مشہور بھی نہیں مگر ابو بکر بن عیاش چونکہ قاری ہیں اور اختلافات قرات کا
انبار لگانے والے، اس لئے بہت مشہور ہیں اور قرأت میں بہت معتبر سمجھے
جاتے ہیں۔ مگر حدیثوں میں عموماً محدثین ان کو ضعیف ہی سمجھتے رہے۔ اور
کثیر الغلط لکھتے آئے۔ عبدالرحمان بن مہدی اور یحییٰ بن سعید ان کے
متعلق بری رائے رکھتے تھے۔ اور یہ گپ بھی بہت ہانکتے تھے۔ یحییٰ الحمانی اور بشر
بن الولید الکندی سے کہنے لگے کہ میں نے چاہ زمزم سے ڈول کھینچا تو اس
میں دودھ اور شہد نکلا اور میں نے اس کو نوش کیا اور آپ اپنے کو نصف
الاسلام کہا کرتے تھے۔ اختلاف قرأت پر ایمان رکھنے والوں نے ان کو ثقہ
اور معتمد علیہ بنا رکھا ہے۔ جس طرح ان کے استاد عاصم بن بہدلہ کو
اختلافات قرأت ہی کی وجہ سے لوگوں نے ثقہ و معتمد مان لیا ہے، ورنہ
دونوں کی حقیقت دونوں کی حدیثوں پر نگاہ انصاف ڈالنے سے واضح ہو جاتی
ہے۔ اور خود ائمہ رجال کے الفاظ بھی ان دونوں کے متعلق غمازی کر
جاتے ہیں۔

باقی رہ گئے سفیان ثوری، جن کا نام بہت مشہور ہے۔ تو ابن حجر خود
تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۵۰ میں لکھتے ہیں کہ سفیان ثوری کا یہ مسلک نہ
تھا کہ ضعیف راویوں کی حدیثیں نہ لیں۔ وہ ہر کس و ناکس کی حدیثیں
روایت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ جابر جعفی جیسے رافضی کذاب اور سلیمان بن
قرم جیسے غالی رافضی اور کٹر شیعہ جو حدیثوں میں الٹ پلٹ کر دیا کرتے
تھے اور دوسرے ضعفاء و مجہولین سے بھی حدیثیں لیتے رہے۔ اس لئے ان
کی روایت سے کسی حدیث میں کوئی اہمیت نہیں آسکتی جو شخص راویوں کی
جانچ پڑتال نہ کرے صحیح و غلط حدیث کی تمیز نہ کرے۔ وہ خود بذاتہ ہزار

ثقہ ہو۔ اس کی روایت سے حدیث قابل وثوق نہیں ہو سکتی۔ بہر حال
عاصم کی راویت سے حضرت عبداللہ بن مسعود کی طرف منسوب حدیثیں
مہدی کے متعلق صحاح میں اسی قدر تھیں۔ اب میں ایک اور نیا راز ان
کوفی محدثین کا اس مناسب موقع پر افشا کر دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

ایک نیا راز۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کے متعلق صرف بعض
کوفیوں نے یہ بیان کیا ہے کہ ان کی وفات کوفے ہی میں ہوئی ورنہ سارے
ائمہ رجال و مورخین کا اجماع ہے کہ ان کی وفات بہ زمانہ خلافت حضرت
عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ ۳۲ھ میں مدینے میں ہوئی۔ اور مقبرہ بقیع
میں مدفون ہوئے۔ سارے اکابر محدثین و ائمہ رجال یہی کہتے ہیں کہ ان
کے جنازے کی نماز حضرت عثمانؓ ہی نے پڑھائی تھی مگر بعض کوفیوں نے
یہ کہا ہے کہ ان کے جنازے کی نماز حضرت زبیرؓ نے پڑھائی تھی اور راتوں
رات ان کو چپکے سے مدفون کر دیا۔ اور حضرت عثمانؓ کو خبر تک نہ کی۔ صبح کو
جب ان کی وفات اور دفن کا حال معلوم ہوا تو حضرت عثمانؓ۔ حضرت زبیرؓ
پر بہت خفا ہوئے کہ مجھ کو خبر کیوں نہ کی، تو حضرت زبیرؓ نے کہا کہ یہی ان
کی وصیت تھی اس لئے میں مجبور تھا۔ مگر یہ ایک من گھڑت بات ہے،
شیعوں کی گھڑی ہوئی۔ صحیح وہی ہے کہ حضرت عثمانؓ ہی نے ان کے جنازہ
کی نماز پڑھائی اور تمام اہل مدینہ ان کے جنازے میں شریک ہوئے۔
زر بن جیش الکوفی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ زمانہ جاہلیت کے تھے۔ مگر
یہ کوئی نہیں لکھتا کہ یہ کب اسلام لائے۔ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی حیات ہی میں ایمان لائے تھے۔ یا عہد صدیقی میں۔ یا عہد فاروقی میں، یا
عہد عثمانی میں، بہر حال چونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے
ہیں اس لئے ان کا کم سے کم ۳۰ھ سے پہلے اسلام قبول کر لینا ماننا پڑے گا۔

بلکہ اس سے بھی پہلے ۔ اس لئے کہ حضرت ابن مسعودؓ اپنی وفات سے کئی برس پہلے مدینہ چلے آئے تھے ۔ اور پھر مدینے میں انھوں نے وفات پائی تھی ۔ اور پھر دو ایک نہیں بلکہ بہت ساری حدیثیں یہ عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں ۔ اس لئے ان کو ان کی صحبت میں کافی مدت تک رہنا چاہیئے ۔ تو یہ تسلیم کیجئے کہ یہ ۲۰ھ میں ایمان لائے تھے اور پھر زر بن جیش کی وفات حسب اختلاف اقوال ۸۱ یا ۸۲ھ یا ۸۳ھ میں ہوئی ۔ اور ایمان لانے کے وقت ان کو بالغ سن شعور کا آدمی ماننا ہی پڑے گا ۔ تو اگر بیس برس کی عمر ایمان لانے کے وقت تسلیم کیجئے تو ان کی ولادت ہجرت کے سال ہونی چاہیئے ۔ اس طرح جس سنہ میں ان کی وفات کہیئے اسی قدر ان کی عمر قرار پائے گی ۔ مگر کوفیوں نے ان کی عمر (۱۲۷) ایک سو ستائیس برس قرار دی ہے ۔ شاید اس لئے کہ ان سے زمانہ جاہلیت کی بھی بعض باتیں منسوب کرکے روایت کی گئی ہوں ۔ بہر حال ان سے روایت کرنیوالے (۹) نو شخص بیان کیئے جاتے ہیں ۔ جن میں کا ہر شخص کوفی ہی ہے ۔ یعنی کوفیوں کے سوا ایک شخص بھی ان سے روایت نہیں کرتا ۔ ابراہیم النخعی کوفی ۔ منہال بن عمرو کوفی ، عیسیٰ بن عاصم کوفی ۔ عدی بن ثابت کوفی ۔ شعبی عامر بن شراحیل کوفی ۔ زبید الیامی کوفی ۔ اسماعیل بن ابی خالد کوفی ۔ عاصم بن بہدلہ جن کو عاصم بن ابی النجود بھی کہتے ہیں یہ بھی کوفی ۔ اور ابو اسحاق سلیمان الشیبانی بھی کوفی ہی تھے ۔ میں نے اس کی بہت جستجو کی کہ کوئی ایک غیر کوفی بھی کہیں سے ایسا مل جائے جو زر بن حبیش سے روایت کرتا ہو مگر مجھ کو ایک شخص بھی غیر کوفی نہ ملا ۔ اور ان نو کوفیوں میں بھی تین شخص تو کھلے ہوئے شیعہ ہیں ۔ مثلاً زبید الیامی ، منہال بن عمرو ۔ اور عدی بن ثابت ۔ جن کو سنی ائمہ رجال بھی شیعہ لکھتے ہیں اور شیعوں کی

کتابوں میں بھی جن کو شیعہ تسلیم کیا گیا ہے ۔ اور باقی چھ میں بھی مثلاً عاصم بن بہدلہ ، اسماعیل بن ابی خالد وغیرہ ایسے ہیں جن کا ذکر شیعوں کی کتب رجال میں موجود ہے ۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ایک اور کوفی شاگرد قرار دیئے گئے ہیں ، شقیق بن سلمہ ابو وائل الاسدی الکوفی ان کی بھی عمر لمبی ہی بتائی جاتی ہے ۔ مگر زر بن حبیش کے برابر نہیں بلکہ کہا جاتا ہے کہ یہ ہجرت کے سال پیدا ہوئے تھے ۔ اس لئے ان کی عمر وہی ہے جو ان کی وفات کا سال ہے ۔ یعنی ۸۳ھ تقریباً زر بن جیش اور ابو وائل دونوں کا سال وفات ایک ہی ہے ان سے پندرہ آدمی روایت کرتے ہیں ۔ مگر سب کے سب کوفی ۔ جن میں متعدد شیعہ ہیں ۔ جن کی فہرست حسب ذیل ہے ۔ سلیمان بن مہران الاعمش کوفی ۔ منصور بن معتمر کوفی ، زبید الیامی کوفی ، جامع بن ابی راشد کوفی ، حصین بن عبدالرحمن کوفی ، حبیب بن ابی ثابت کوفی عاصم بن بہدلہ الکوفی ۔ عبیدہ بن ابی لبابہ کوفی ، عمر بن مرہ کوفی ۔ ابو حصین عثمان بن عاصم کوفی ۔ نعیم بن ابی ہند کوفی ۔ سعید بن مسروق الثوری کوفی ۔ حماد بن ابی سلیمان کوفی ۔ مغیرہ بن مقسم الضبی کوفی ۔ اور سلیمان ابو اسحاق الشیبانی کوفی ۔ آپ اگر چراغ لے کر بھی ڈھونڈیں تو زر بن جیش اور ابو وائل الکوفی سے کوئی غیر کوفی شخص روایت کرنے والا نہ ملے گا ۔

کوفہ کا شہر بہ زمانہ خلافت فاروقی ۱۷ھ یا ۱۸ھ میں آباد کیا گیا ہے ۔ ابو وائل کی پیدائش ہجرت ہی کا سال ہے ۔ اس لئے یہ اس وقت سترہ اٹھارہ برس کے ہوں گے اور زر بن جیش تو زمانہ جاہلیت کے آدمی ہیں ۔ ۱۲۷ برس کی عمر پائی اور ۸۱ یا ۸۲ھ یا ۸۳ھ میں وفات پائی تو تقریباً ۴۵ برس قبل ہجرت سے یعنی بعثت سے بھی ۳۲ برس پہلے یہ پیدا ہوئے تھے تو یہ لوگ

آخر کہاں پیدا ہوئے تھے۔ اور کہاں رہے؟ کوفے میں آئے تھے تو کہاں سے آئے۔ اور کب آئے؟ دونوں محدث تھے، حدیثیں روایت کرتے تھے۔ ابو وائل شقیق بن سلمہ الاسدی الکوفی حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت فاروق اعظمؓ حضرت عثمانؓ ذوالنورین۔ حضرت علی مرتضیٰؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت حذیفہؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت سہیل بن حنیفؓ وغیرہم اجلہ صحابہ سے اور حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ام سلمہ امہات المؤمنین سے رضی اللہ عنہم اجمعین اور متعدد اکابر تابعین سے بھی روایت کرتے ہیں اور زر بن جیش بن حباشہ الاسدی الکوفی معلوم ہوتا ہے کہ باوجود اس کے کہ زمانہ جاہلیت میں بعثت سے بھی پہلے خدا جانے کہاں پیدا ہوئے تھے، مگر ایمان لائے عہد صدیقی کے بعد عہد فاروقی میں۔ اسی لئے یہ حضرت صدیق اکبرؓ سے کوئی حدیث بھی روایت نہیں کرتے۔ حضرت عمر فاروق۔ حضرت عثمان۔ حضرت علی۔ حضرت ابو ذر، حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت عبدالرحمن بن عوف۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب۔ حضرت سعید بن زید۔ حضرت حذیفہ۔ حضرت ابی بن کعب۔ حضرت صفوان بن عسال ور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے روایت کرتے ہیں۔ مگر خود ان دونوں سے کوفیوں کے سوا اور کوئی روایت نہیں کرتا آخر یہ کیوں؟ میں نزول عیسیٰ بن مریم والی حدیثوں کی تنقید میں قبیلہ بنی اسد کے لوگ جو کوفے میں آبسے تھے، ان کا ذکر کر چکا ہوں۔ ابو وائل اور زر بن جیش یہ دونوں بھی کوفی ہی ہیں اور اسدی ہی ہیں ان سے روایت کرنے والے سب کے سب کوفی تو ہیں ہی ان میں بھی زیادہ اسدی ہی ہیں۔ ان دونوں کا سال وفات ۸۳ھ بتایا جاتا ہے، اور روایت احادیث کا سلسلہ ابن شہاب زہری نے پہلی صدی کے بعد ۱۰۱ھ

سے شروع کیا ہے۔ جب کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی زندہ نہ تھا۔

نتیجہ تحقیق:۔ اس تحقیق سے یہ صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ جب پہلی صدی کے بعد روایت احادیث کا سلسلہ شروع ہوا تو وضاعین کوفہ نے جس طرح جھوٹی حدیثیں گھڑنا شروع کیں اسی طرح کتنے صحابی بھی بنا ڈالے اور کتنے اکابر تابعین بھی۔ یہ دونوں ابو وائل و زر بن حبیش بھی وضاعین کوفہ کے من گھڑت تابعی ہیں۔ ان کی کوئی شخصیت واقعہ نہ تھی ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ کوفیوں کے سوا ان سے کوئی دوسرا روایت نہ کرے۔ کوفہ تو محدثین کا بہت بڑا مرکز تھا۔ دور دراز کے لوگ یہاں آ کر یہاں کے محدثین سے حدیثیں لے جایا کرتے تھے، اگر واقعی پہلی صدی کے پہلے سے روایت احادیث کا سلسلہ قائم تھا جیسا کہ محدثین کے بیان سے ظاہر ہے تو پھر باہر کے محدثین جو حدیثیں لینے کے لئے کوفے آتے تھے وہ ان دونوں سے بھی ضرور حدیثیں لیتے۔ آخر کوفے کے علاوہ دوسری جگہ کے محدثین نے ان دونوں کا بائیکاٹ کیوں کیا؟۔

اس لئے جتنی حدیثیں بھی ابو وائل اور زر بن جیش سے مروی ہیں وہ سب کی سب کوفی وضاعین و کذابین کی من گھڑت ہیں ان میں سے کسی حدیث میں صحت کا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اختلاف قرآت وغیرہ کی بھی جو حدیثیں زر بن جیش یا ابو وائل کے ذریعے حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہ کی طرف منسوب کی گئی ہیں وہ سب کی سب کوفی وضاعین و کذابین کی گھڑی ہوئی ہیں۔

****

دفع دخل:۔ شاید کوئی یہ کہے کہ ان دونوں سے روایت کرنے والے

اگرچہ سب کوفی ہی ہیں اور ان میں اسدی بھی بہت ہیں، جانے بوجھے شیعہ بھی ہیں اور ضعفاء و مجروحین بھی ہیں، مگر سب بلا استثناء تو مجروحین نہیں ہیں - دو چار ثقہ راوی بھی نظر آتے ہیں، مثلاً عامر بن شراحیل الشعبی الکوفی، ابراہیم النخعی الکوفی، سعید بن مسروق الثوری الکوفی وغیرہ - ان لوگوں کو تمام محدثین ثقہ سمجھتے ہیں - تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اول تو کوئی ضروری نہیں ہے کہ جن لوگوں کو محدثین ثقہ سمجھ لیں یا لکھدیں وہ واقعی ثقہ ہوں بھی۔ ممکن ہے کہ ان کی ہوشیاریوں سے ان کا راز ائمہ رجال اور مستند محدثین پر نہ کھل سکا ہو - دوم یہ کہ اگر واقعی وہ ثقہ تھے بھی تو یقیناً ان کے نام بعد والوں نے استعمال کیئے ہیں، درحقیقت شعبہ یا نخعی یا ثوری نے ان حدیثوں کو ان دونوں سے روایت نہیں کیا تھا۔ مگر بعد والے راویوں نے ان ثقہ لوگوں پر یہ افترا کیا کہ ان لوگوں نے ابو وائل یا زر بن جیش سے فلاں حدیث روایت کی ہے - اس میں قصور ان ثقہ راویوں کا نہیں ہے بلکہ ان لوگوں کا ہے جو ان ثقہ راویوں سے ابو وائل اور زر بن جیش کی حدیثیں روایت کر رہے ہیں۔

غرض یہ حدیث بھی جو مہدی کے متعلق ہے جس کو عاصم کوفی زر بن جیش سے اور وہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کر رہے ہیں وہ ہرگز حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث نہیں ہے، اور نہ زر بن جیش کوئی شخص تھے یہ عاصم بن بہدلہ الکوفی الاسدی کی من گھڑت ہے۔

کالے پرچم والے:۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف منسوب ایک اور حدیث ہے جو ابن ماجہ میں علقمہ نخعی کوفی سے مروی ہے، جس کو یزید بن ابی زیاد کوفی شیعہ نے گھڑا ہے - اور یہی ابن ماجہ کی پہلی حدیث ہے - اس میں یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابن مسعود نے کہا کہ ہم لوگ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر تھے کہ اسی درمیان میں بنی ہاشم کے کچھ نوجوان آگئے۔ تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو دیکھا تو آپ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں، اور آپؐ کا رنگ متغیر ہوگیا۔ تو میں نے عرض کیا کہ ہم حضورؐ کے چہرے میں ایسی بات دیکھتے ہیں جس کو ہم پسند نہیں کرتے، تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "ہم لوگ ایسے گھر والے ہیں کہ ہم لوگوں کے لئے اللہ نے دنیا کے مقابلے میں آخرت کو اختیار کیا ہے - اور میرے اہل بیت میرے بعد جلد ہی بلائیں جھیلیں گے اور در بدر مارے پھرنا اور ہر جگہ سے دور دور کیا جانا ان کی قسمت میں ہوگا۔ یہاں تک کہ ایک قوم مشرق کی طرف سے آئے گی، جن کے ساتھ کالے پرچم ہوں گے، تو وہ بھلائی کا سوال (لوگوں سے) کریں گے (یا مال کا سوال لوگوں سے کریں گے) تو لوگ ان کا سوال پورا نہیں کریں گے۔ تو وہ لوگوں سے جنگ کریں گے تو ان کی مدد کی جائے گی۔ تو جو وہ مانگ رہے تھے لوگ ان کو دیں گے - تو وہ نہیں قبول کریں گے اس کو۔ یہاں تک کہ لوگ اس کو لے جائیں گے، میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کے پاس تو وہ بھر دیں گے (کس کو ضمیر کا مرجع اس حدیث میں مذکور نہیں) انصاف سے، جس طرح لوگوں نے بھر دیا تھا اس کو ظلم سے۔ تو تم میں سے جو شخص اس کو پائے تو اس کو چاہیئے کہ ان لوگوں کے پاس آئے اگرچہ وہ چل پڑیں برف پر۔" ابن ماجہ میں بس یہی ایک حدیث ابن مسعودؓ سے مروی ہے۔ مگر ابو داؤد و ترمذی کی حدیثوں کے مضمون سے اور اس حدیث کے مضمون سے کوئی مناسبت بھی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ یزید بن زیاد الکوفی کو عاصم کوفی کی گھڑی ہوئی حدیثوں کی کچھ خبر ہی نہ تھی، ورنہ ضرور اپنی حدیث میں کچھ مضمون ایسا بھی رکھتے جو عاصم کوفی کی حدیث سے کسی قدر مناسبت رکھتا۔ ورنہ اس کے کیا

معنی ہیں، عبداللہ بن مسعود کسی سے کچھ کہیں اور کسی سے کچھ اور۔

حضرت ام سلمہ رضؓ :- ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کا نام کوفی رافضیوں نے اپنی من گھڑت حدیثوں میں بہت استعمال کیا ہے۔ حدیث کسا۔ جو سورہ احزاب والی آیت تطہیر کی شان نزول یا تفسیر کے سلسلے میں خلاف سیاق عبارت گھڑی گئی ہے اس کی بھی متعدد حدیثیں بنا کر حضرت ام سلمہؓ کی طرف منسوب کی گئی ہیں، جس پر میں نے مکمل بحث اپنے رسالہ "تطهير آية التطهير من دنس هفوات اهل التزوير" میں کی ہے۔ جس کا قلمی مسودہ میرے پاس موجود ہے۔ آمد مہدی کے متعلق بھی متعدد حدیثیں کوفی و بصری و صناعین و کذابین نے حضرت ام سلمہؓ کی طرف منسوب کرکے روایت کی ہیں۔ چنانچہ سنن ابی داؤد کی حدیث نمبر ۳ پر بقول راوی حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "مہدی میری عترت سے فاطمہ کی اولاد سے ہوگا"۔ یہ حدیث خود ہی بتارہی ہے کہ کسی شیعہ کی گھڑی ہوئی ہے امام ذہبی میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۵۵ میں زیاد بن بیان کے ترجمے میں لکھتے ہیں اسی حدیث کا ذکر کرتے ہوئے کہ لم یصح حدیثہ یعنی ان کی حدیث صحیح نہیں ہے۔

پھر حدیث نمبر ۵ حضرت ام سلمہؓ کی طرف منسوب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک خلیفہ کی موت کے وقت (امت میں) اختلاف پیدا ہوگا۔ تو ایک شخص مدینے میں بھاگتا ہوا مکہ کی طرف نکلے گا۔ تو اس کے پاس مکے کے کچھ لوگ آئیں گے۔ پھر اس کو نکالیں گے (یعنی منظر عام پر لائیں گے) اور وہ اس کو ناپسند کرنے والا ہوگا۔ تو لوگ اس کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ رکن اور مقام کے درمیان۔ اور اس کی طرف بھیجی

جائے گی ایک جماعت (فوج) شام سے تو میدان میں وہ لوگ دھنسا دیئے جائیں گے۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان۔ تو جب لوگ اس کو دیکھیں گے، ان کے پاس شام کے ابدال اور عراق کے عصائب آئیں گے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ پھر پیدا ہوگا ایک شخص قریش میں سے جس کے ماموں سب (ننھالی لوگ) بنی کلب سے ہوں گے، تو وہ بھیجے گا ان لوگوں کی طرف ایک فوج، تو وہ لوگ غالب ہوں گے ان سب پر، اور یہی بنی کلب کا دھاوا ہے۔ اور ناکامی ہے۔ اس کے لئے جس نے بنی کلب کے مال غنیمت کو نہ پایا تو تقسیم کیا جائے گا مال۔ اور عمل کیا جائے گا لوگوں میں ان کے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق، اور اسلام اپنے لوازمات کے ساتھ زمین پر پھیل جائے گا۔ تو سات برس تک وہ شخص زمین پر رہے گا پھر وفات پائے گا اور مسلمین اس کے جنازے کی نماز پڑھیں گے۔ بعض روایتوں میں سات برس اور بعض میں نو برس ہے۔

یہ حدیث در حقیقت معاذ بن ہشام البصری ہی کی من گھڑت ہے۔ اس کے الفاظ، اس کا مضمون، اس کی عبارت ہر چیز بتارہی ہے کہ یہ ایک گھڑی ہوئی حدیث ہے۔ اس وقت لوگ یہی سمجھتے تھے کہ قیامت تک خلافت کا سلسلہ مسلمانوں میں باقی رہے گا۔ اسی بنا پر یہ بات بنائی گئی کہ "ایک خلیفہ کے انتقال کے بعد مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہوگا۔" اور یہاں یہ حال ہے کہ

(میری ایک پرانی نظم کا مطلع)

نہ رہی کہیں خلافت، نہ رہا کوئی خلیفہ
فقط اپنی انجمن کا رہو پڑھتے اب وظیفہ

خلافت کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ اور ابھی تک ان مدینے سے بھاگ کر کے

پہنچنے والے صاحب کا کہیں نام و نشان بھی نہیں۔

ابدال و عصائب:۔ ابدال و عصائب صوفیوں کی من گھڑت اصطلاحیں، ابدال کا ذکر نزول عیسیٰ کی حدیثوں کی تنقید میں آچکا ہے۔ حماد بن سلمہ البصری کے ذکر میں کہ ان کو لوگ ابدال سمجھتے تھے۔ اور ابن حجر نے تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۳ میں لکھا ہے کہ ابدال کی نشانی یہ ہے کہ اس کے اولاد نہیں ہوتی۔ حماد بن سلمہ نے ستر عورتوں سے نکاح کیا، مگر کسی سے بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اور اگر ابدال کی مزید تحقیق و تفصیل کے ساتھ دیکھنا ہو تو کتاب کشاف اصطلاحات الفنون جلد اول ص ۱۴۶ سے ص ۱۴۸ کی پہلی تین سطروں تک دیکھ جائیے۔ جس میں بعض من گھڑت حدیثیں بھی منقول ہیں، جس کا پتا صحاح میں آپ کو کہیں نہیں ملے گا۔ بلکہ صحاح سے باہر بھی حدیث کی کسی مشہور و معروف کتاب میں آپ انھیں نہ پائیں گے۔ البتہ بعض غیر معتبر کتب حدیث سے کچھ حدیثیں چن چن کر میرے خالو مولانا شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ نے عون المعبود شرح ابی داؤد میں اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے جمع کر دی ہیں، مگر صحاح میں ابدال کا ذکر بس صرف ابو داؤد کی اسی ایک حدیث موضوع میں ہے اور بس۔

عصائب کی اصطلاح متقدمین صوفیہ نے قائم کی تھی مگر تھوڑے ہی زمانہ کے بعد یہ اصطلاح بدل گئی اور عصائب کی جگہ "اوتاد" کہنے لگے "عصائب" عصابہ کی جمع ہے۔ اہل عرب سرداران قوم کو عصائب کہا کرتے تھے۔ اسی مناسبت سے ابدالوں میں سے جو اعلیٰ طبقے کے لوگ صوفیانہ توہمات کے مطابق ہوتے تھے، ان کا لقب انھوں نے عصائب رکھا تھا۔ جس وقت یہ حدیث گھڑی گئی تھی اس وقت تک ان لوگوں کی

بھی اصطلاح تھی۔ مگر تھوڑے ہی دنوں بعد "عصائب" کی جگہ ان کو "اوتاد" کہنے لگے۔ اس کا ذکر فصوص الحکم کی بعض شرحوں میں بزمانہ تعلیم تصوف میں نے دیکھا تھا۔ بہر حال یہ عجمی متصوفین کے اوہام مخترعہ ہیں جو ماانزل اللہ بھا من سلطان کے بالکل مصداق ہیں، ان کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں فرمانے لگے؟

حدیث نمبر ۶ بھی وہی نمبر ۵ ہی جیسی ہے، اس میں مہدی کے آنے کے بعد زندہ رہنے کی مدت صرف نو برس مذکور ہے سات برس کا ذکر نہیں۔ اور حدیث نمبر ۷ بھی وہی ہے۔

حدیث نمبر ۵۔ نمبر ۶۔ نمبر ۷ درحقیقت تین حدیثیں الگ الگ مستقل نہیں ہیں، بلکہ تینوں کو قتادہ البصری ہی روایت کرتے ہیں۔ ابو الخلیل صالح بن ابی مریم البصری سے وہ حدیث نمبر ۵ و نمبر ۶ کو اپنے ایک دوست سے اور حدیث نمبر ۷ کو عبداللہ بن الحارث البصری سے۔ ممکن ہے نمبر ۵ و نمبر ۶ والے دوست یہی نمبر ۷ والے عبداللہ بن الحارث البصری ہی ہوں۔ اور وہ روایت کرتے ہیں حضرت ام المومنین ام سلمہؓ سے۔ تینوں حدیثوں کا فرق قتادہ کے بعد سے شروع ہوتا ہے کہ نمبر ۵ کو معاذ بن ہشام، نمبر ۶ کو ہمام بن یحییٰ اور نمبر ۷ کو ابو العوام عمران بن القطان روایت کرتے ہیں۔ مگر تینوں قتادہ ہی سے اسی ایک سلسلے سے۔ اس لئے یہ تینوں حدیثیں دراصل ایک ہی حدیث ہے، اور اس کی دو تحویلیں ہیں۔ محض دس کی گنتی پوری کرنے کے لئے ایک کو تین کر دکھایا ہے۔ یہ بھی دراصل تخلیث فی التوحید کی ایک مثال ہے۔ مگر اس حدیث اور اس کی تحویلوں کا ذمہ دار کون ہے۔ اس کا پتا لگانا اس لئے مشکل ہے کہ اس کی ہر تحویل میں متعدد غیر ثقہ اور لا یحتج بہ راوی موجود ہیں کہا جاسکتا ہے کہ ۵ سے نمبر ۷ تک کے ذمہ دار صرف ابو الخلیل صالح بن ابی مریم البصری ہیں۔ جیسا کہ

میں نے تنقید رجال میں لکھا ہے ۔ مگر اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ قتادہ
نے اس کی روایت ابن ابی مریم سے سن کر ہی سنی مگر معاذ بن ہشام ،
ہمام بن یحییٰ ، اور ابو العوام عمران بن القطان سے کی ۔ اس لئے قتادہ
الزام سے بری نہیں ہوسکتے ۔ وہ حاطب اللیل یعنی ہر طرح کی رطب و یا
بس حدیثیں روایت کرنے کی وجہ سے خواہ مخواہ خود بیچ میں سن گئے۔

اور حدیث نمبر ۸ بھی دراصل اسی حدیث نمبر ۵ یا نمبر ۵ سے نمبر ۷ تک
کی ایک تتمہ ہی ہے ۔ اس لئے کہ ۵ وغیرہ میں جو مذکور ہے کہ شام کی طرف
سے ایک فوج آئے گی (مہدی اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے) اور وہ
مکہ و مدینہ کے درمیان کسی میدان میں دھنسا دی جائے گی ۔ جب رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بقول راوی یہ قصہ بیان فرمایا تو حضرت ام
سلمہؓ نے عرض کیا کہ جو لوگ اس فوج میں زبردستی کھینچ لائے گئے ہوں
گے ۔ (دل سے ان کے ساتھ نہ ہوں گے بلکہ دراصل ان کا دل مہدی اور
مسلمانوں کے ساتھ ہوگا) ان کا کیا حشر ہوگا ؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا کہ وہ سب کے سب دھنسا دیئے جائیں گے ۔ لیکن قیامت
کے دن ہر شخص اپنی نیت کے مطابق اٹھایا جائے گا۔

اس نمبر ۸ کو تو اسی نمبر ۵ یا نمبر ۶ کے ساتھ بیان کرنا تھا۔ کیونکہ اس
کے مضمون کا تعلق نمبر ۵ والی حدیث سے ہے یا اس کی نمبر ۶ و نمبر ۷ والی
دونوں تحویلوں سے ۔ ورنہ اس نمبر ۸ کو بھی پہلے ہی ایک تحویل حدیث نمبر
۵ کی قرار دے کر بیان کرنا تھا۔ بہر حال اس نمبر ۸ کو بھی نمبر ۵ کی ایک
تحویل ہی سمجھیئے ۔ جس کے تنہا ذمہ دار عثمان بن ابی شیبہ قرآن مجید کے
سمجھنے سمجھانے کرنے میں مشاق محرف ہیں۔

ابو داؤد میں حضرت ام سلمہؓ کی طرف منسوب بس اتنی ہی حدیثیں ہیں۔

یعنی نمبر ۳ و نمبر ۵ اور اسی نمبر ۵ کی تین تحویلیں جو نمبر ۶ و نمبر ۷ و نمبر ۸ کی
شکلوں میں مستقل حدیثیں بنا کر پیش کی گئی ہیں۔ تو دکھلانے کے لئے ابو
داؤد میں حضرت ام سلمہؓ کی طرف منسوب پانچ حدیثیں ہیں۔ مگر حقیقت
میں دو حدیثیں ہیں۔ نمبر ۳ و نمبر ۵ اور نمبر ۶ سے نمبر ۸ تک نمبر ۵ کی
تحویلیں ہیں ۔ نمبر ۳ تو کسی خالص شیعہ کی من گھڑت اپنے مضمون ہی سے
معلوم ہو رہی ہے اور نمبر ۵ معہ تحویلات کسی ملحد کی من گھڑت نظر آتی
ہے ۔

ترمذی کی کوئی حدیث حضرت ام سلمہؓ کی طرف منسوب نہیں ہے ۔ ابن
ماجہ میں صرف ایک حدیث ہے یعنی نمبر ۵ جس کا مضمون اسی قدر ہے ۔
کہ سعید بن المسیب نے کہا کہ ہم لوگ حضرت ام سلمہؓ کے پاس مہدی کا
ذکر کر رہے تھے ۔ اس پر حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ " مہدی فاطمہ کی اولاد سے
ہوگا ۔" یہ حدیث درحقیقت ابو داؤد کی حدیث نمبر ۳ کا " شارٹ ہینڈ " ہے ۔
ابو داؤد میں بھی سعید بن المسیب ہی سے روایت تھی ۔ یہاں بھی انھیں
سے روایت ہے ۔ وہاں بھی علی بن نفیل الحرانی ہی اس کو ابن المسیب سے
روایت کر رہے تھے ، یہاں بھی ابن المسیب سے روایت کرنے والے وہی
ابن نفیل ہی ہیں ۔ وہاں بھی ابن نفیل سے زیاد بن بیان روایت کر رہے
تھے ، یہاں بھی ابن نفیل سے زیاد بن بیان ہی روایت کر رہے ہیں ۔ وہاں
بھی زیاد بن بیان سے حسن بن عمر ابو الملیح الرقی روایت کر رہے تھے ۔
یہاں بھی وہی حسن بن عمر ابو الملیح الرقی ہی زیاد بن بیان سے روایت کر
رہے ہیں ۔ فرق صرف اسی قدر ہے کہ ابن ماجہ میں اس کو بدو واسطہ ابو
الملیح حسن بن عمر الرقی سے روایت کرتے ہیں ۔ ابو داؤد بیک واسطہ ۔
دونوں کے شیخ صرف مختلف ہیں اور ابن ماجہ کے ایک شیخ کے شیخ فاصل

بیچ میں آگئے ہیں۔ ابن ماجہ میں ایک شیخ کے شیخ فاضل آگئے تو ابو داؤد نے ایک نام تحویل کی حیثیت سے بڑھا کر ابو الملیح حسن بن عمر الرقی کا ایک ساتھی عبداللہ بن جعفر الرقی کو تلاش کر لیا۔ اس طرح دونوں کے راویوں کی تعداد پوری ہوگئی۔ مگر ابو داؤد کی اس تحویل سے نفس حدیث پر کوئی اثر نہیں پڑسکتا۔ اس لئے کہ اس تحویل سے صرف اتنا ہی معلوم ہوا کہ زیاد بن بیان سے تنہا حسن بن عمر ابو الملیح ہی نے نہیں اس حدیث کو سنا بلکہ عبداللہ بن جعفر نے بھی سنا۔ بہر حال زیاد بن بیان سے سعید بن مسیب تک دونوں کتابوں میں ایک ہی سلسلہ روایت ہے، اور ہم تنقید روات میں بھی لکھ چکے ہیں کہ خود امام بخاری نے اس حدیث کو مشتبہ قرار دیا ہے، اور تنقید مضامین میں حضرت ام سلمہ کی طرف منسوب ابو داؤد کی پہلی حدیث جو سلسلہ نمبر کے حساب سے ابو داؤد کی حدیث نمبر ۳ ہے اس پر بحث کرتے ہوئے امام ذہبی کی کتاب میزان الاعتدال ج ۱: ص ۳۵۵ کی عبارت ہی لکھدی ہے کہ انھوں نے زیاد بن بیان کے ترجمے میں اسی حدیث کے متعلق لکھدیا ہے۔ کہ ان کی حدیث صحیح نہیں ہے۔ غرض ایک ہی سلسلہ اسناد سے کسی حدیث کے متعدد کتابوں میں ہونے سے اس حدیث میں کوئی قوت نہیں آتی، جب کہ اس کے روات ضعیف، غیر ثقہ اور **لا یحتج بہ** ہوں اس لئے ابن ماجہ میں جو بھی ایک حدیث حضرت ام سلمہؓ کی طرف منسوب نظر آتی ہے، یہ کوئی نئی حدیث نہیں ہے۔ وہی ابو داؤد والی حدیث نمبر ۳ ہے جس کو امام ذہبی **لا یصح** کہتے ہیں۔ امام بخاری مشتبہ قرار دیتے ہیں۔ عقیلی ضعیف کہتے ہیں۔ اور جس کا مضمون بتا رہا ہے کہ یہ حدیث کسی شیعہ کی من گھڑت ہے۔

عطر آن است کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

حضرت علیؓ :- اب حضرت علیؓ کی طرف جو حدیثیں منسوب کی گئی

ہیں ان کو بھی دیکھ لیجئے۔ ترمذی میں تو حضرت علیؓ کی طرف منسوب کوئی حدیث بھی مہدی کے متعلق نہیں ہے۔ ابن ماجہ میں صرف ایک ہی حدیث ہے۔ حدیث نمبر ۴ کہ حضرت علیؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہدی ہمارے اہل بیت میں سے ہوگا۔ اللہ اس کو صلاحیت والا بنا دے گا ایک رات میں۔ اس حدیث کے راوی ابراہیم بن محمد بن حنفیہ شیعہ، یاسین بن معاذ الزیات الکوفی جیسا غیر ثقہ لا یحتج بہ بلکہ درحقیقت وضاع و کذاب اور عثمان بن ابی شیبہ الکوفی جیسا محرف القرآن بلکہ قرآن مجید کے ساتھ ٹھٹھا کرنیوالا شخص ہے۔ مضمون ہی بتا رہا ہے کہ کسی شیعہ کی من گھڑت ہے۔

ابو داؤد میں بھی حدیث نمبر ۲ اسی عثمان بن ابی شیبہ الکوفی محرف القرآن کلام اللہ سے ٹھٹھا کرنے والے ہی سے مروی ہے جس سے ابن ماجہ والی مذکورہ حدیث مروی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ انھیں کی گھڑی ہوئی ہو۔ یا ان کے شیخ کے شیخ فطر بن خلیفہ کوفی شیعہ کی گھڑی ہوئی ہو۔ حدیث یہ ہے کہ بقول عثمان بن ابی شیبہ الکوفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر زمانے کا صرف ایک دن باقی رہ جائے گا تو اللہ تعالیٰ میرے اہل بیت میں سے ضرور ایک شخص کو مبعوث فرمائے گا جو اس کو (کس کو؟۔ یعنی زمین کو یہ آپ خود سمجھ لیجئے۔ حدیث نہیں بتائے گی) انصاف سے بھر دے گا۔ جس طرح وہ ظلم سے بھری ہوئی تھی، یہ وہی حدیث ہے جس کو ابو داؤد کی پہلی حدیث کی تحویل میں فطر بن خلیفہ شیعہ کوفی نے عاصم بن بہدلہ الکوفی سے روایت کیا ہے اور عاصم نے زر بن جیش سے اور زر بن جیش نے عبداللہ بن مسعودؓ سے۔ اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے۔ در حقیقت یہ حدیث فطر بن خلیفہ شیعہ کوفی ہی کی من گھڑت ہے۔ ایک بار عاصم بن بہدلہ الکوفی سے روایت کرکے اس کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی

طرف منسوب کیا۔ اور دوسری بار قاسم بن ابی بزہ الہمدانی اور ابو الطفیل کے ذریعے اس کو حضرت علیؓ کی طرف سے منسوب کیا۔ دونوں جگہ اس کے گھڑنے والے فطر بن خلیفہ ایک کوفی شیعہ ہی ہیں۔

اور حدیث نمبر ۹ و نمبر ۱۰ دونوں کی روایت ابوداؤد ہارون بن المغیرہ سے اور وہ عمرو بن ابی قیس الکوفی سے کرتے ہیں۔ مگر عمرو بن ابی قیس الکوفی کے بعد دونوں حدیثوں کے سلسلہ اسناد بدل جاتے ہیں۔ پھر آخر میں دونوں ہی حضرت علیؓ تک منتہی ہوتی ہیں۔ حدیث نمبر ۹ کو ابو اسحاق السبیعی کوفی، مشہور شیعہ اہل کوفہ کی حدیثوں کو تباہ کرنے والے، حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں۔ جو حضرت علیؓ کی وفات کے وقت سات برس سے زیادہ کے نہ تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت علی نے اپنے لڑکے حسن کو دیکھ کر فرمایا کہ کہا جاتا ہے کہ میرا یہ لڑکا سردار ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام رکھا ہے۔ اور عنقریب اس کے صلب سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام تمہارے نبی کے نام پر ہوگا۔ اور اخلاق میں بھی ان سے مشابہ ہوگا۔ پھر ذکر فرمایا یہ قصہ کہ وہ بھر دے گا زمین کو عدل سے۔

اور حدیث نمبر ۱۰ کو وہی عمرو بن قیس الکوفی مطرف بن طریف سے وہ کسی ابوالحسن سے روایت کرتے ہیں۔ وہ ہلال بن عمرو سے وہ حضرت علی سے۔ تنقید رجال میں ہم لکھ چکے ہیں کہ ہارون بن مغیرہ کو ابن خلدون نے اولاد شیعہ سے لکھا ہے۔ اور اس کا نسبی تعلق مغیرہ بن سعید البجلی رافضی کذاب سے معلوم ہوتا ہے۔ پھر ابوالحسن کے بارے میں بھی ہم لکھ چکے ہیں کہ یہ عطیہ العوفی کوفی شیعہ کذاب تھا۔ اور ہلال بن عمرو کوئی شخص نہ تھا۔ یہ عطیہ کوفی کے گھڑے ہوئے ایک اسم فرضی ہیں۔ بہرحال وہ حدیث نمبر ۱۰ یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس نہر کے اس پار سے (معلوم نہیں کون سی نہر؟) ایک شخص نکلے گا جس کو حارث کہا جائے گا۔ حراث

(شاید اصل کتاب میں او کا لفظ چھوٹ گیا ہے غالباً مطلب یہ ہے کہ وہ حارث کہا جائے گا یا حراث۔ (واللہ اعلم) اس کے (لشکر کے) مقدمہ پر ایک شخص ہوگا جس کو منصور کہا جائے گا۔ جو آل محمد کے لئے ملک کی زمین ہموار کرے گا۔ جس طرح قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہموار کی تھی۔ ہر مسلم پر اس کی مدد واجب ہوگی۔ یا (فرمایا) اس کی دعوت پر لبیک کہنا واجب ہوگا۔

یہ حدیث مہدی کے متعلق نہیں ہے، بلکہ حارث و منصور سے تعلق رکھتی ہے اور اپنے مفہوم میں ساری حدیثوں سے الگ اور بے تعلق ہے۔ ان تمام حدیثوں سے صاف ظاہر یہ ہو رہا ہے کہ وعدۂ استخلاف کا کانٹا جو دلوں میں کھٹک رہا ہے اس کے نکالنے کے لئے یہ سب حدیثیں گھڑی گئی ہیں۔ یا یہ سب دعوت عباسیہ کے لئے پیش بندیاں تھیں۔ جیسا کہ میں آخر میں بیان کروں گا۔

ابو سعید خدریؓ کی طرف ایک حدیث ترمذی میں منسوب کی گئی ہے یعنی حدیث نمبر ۴ جس کو زید العمی البصری ابو الصدیق الناجی البصری سے وہ ابو سعید الخدری سے روایت کرتے ہیں۔ بالکل اسی سلسلہ روایت سے ابن ماجہ کی حدیث نمبر ۳ بھی ہے وہاں بھی یہی زید العمی، یہی ابو صدیق الناجی اور پھر ابو سعید الخدری ہیں۔ ترمذی میں ہے کہ ابو سعید خدری نے کہا کہ ہم لوگ ڈرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی حادثہ پیش نہ آئے۔ تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ میری امت میں مہدی ظاہر ہوگا۔ اور پانچ یا سات یا نو تک زندہ رہے گا۔ یہ شک زید العمی کو ہوگیا تھا۔ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی عدد بیان فرمایا تھا) تو ابو سعید نے پوچھا کہ وہ کیا ہے (یعنی یہ گنتی کس چیز کی ہے؟) تو آپ نے فرمایا کہ برسیں۔ پھر ہر شخص آئے گا اور کہے گا کہ

"اے مہدی مجھ کو دے مجھ کو دے" تو وہ بھر دے گا۔ اس کے لئے اس
کے کپڑے میں، جہاں تک وہ اٹھانے کی سکت رکھے گا۔ اس کے بعد ترمذی
لکھتے ہیں کہ اور بھی بعض طرق سے ابو صدیق الناجی نے اس حدیث کو ابو
سعید خدری ہی سے روایت کیا ہے۔ ممکن ہے کہ "طرق" سے مراد یہ ہو کہ
ابو صدیق اور ابو سعید خدری کے درمیان کوئی اور راوی بھی کسی طریق میں
ہو۔ یا "طرق" کا یہ مطلب ہو کہ بعض دوسری حدیث مہدی ہی کے
متعلق اس حدیث سے مختلف مضمون کی بھی ابو صدیق الناجی، ابو سعید
خدری سے روایت کرتے ہیں۔ جیسا کہ ابن ماجہ کی حدیث نمبر ۲ ہے جس کو
زید العمی ہی ابو صدیق الناجی سے اور وہ ابو سعید خدری سے روایت کرتے
ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا کہ میری امت میں مہدی ہوگا
اگر کمی کرے گا تو سات ورنہ نو (یعنی اتنے برسوں تک زندہ رہے گا)۔ تو
اس میں (اس کے زمانہ میں) میری امت نعمتوں سے اتنی مالا مال ہو جائے
گی، جتنا پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ تو کہے گا ہر شخص کہ اے مہدی دے مجھ کو
تو وہ کہے گا کہ لے۔"

غالباً ترمذی کا اشارہ اسی حدیث کی طرف ہے۔ مگر پھر ترمذی نے اس
حدیث کی روایت کیوں نہ کی؟ صرف ایک ہلکا سا اشارہ کرکے چھوڑ کیوں
دیا؟ دونوں کے مضامین میں جو فرق ہے اس کی طرف ترمذی نے اشارہ کر
ہی دیا اور ناظرین خود دیکھ رہے ہیں۔ وہی زید العمی اور وہی ابو صدیق الناجی
انھیں ابو سعید خدری سے وہ بھی بیان کرتے ہیں اور یہ بھی۔ مگر .... زید
العمی ترمذی والی حدیث کو شعبہ سے روایت کرتے ہیں، اور ابن ماجہ والی
حدیث کو عمارہ بن ابی حفصہ سے۔ اگر ابو سعید خدری نے واقعی دونوں
حدیثیں الگ الگ دو بار ابو صدیق الناجی سے بیان کی تھیں، ابو صدیق نے
بھی دونوں حدیثوں کو زید العمی سے الگ الگ بیان کیا تھا تو پھر زید العمی کو

بھی لازم تھا کہ یہ دونوں حدیثیں شعبہ اور عمارہ بن ابی حفصہ سے بھی بیان
کرتے۔ زید العمی نے ایسا کیوں کیا کہ ایک حدیث سے شعبہ کو بے خبر رکھا
اور دوسری حدیث سے عمارہ کو؟ ہو سکتا ہے کہ ترمذی کے شیخ محمد بن بشار
بندار البصری جن کے جھوٹی حدیث روایت کرنے پر عمرو بن علی جیسے
محدث قسم کھاتے تھے۔ انھوں نے گھڑ کر ایک حدیث الگ بنائی ہو۔ جس
کے سلسلہ روایت میں زید العمی اور ابو صدیق الناجی کا نام جوڑ کر ابو سعید
خدری تک اس کو پہنچایا ہو، اور نصر بن علی الجھضمی جو در حقیقت شیعہ تھے،
جیسا کہ میں نے تنقید روایت میں ان کی ایک روایت پیش کرکے بتایا ہے
انھوں نے الگ ایک حدیث بنا کر اتفاق سے زید العمی و ابو صدیق ہی کی
وساطت سے ______ اس کو بھی ابو سعید خدری
تک پہنچا دیا ہو۔ اور ایک کو دوسرے کی حدیث کی خبر نہ ہو۔ اسی لئے زید
العمی و ابو صدیق ناجی کی طرف دونوں حدیثیں منسوب ہو کر رہیں اور زید
العمی کے بعد پھر دونوں کے سلسلہ روایت کی دو شاخیں الگ الگ
ہو گئیں۔ ایک ترمذی میں پہنچ گئی اور دوسری ابن ماجہ میں۔ اور یہی
صورت زیادہ قرین عقل ہے۔ واللہ عالم بالصواب۔

اور حضرت ابو سعید خدری سے ایک حدیث اور بھی منسوب ہے جو ابو
داؤد کی حدیث نمبر ۴ ہے۔ جس کو ابو نضرہ منذر بن مالک حضرت ابو سعید
خدری سے راویت کرتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ مہدی مجھ سے ہے روشن پیشانی، اونچی ناک والا بھر دے گا زمین کو
انصاف و عدل سے جس طرح بھری ہوئی تھی ظلم و جور سے، اور حکومت
کرے گا سات برس" اس حدیث کے روایت کرنے والے ابو نضرہ کا حال
تنقید رجال میں گزر چکا ہے کہ یہ بالکل لا یحتج بہ تھے۔ اور ان کے بعد
والے رواۃ بھی اسی قسم کے ضعفاء اور مدلس ہیں۔ مضمون کے اعتبار

سے حضرت ابو سعید خدریؓ کی طرف جتنی حدیثیں مروی ہیں جن کی تعداد صرف تین ہی ہے ۔ وہ سب ایک دوسری سے بالکل مختلف ۔ ایک صحابی کی یہ تینوں روایتیں معلوم ہی نہیں ہوتیں ۔ اگر ابو سعید خدری واقعی یہ باتیں بیان فرماتے ہیں تو ضرور جس سے کہتے پوری بات کہتے تاکہ ہر شخص کو مہدی کے متعلق پورے حالات جس قدر ان کو رسول اللہؐ نے بتائے تھے ، معلوم ہو جاتے ۔ آخر حضرت ابو سعید خدریؓ نے توڑ توڑ کر حالات کیوں بیان فرمائے ، کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ لیجئے حضرت ابو سعید خدری کی طرف منسوب حدیثیں بھی ختم ہو گئیں۔ اور ترمذی و ابو داؤد کی سب حدیثوں کے مضامین کی تنقید مکمل ہو گئی ۔ اب صرف ابن ماجہ کی تین حدیثیں رہ گئیں۔

ابن ماجہ:۔ ابن ماجہ کی حدیث نمبر ۳ جو حضرت ثوبانؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک آزاد غلام کی طرف منسوب کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "قتل کئے جائیں گے تمھارے خزانے کے پاس تین شخص ۔ ہر ایک کسی ایک خلیفہ کا بیٹا ہوگا ۔ پھر وہ خزانہ ان میں سے کسی ایک کا بھی نہ ہوگا ۔ پھر نمایاں ہوں گے کالے پرچم مشرق کی طرف سے، تو وہ لوگ (یعنی کالے پرچم والے) تمہیں قتل کریں گے اس طرح کہ ویسا قتل کسی قوم نے بھی نہ کیا ہوگا ۔ (ثوبان کہتے ہیں کہ) پھر (اس کے بعد) کوئی بات بیان فرمائی جو مجھ کو یاد نہ رہی ۔ پھر فرمایا تو جب دیکھو تم اس کو تو بیعت کرو اس کے ہاتھ پر اگرچہ وہ چلیں سب برف پر ۔ کیونکہ اللہ کا خلیفہ مہدی ہے ۔" اس حدیث کے ٹکڑے باہم اس قدر غیر مربوط ہیں کہ صحیح مطلب سمجھنا الفاظ و عبارت سے محال ہے ۔ خواہ مخواہ کھینچ تان کر کے کچھ معنی پہنائے جائیں یہ اور بات ہے ۔ "تمھارے خزانے" ۔ سے مراد شاید بیت المال یا حکومت کا خزانہ ہو ۔ مشرق کی طرف سے جو

کالے پرچم والے آئیں گے وہ مسلمان ہوں گے یا کفار ، اگر مسلمان ہوں گے تو وہ مسلمانوں کو اس طرح قتل کیوں کرنے لگے جیساکہ کسی قوم نے قتل نہ کیا ہوگا؟ اور اگر کفار ہوں گے تو اس کی طرف عبارت میں اشارہ کرنے والا کوئی لفظ نہیں ۔ اس کے بعد کا لفظ جس سے شاید کچھ پتا چلتا، ثوبان اس کو بھول ہی گئے ۔ اس کے بعد کہا جاتا ہے کہ "تو جب تم دیکھو اس کے ہاتھ پر بیعت کرو ۔" کس کو دیکھو ، اور کس کے ہاتھ پر بیعت کرو ، اسی مشرق سے آنے والے کالے پرچم والے کو اگر دیکھو تو اس کے ہاتھ پر بیعت کرلو ۔" یہ مراد ہے تو معلوم ہوا کہ وہ کالے پرچم والا یا والے مسلمان ہی ہوں گے ۔ کفار نہ ہوں گے تو پھر وہ مسلمانوں کے ساتھ قتال اور شدید قتال کیوں کرنے لگے ، آخر میں "اگرچہ وہ لوگ چلیں برف پر" جو کہا گیا یہ کن لوگوں کے متعلق ہے ۔ وہ تو مشرق سے آئے ہیں مسلمانوں کے ملک میں قتال کرکر کے سب کو بیعت پر مجبور کر رہے ہیں۔ پھر حکم بھی ہے کہ ان کے ہاتھ پر بیعت کرو ۔ وہ کیوں برف پر چلنے لگے ۔ مگر یہی حدیث مسند امام احمد اور بیہقی کی دلائل النبوہ میں بھی ہے اور ثوبان ہی سے مروی ہے ۔ اس میں ثوبان کچھ بھولے نہیں ہیں ۔ ان میں یوں ہے کہ "جب دیکھو تم کالے پرچم خراسان کی طرف سے آتے ہوئے ۔ تو تم اس کے پاس چلے آؤ ۔ کیونکہ اس میں اللہ کا خلیفہ مہدی ہوگا" ۔ آخر یہ حدیث عثمان بن ابی شیبہ الکوفی ہی سے تو مروی ہے ۔ جو قرآن مجید کے ساتھ ٹھٹھا کرتے تھے ۔ ایک حدیث کو بھی اگر مضحکہ خیز بنا کر یا ایک مضحکہ خیز قول کو حدیث بنا کر روایت کریں تو کیا تعجب ہے ۔

ابن ماجہ کی چھٹی حدیث کو حضرت انس بن مالک خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا گیا ہے یہ اسی قدر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ہم لوگ عبدالمطلب کی اولاد ہیں ۔ اہل جنت

کے سردار - میں حمزہ - علی - جعفر - حسن - حسین اور مہدی -" معلوم نہیں بے چارے حضرت عباس بن عبدالمطلب کو اس روایت کے گھڑنے والے نے کیوں چھوڑ دیا؟ حقیقت میں نام لینا مقصود تھے صرف علی، حسن، حسین اور مہدی کے حمزہ اور جعفر کے نام برائے بیعت لے لئے گئے - سارے اولاد عبدالمطلب سے اگرچہ وہ بھی مسلم ہی ہوں، اس روایت کے گھڑنے والے کو تو کچھ مطلب تھا نہیں - پھر حضرت عباس سے بھی شیعوں کو کچھ چشمک رہی ہے - حضرت علی اور حضرت عباس کا مخاصمہ و مجادلہ بخاری پڑھنے والوں سے پوشیدہ نہیں اس لئے حضرت عباس کا ذکر نہ کیا - یہ حدیث خود بتا رہی ہے کہ کسی شیعے کی من گھڑت ہے - رجال کی تنقید میں کر چکا ہوں دیکھ لیجئے - در حقیقت یہ حدیث علی بن زیاد الیمامی کی ساختہ و پرداختہ ہے - علی بن زیاد الیمامی کو تو ہمارے ائمہ رجال کچھ بھی نہیں جانتے حافظ ابن حجر نے یہ امکان ظاہر کیا ہے کہ شاید یہ عبداللہ بن زیاد الیمامی ہوں جن کی کنیت ابو العلا تھی - کاتب نے "ابو العلا" کو "علی" بنا دیا - میں اس پر بحث تنقید رجال میں کر چکا ہوں - اور اس تاویل سے بھی کام چلتا نظر نہیں آتا کیونکہ عبداللہ بن زیاد کو تو خود ابن حجر منکر الحدیث لیس بشئ لکھ رہے ہیں، اور امام ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں کہ یہ "حدیث الطیر" کے راوی بھی ہیں اور "حدیث الطیر" شیعوں کی من گھڑت حدیث ہے - وہ حدیث یہ ہے کہ حضرت انس بن مالک کی طرف یہ قول منسوب کیا گیا ہے کہ انھوں نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی پرندے کا گوشت پکا ہوا تھا، یا کہیں سے تحفہ آیا تھا - تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ یا اللہ بھیج دے سب سے زیادہ محبوب شخص کو جو اس پرندے کو میرے ساتھ کھائے - تو علی آ گئے -" اس روایت کو اکثر محدثین موضوع کہتے آئے ہیں - مگر صاحب مستدرک خود غالی شیعہ تھے .

اس لئے انھوں نے اپنی کتاب میں اس کو درج کر لیا ہے - بہر حال شیعوں کے سوا اور کبھی کسی نے یہ حدیث روایت نہیں کی ہے - عبداللہ بن زیاد نے جو یہ حدیث روایت کی ہے یہ ان کے تشیع کی نشاندہی کر رہی ہے اور پھر یہ ابن ماجہ کی حدیث نمبر ۶ کی بھی رویت اگر انھیں عبداللہ بن زیاد نے کی ہے - جب تو ان کے شیعہ ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں رہتا - مگر یہ تو اس صورت میں ہے کہ ابن حجر کی تاویل مان لی جائے اور علی بن زیاد کو عبداللہ بن زیاد تسلیم کر لیا جائے ورنہ یہ علی بن زیاد یقیناً کوئی غیر معروف مگر خالص شیعہ ہی راوی ہیں، جن سے اہل سنت ائمہ رجال بالکل ناواقف ہیں -

ابن ماجہ کی آخری حدیث نمبر ۷ عبداللہ بن الحارث بن جزء الزبیدی کی طرف منسوب کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "کچھ لوگ مشرق سے نکلیں گے تو وہ زمین ہموار کریں گے مہدی کے لئے، یعنی ان کے غلبے اور سطوت کے لئے -"

اس حدیث کی روایت عبداللہ بن لہیعہ المصری کرتے ہیں اپنے شیخ عمرو ابن جابر سے اور خود عمرو بن جابر کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ ایک احمق شیخ ہے جو کہتا ہے کہ حضرت علیؓ بدلیوں میں چھپے ہوئے ہیں - اور امام احمد نے جن کو کذاب کہا ہے اور ابن عدی نے شیعہ وضعیف الحدیث قرار دیا ہے اور ان کی شیعیت خود اس حدیث ہی سے ظاہر ہے -

مشرق و مہدی:- مشرق سے کالے پرچم والوں کے آنے کا ذکر اکثر روایتوں میں آپ دیکھتے ہیں. صحاح سے باہر کی بعض حدیثوں میں مشرق کی جگہ خراسان کا صاف ذکر بھی آپ ملاحظہ فرمائیں گے - یہ ساری پیش بندی دعوت عباسیہ کی تھی - جس کا فتنہ خراسان ہی سے اٹھایا گیا - دعوت

عباسیہ کی داغ بیل خراسان میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہی کے زمانے میں یعنی ۹۹ ھ یا ۱۰۰ ھ میں ڈالی گئی تھی ۔ مگر کئی برس تک نہایت راز داری کے ساتھ دھیرے دھیرے اس اسلام کش تحریک کو آگے بڑھایا گیا ۔ ادھر وہ تحریک چل رہی تھی ادھر آمد مہدی کے نام سے حدیثیں گھڑ گھڑ کر پھیلائی جارہی تھیں اور مشرق سے یا خراسان سے کالے پرچم والے فوج کے آنے کی پیشن گوئیاں سنائی جارہی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سنایا جارہا تھا کہ وہ کالے پرچم والی فوج جب مشرق سے آئے تو اس کی مدد کیجیو ۔ انھیں میں مہدی بھی ہوگا۔ ان کے ہاتھ پر بیعت کیجیو وغیرہ ذالک ۔

چنانچہ خلافت عباسیہ؎ جب قائم ہوگئی تو ان کی من گھڑت پیشین گوئیوں والے خوابوں کی تعبیریں بروئے کار لانے کی کوششیں کردی گئیں ۔ شروع میں تو علی بن عبداللہ عباس نے اپنے بیٹے کا نام اسی مناسبت سے محمد رکھا تھا ۔ چنانچہ دعوت عباسیہ کے شروع کرنے والے محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس ہی ہوئے ۔ مگر ان کے وقت میں ان کے خواب کی تعبیر پوری نہ ہوئی ۔ ان کے بیٹے عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس جن کا لقب سفاح پڑا ۔ وہ اس مقصد میں کامیاب ہوئے ۔ اگرچہ نہ صرف بنی امیہ کی خلافت کے ختم کرنے میں اور خود تخت خلافت پر متمکن ہونے میں کامیاب ہوئے ۔ بلکہ مسلمانوں کی ایک مرکزیت کے مٹانے اور جماعت مسلمہ میں تفرقہ وانتشار پیدا کرنے میں بھی کامیاب ہوئے ۔ چنانچہ

؎ بلکہ در اصل عباسیہ و علویہ کی تفریق تو بعد میں ہوئی ہے ۔ ابتداءً بنو علی اور بنو عباس دونوں مشترکہ طور پر بنو امیہ کی خلافت کا تختہ الٹنے کی کوششوں میں ایک دوسرے کے حلیف بنے ہوئے تھے ۔ آگے چل کر بنو عباس اور بنو علی الگ الگ ہوگئے ۔ بنو عباس نے خراسانیوں پر اپنا زیادہ اثر قائم کرلیا اور خود اپنی حکومت قائم کر لی اور بنو علی ان کا منہ تکتے رہ گئے ۔ اس کے بعد دونوں الگ الگ ہوگئے ۔

تاریخ الخلفاء میں جلال الدین سیوطی پہلے عباسی خلیفہ جن کا لقب "سفاح ہے ۔ ابو العباس عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کے ترجمے میں لکھتے ہیں کہ ذہبی نے کہا ہے کہ بد وانہ تفرقت الجماعۃ و خرج عن الطاعۃ مابین تاہرت و طنبۃ الی بلاد السودان وجمیع ممالک الا اندلس و خرج بھذہ البلاد من تغلب علیھا و استمرّ ذالک ۔ یعنی انھیں سفاح پہلے عباسی خلیفہ کی بدولت جماعت میں تفرقہ پیدا ہوا ۔ اور حلقہ اطاعت سے باہر نکل گئے تاہرت اور طنبہ کے درمیان جتنے شہر تھے سوڈان کے شہروں تک اور علاقہ اندلس کے سارے ممالک اور ان شہروں پر جس نے بھی غلبہ حاصل کرلیا قابض ہوگیا ، اور اس کا قبضہ برابر باقی رہا ۔ یعنی خلافت میں اتنی طاقت نہ رہی کہ ان میں سے کسی ایک باغی کی بھی سرکوبی کرکے اس کے قبضہ سے ملک چھین لے ۔ اور پھر چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں کہ قال المورخون ، فی دولۃ بنی العباس افترقت کلمۃ الا سلام و سقط اسم العرب من الدیوان وادخل الا تراک فی الدیوان استولت الدیلم الا تراک وصارت لھم دولۃ عظیمۃ وانقسمت ممالک الارض عدۃ اقسام وصار بکل قطر قائم یاخذ الناس بالعسف ویملنھم بالقھر یعنی مورخوں نے کہا ہے کہ " حکومت بنی العباس میں کلمہ اسلام میں تفرقہ پڑگیا ۔ اور عرب کا نام حکومت کے محکموں سے ساقط ہوگیا ، اور ترکوں کو سرکاری محکموں میں داخل کیا گیا اور دیلم کے علاقوں پر ترک چھاگئے ، اور ان کی بہت بڑی حکومت قائم ہوگئی ، اور روئے زمین کے ممالک منقسم ہوکر متعدد قسم کے ہوگئے ، اور ہر حصہ ملک پر ایک شخص کھڑا ہوگیا جو ناروا دباؤ کے ساتھ لوگوں سے مال وصول کیا کرتا تھا ، اور قہر سے ان کو لبریز کر دیتا تھا " ۔ کلمہ اسلام میں تفرقہ پڑ جانے

کا ذکر جو علامہ سیوطی نے فرمایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دینی فرقہ بندی کی بنیاد خلفائے بنی عباس ہی کے زمانے میں پڑی ۔ یہاں تک کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ جو کلمہ اسلام ہے ، اس میں بھی بعض فرقوں نے ایک جملہ وعلی وصی رسول اللہ خلیفہ بلا فصل کا بڑھا ہی دیا ۔ حقیقت یہ ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد اگر دینی وحدت اور ملکی اجتماعیت باوجود منافقین عجم و ملاحدہ کی زبر دست سازشوں اور فتنہ انگیزیوں کے ایک حد تک باقی رہی تو خلافت بنی امیہ ہی کے زمانہ تک باقی رہی ، اسلامی فتوحات کا سلسلہ انھیں کے زمانے تک جاری رہا۔ بنی امیہ کی خلافت کیا گئی کہ اسلامی سادگی، جماعت کی اجتماعیت اور کلمہ اسلام کی وحدت سب گئی۔ اناللہ و انا الیہ راجعون۔

خیر یہ تو ایک ضمنی بات درمیان میں آگئی ۔ کہنا یہ تھا کہ محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس نے اپنے دو بیٹوں کا نام عبداللہ رکھا، اسی امید پر کہ ان میں سے جس کے بھی بیٹا ہو وہ اپنے بیٹے کا نام " محمد " رکھے تاکہ وقت آنے پر وہ ان حدیثوں کے مطابق مہدی ہونے کا دعویٰ کر سکے ۔ پہلے عباسی خلیفہ کا نام بھی عبداللہ بن علی بن عبداللہ بن عباس ہی تھا۔ سفاح اس کا لقب تھا۔ ۱۳۲ھ میں اس نے بنی امیہ کے آخری خلیفہ مروان الحمار کو قتل کر کے تخت خلافت پر تمکن حاصل کیا خراسانیوں ہی کی مدد سے ۔ ان کے بعد ان کے بھائی عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس نے عنان خلافت اپنے ہاتھ میں لی اور اپنا لقب " منصور " رکھا ۔ ابو داؤد کی آخری حدیث نمبر ۱۰ کو دیکھئے اور منصور نام کے ایک شخص کے آنے کی پیشن گوئی پر نظر ڈالئے ۔ اس منصور کے جب ۱۲۷ھ میں بیٹا ہوا تو اس نے اس کا نام " محمد " رکھا اور " مہدی " اس کا لقب مشہور کیا یا خود اس نے اپنی خلافت کے زمانے میں مہدی کا لقب اختیار کیا۔ اب دیکھئے اس کا نام محمد اس کے

باپ کا نام عبداللہ اور پھر اس عبداللہ کا لقب منصور اس محمد کا لقب مہدی ادھر کوفہ و بصرہ وغیرہ میں حدیثیں گھڑ گھڑ کر تقریباً ستائیس برس پہلے سے یا کم سے کم بیس برس پہلے سے مشہور کی گئیں تاکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی پیشن گوئی کب پوری ہوتی ہے ۔ لوگ اس کے منتظر رہیں، خراسانیوں کے لشکر کا سیاہ پرچموں کے ساتھ مشرق کی طرف سے آنا حدیثوں میں مذکور تھا ہی اس کو کر کے دکھا دیا گیا۔ اگرچہ اس کا ظہور پہلے ہی ہوگیا۔ مگر پیشن گوئی کی ہر بات پوری اتری ۔ اس لئے عامۃ مسلمین ان حدیثوں سے متاثر ہونے کی وجہ سے دعوت عباسیہ والوں کے اور پھر خلفائے بنی عباس کے ساتھ ہوگئے ۔ اور بنی امیہ کو فاحش شکست نصیب ہوئی ۔ یہ صرف شیعوں کا پروپگنڈہ ہے کہ بنی امیہ کے مظالم سے عامۃ المسلمین اس قدر تنگ آگئے تھے کہ سب لوگوں نے دعوت عباسیہ کا ساتھ دیا۔

مگر ملاحدہ عجم اور منافقین کو صرف بنی امیہ سے تو کوئی دشمنی تھی نہیں، وہ تو بنی امیہ کو تباہ کرنے کے لئے بنی عباس کے دوست ہوگئے تھے ۔ ورنہ وہ بنی عباس کے بھی ویسے ہی دشمن تھے ۔ جیسے بنی امیہ کے تھے ۔ مگر فوراً کوئی نیا فتنہ بنی عباس کے خلاف کھڑا نہیں کر سکتے تھے۔ پھر خلفائے بنی عباس بھی ان لوگوں کی چالوں سے ایک حد تک واقف ہوگئے تھے۔ اس لئے جہاں تک ان سے ہو سکا ملاحدہ وزنادقہ عجم کو قتل کرتے گئے۔ ابو مسلم خراسانی (جس نے خلافت عباسیہ قائم کی تھی) جب خلافت عباسیہ پوری طرح قائم ہوگئی تو پھر اس کو محسوس کیا کہ ایسے فتنہ پرداز شخص کا زندہ رہنا صحیح نہیں، خصوصاً جب دیکھا کہ پہلے بنی عباس کا ساتھ دے کر اس نے بنی امیہ کا استیصال کیا ۔ اب بنی فاطمہ کا ساتھ دے کر بنی عباس کے استیصال کا ارادہ رکھتا ہے ۔ اس لئے اس کو قتل ہی کرا دینا مناسب سمجھا۔

(ابو مسلم الخراسانی کا پورا نام عبدالرحمن بن مسلم تھا خلیفہ منصور عباسی
نے اس کو ۱۳۷ھ میں قتل کرا دیا) مگر منافقین عجم کے وہ طبقے جو محدثین
کے بھیس میں تھے، ان کو یہ کب گوارا تھا کہ ایک بنی عباس کا خلیفہ ان کی
بنائی ہوئی حدیثوں کی بدولت مہدی موعود بن کر سارے عالم اسلامی کا
متفق علیہ مہدی موعود بن جائے ۔ اس لئے جیسے ہی خلیفہ منصور عبداللہ
نے اپنے بیٹے کا محمد نام رکھا، انھوں نے دوسری حدیثیں گھڑنا شروع کیں اور
ان میں ایسی باتیں بیان کیں جو اس خلیفہ منصور عبداللہ کے بیٹے پر صادق
نہ آسکیں۔ اور اس کی شہرت ہر جگہ کرنے لگے کہ یہ آمد مہدی کا واقعہ
قیامت کے قریب ہوگا۔ انھیں کے سامنے حضرت عیسیٰ آسمان سے اتریں
گے، اور یہ ہوگا وہ ہوگا ۔(چنانچہ رفتہ رفتہ عام مسلمانوں کا خیال بدلتا گیا)
اور لوگ سمجھنے لگے کہ وہ مہدی موعود یہ خلیفہ مہدی نہیں ہے بلکہ وہ تو
قیامت کے قریب آئیں گے ۔ اور شیعوں نے یہ مشہور کیا کہ مہدی تو بنی
فاطمہ میں سے ہوں گے ۔ اسی لئے بعض حدیثوں میں منی او من اھل
بیتی کا لفظ رکھا گیا ۔ مگر بنی عباس کا دعویٰ ہوا کہ ہم لوگ بھی اس میں
شامل ہیں تو واضح لفظ من ولد فاطمہ کے ساتھ حدیثیں گھڑی گئیں ۔
جیسا کہ ابن ماجہ کی حدیث نمبر ۵ اور ابو داؤد کی حدیث نمبر ۳ میں ہے اور ابو
داؤد کی حدیث نمبر ۹ میں اور ابن ماجہ کی حدیث نمبر ۶ میں بھی اس کی
طرف اشارے ہیں۔ مہدی کے بنی فاطمہ میں سے ہونے کی حدیثوں سے
اور بھی یہ ثابت ہوگیا کہ وہ خلیفہ عباسی جو مہدی کے لقب سے مشہور ہے
وہ مہدی موعود نہیں ہے ۔ مگر دوسری صدی کے بعد شیعوں نے دیکھا کہ
یہ کہنا کہ مہدی موعود پیدا ہوں گے ۔ کچھ ٹھیک نہیں ۔ خدا جانے کتنے
مہدی موعود آئے دن پیدا ہوتے رہیں گے ۔ اس لئے انھوں نے تیسری
صدی کے اواخر میں یہ ظاہر کیا کہ امام مہدی موعود جو ہمارے بارھویں

امام ہیں وہ تو ۲۵۵ھ یا ۲۵۶ھ میں (جیسا کہ کلینی میں ہے) پیدا ہو چکے وہ
گیارہویں امام حسن عسکری کے صاحبزادے تھے ۔ جن کو دشمنوں کے خوف
سے برابر پوشیدہ رکھا گیا۔ پھر اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد غار
سر من رای میں وہ چھپ گئے۔ قیامت کے قریب ظاہر ہوں گے۔

غرض شیعہ حضرات اپنے عقیدے کی بنیاد پر اپنے امام غائب کے منتظر
بیٹھے ہیں۔ اور اہل سنت ان حدیثوں کی بناء پر نئے سرے سے ایک پیدا
ہونے والے مہدی موعود کے منتظر ہیں ۔ اور انھیں حدیثوں کی وجہ سے
کتنوں کو اس کا موقع ملا کہ وہ مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کر بیٹھے جن میں
سے ایک مرزا غلام احمد قادیانی بھی تھے ۔ مگر قدیم شیعوں نے جو حدیثیں
مہدی کے متعلق گھڑ گھڑ کر پھیلائی تھیں، تو وہ زمانہ مذہبی بٹوارے سے
قبل کا تھا اس لئے اجمالی مشترکہ کتابوں میں درج ہوتی رہیں۔ بٹوارے کے
بعد جب شیعوں نے اپنی کتابیں اہل سنت سے الگ کر لیں تو ان کا حصہ
رسدی جو اجمالی کتابوں میں رہ گیا تھا، وہ سب اہل سنت کے گلے پڑ گیا۔ اور
مہدی وغیرہ کی حدیثیں سب اہل سنت کی کہی جانے لگیں ۔ لیکن
جس طرح اور بعض اپنے حصے رسدی کی حدیثوں کو سنیوں کی کتابوں میں
دکھا دکھا کر شیعہ ناجائز فائدہ اٹھایا کرتے ہیں کہ دیکھو یہ سنیوں کی حدیث
ہے ۔ اس طرح مہدی کے متعلق زیادہ نہیں بولتے، کیونکہ سنیوں کی کتابوں
میں جو ان کی حدیثیں ہیں ان سے مہدی کا حسن بن علی کی اولاد سے ہونا
نکلتا ہے، اور ان کے امام غائب حسین بن علی کی اولاد سے کہے جاتے ہیں۔

اخر میں، میں پھر بھی عرض کرتا ہوں کہ جس دینی مسئلے کا ذکر قرآن
مبین میں نہ ہو، وہ کوئی دینی مسئلہ ہی نہیں ہے ۔ اس لئے جب نزول عیسیٰ
بن مریم علیہما السلام اور آمد مہدی یا ظہور مہدی کا ذکر قرآن مبین میں
اشارۃً یا کنایۃً بھی نہیں، تو پھر یہ وہی باتیں کسی مسلم حنیف کا دینی عقیدہ

نہیں ہو سکتیں ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو دین کی ساری باتیں بیان کر دینے ہی کے لئے اتارا ہے ۔ (سورہ نحل ۔ رکوع ۱۲) اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کسی طرح کی کوئی کمی نہیں چھوڑی ہے ۔ (سورہ انعام ۴ ۔)

وکفی باللہ شہیدا

بابِ دوئم

نظریۂ مہدی

امام مہدی ان کی نسبت لوگوں کے خیالات اور مہدویت کی اصل حقیقت

(از) ابن خلدون

صدیوں سے مسلمانوں میں یہ بات بہت مشہور چلی آرہی ہے کہ آخر زمانہ میں اہل بیت سے ایک ایسا شخص پیدا ہوگا جو دین الٰہی کو دنیا میں قائم کرے گا، عدل انصاف کو پھیلائے گا، مسلمان اس کی ہمرکابی اختیار کریں گے، اور وہ تمام ممالک اسلامی پر چھا جائے گا۔ اس شخص کا نام مہدی ہوگا۔ پھر ان کے بعد دجال آئے گا اور قیامت کی دوسری نشانیاں ظاہر ہوں گی، جیسا کہ احادیث صحیح میں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُتریں گے اور دجال کو قتل کریں گے، یا یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی حضرت مہدی کے ساتھ ساتھ نزول فرمائیں گے اور دجال کو ایک دوسرے کی مدد سے قتل کریں گے عیسیٰ علیہ السلام نماز میں امام مہدی کی اقتدا کریں گے۔ ان تمام عقائد میں مسلمان ان احادیث سے حجت لاتے ہیں جن کو ائمہ حدیث نقل کرتے ہیں۔ اور جو اس کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں، وہ ان احادیث میں کلام کرتے ہیں، اور بعض اخبار و احادیث اس کی مخالفت میں بیان کرتے ہیں۔ پچھلے زمانہ کے صوفیائے کرام امام مہدی کے خروج کو دوسرے طریق سے حل کرتے ہیں، اور ان کے استدلال کا طریقہ اور ہی ہے۔ وہ اس میں کشف سے کام لیتے ہیں۔ جو ان کے طریقہ کی اصل ہے۔

اب ہم ان احادیث کو بیان کرتے ہیں جو اس سلسلہ میں وارد ہیں۔ اور منکرین کے اُن پر جو اعتراضات ہیں، وہ بھی ہم عرض بیان میں لائیں گے۔ پھر ساتھ ساتھ

صوفیائے کرام کے خیالات کا ذکر بھی آپ کے سامنے کریں گے۔ تاکہ اس مسئلہ کی صحیح حقیقت آپ کے سامنے آجائے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ بہت سے ائمہ حدیث نے امام مہدی کے بارے میں احادیث نقل کی ہیں۔ مثلاً ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، حاکم، طبرانی، ابویعلی الموصلی وغیرہ۔ ان ائمہ نے متعدد صحابہ سے ان احادیث کی روایت کی ہے۔ مثلاً حضرات علی۔ ابن عباس، ابن عمر، طلحہ، ابن مسعود، ابی ہریرہ، انس، ابی سعید الخدری، ام حبیبہ، ام سلمہ، ثوبان، قرہ بن ایاس، علی الہلالی اور عبداللہ بن الحارث، ابن جزءؓ۔ ان احادیث کی اسانید پر مخالفین کو اعتراض ہے۔ جیسا کہ آگے چل کر اس کا بیان آتا ہے۔ یہ اصول اہل حدیث کے نزدیک چونکہ مسلّم ہے اور ان میں مشہور بھی کہ جرح تعدیل پر مقدم ہوا کرتی ہے۔ اس لئے اگر ان احادیث کی سند میں کسی راوی کو ضعیف ٹھہرایا جائے یا اس کے حافظہ اور رائے میں سقم نکالا جائے یا اس کو غفلت سے متہم کیا جائے تو خود حدیث درجۂ صحت سے گرتی ہے اور اعتبار سے ساقط ہوجاتی ہے۔

بقول سہیلی ابوبکر بن ابی خیثمہ نے امام مہدی کے بارے میں احادیث جمع کرنے میں نہایت استیعاب سے کام لیا ہے۔ سہیلی نے کہا ہے کہ بروئے سند سب سے غریب حدیث وہ ہے جس کی روایت ابوبکر الاسکاف نے فوائد اخبار میں بہ سند مالک بن انس عن محمد بن المنکدر عن جابر کی ہے۔ مضمون اس کا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مہدی کی تکذیب کی وہ کافر ہے۔ اور جس نے دجال کو نہ مانا وہ جھوٹا ہے۔ اور جہاں تک میرا خیال ہے آفتاب کے مغرب سے طلوع ہونے کے بارے میں بھی ایسا ہی کہا۔ پس اب آپ خود سمجھ لیجئے کہ اس میں کس قدر مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ مالک بن انس تک اس حدیث کا طریق سند کہاں تک صحیح ہے۔ بہر حال ابوبکر الاسکاف اہل حدیث کے نزدیک متہم ہے اور وضاع بھی مانا گیا ہے۔ یعنی یہ حدیث گھڑ لیا کرتا تھا۔

ترمذی اپنی سند سے عاصم بن ابی النجودؒ (جو قراء سبعہ میں سے ہیں) اور زر بن حبیش کے طریق سے حضرت عبداللہ بن مسعود سے مہدی کی حدیث لائے ہیں۔ ابوداؤد بھی اسی حدیث کو بدیں الفاظ لائے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَوْ لَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا يَوْمٌ لَطَوَّلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ الْيَوْمَ حَتّٰى يَبْعَثَ اللّٰهُ فِيْهِ رَجُلًا مِنِّيْ أَوْ مِنْ أَهْلِ بَيْتِيْ يُوَاطِئُ اِسْمُهٗ اِسْمِيْ وَاسْمُ أَبِيْهِ اِسْمَ أَبِيْ (کہ اگر دنیا کے ختم ہونے میں ایک ہی دن رہ جائے تو اس کو بھی اللہ تعالٰے دراز کردے گا یہاں تک کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کو پیدا کرے گا وہ میرا ہم نام ہوگا اور اس کا باپ میرے والد کا ہم نام) یہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں اور انھوں نے اس پر سکوت کیا ہے۔ وہ اپنے مشہور رسالہ میں لکھتے ہیں کہ جس حدیث پر سکوت کیا گیا ہے (یعنی اس کی صحت و عدم صحت کی حالت نہیں کھولی گئی) تو وہ حدیث حسن ضرور ہے۔ ترمذی کے الفاظ یوں ہیں لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتّٰى يَمْلِكَ الْعَرَبَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِيْ يُوَاطِئُ اِسْمُهٗ اِسْمِيْ (دنیا ختم ہی نہیں ہوگی جب تک کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص عرب کا مالک نہیں ہوجائے گا' اور وہ میرا ہم نام ہوگا) ایک روایت میں بجائے "يَمْلِكَ" کے "يَلِيَ" ہے۔ دونوں حدیثیں حسن صحیح ہیں۔ ترمذی نے اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہؓ سے موقوف بھی نقل کیا ہے۔ حاکم کہتے ہیں کہ اس حدیث کو ثوری، شعبہ، زائدہ اور دوسرے ائمہ مسلمین نے عاصم سے روایت کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ جن طریقوں میں عاصم نے زر سے اور زر نے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روایت کی ہے' وہ سب کے سب صحیح ہیں۔ کیونکہ حضرت عاصم کو قابل صحت مانا گیا ہے۔ اور کیوں نہ ہو جب کہ عاصم کا شمار ائمۂ مسلمین میں سے ہے۔ لیکن امام احمد بن حنبل نے عاصم کے بارے میں کہا ہے کہ وہ ایک نیک، صالح، قاری قرآن، بھلا، ثقہ آدمی تھا۔ مگر اعمش حافظہ میں اس سے زیادہ بہتر ہے۔ شعبہ نے اس کی حدیث کے لحاظ سے اعمش کی حدیث کو زیادہ اعتبار دیا ہے۔ عجلی نے کہا ہے کہ عاصم کی روایت زر سے اور ابی وائل سے ضعیف ہے۔

محمد بن سعد نے کہا ہے کہ عاصم گو ثقہ تھا۔ مگر اس کی حدیثیں خطا و سہو سے پُر ہیں
یعقوب بن سفیان نے کہا کہ اس کی حدیث میں اضطراب ہے۔ عبدالرحمٰن بن
ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے کہا کہ ابوزرعہ کا قول ہے کہ عاصم ثقہ ہے
انھوں نے جواب دیا کہ اس کو یہ درجہ کہاں نصیب، اس میں تو ابن عُلیۃؒ نے
کلام کیا ہے، اور کہا ہے کہ جتنے بھی عاصم ہوئے ہیں وہ کمزور حافظہ کے ہوئے
ہیں۔ ابو حاتم کا قول ہے کہ میں عاصم کو راست باز جانتا ہوں اور اس کی حدیث
قابلِ قبول ہے مگر وہ حُفّاظِ حدیث میں سے نہیں ہے۔ نسائی کا قول اس کے
بارے میں مختلف ہے۔ ابن حراش نے کہا ہے کہ اس کی حدیث کچھ ٹھکانے کی نہیں
ابوجعفر العقیلی کی رائے یہ ہے کہ اس میں سوائے حافظہ کی کمزوری کے اور کوئی عیب
نہیں۔ دارقطنی نے کہا ہے کہ اس کے حافظہ میں کھوٹ ہے۔ یحییٰ بن القطان کا قول
ہے کہ میں نے جس کو بھی عاصم نامی پایا اس کو خراب حافظہ کا دیکھا انہوں نے
یہ بھی کہا کہ میں نے شعبہ کو یہ کہتے سُنا کہ حدیث بیان کی ہم سے عاصم بن ابی النجود
نے۔ لیکن لوگوں کے خیالات اس کی نسبت کچھ اچھے نہیں۔ ذہبی نے کہا کہ عاصم
کی قراءت مسلّم ہے، اور وہ حسن الحدیث ہے۔ اگر کوئی اس کے قابلِ اعتبار ہونے
پر حجت لائے کہ شیخین نے بھی تو اس سے حدیث لی ہے اس لئے وہ یقیناً قابلِ
اعتبار ہوا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شیخین تن تنہا اس کی حدیث نہیں لائے ہیں،
بلکہ جب اور راویوں سے حدیث کی تصدیق ہوگئی تب کہیں عاصم سے روایت
کی ہے۔ ابوداؤد حضرت علیؓ سے روایت لائے ہیں اور طریقِ سندیوں ہے کہ
فِطر بن خلیفہؒ نے قاسم بن ابی مُرّہ سے روایت کی اور انھوں نے ابی الطفیل سے
اور انھوں نے حضرت علیؓ سے اور انھوں نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے کہ اگر زمانہ ختم ہونے میں صرف ایک ہی دن رہے گا تو بھی اللہ میرے اہل بیت
میں سے ایک شخص کو پیدا فرمائے گا جو دنیا کو عدل و انصاف سے ایسا بھر دے گا

جیسا کہ وہ اس سے پہلے ظلم و ستم سے بھر گئی ہوگی اس میں فِطر بن خلیفہ کی گو احمد
یحییٰ بن القطان۔ ابن معین۔ نسائی وغیرہم نے توثیق کی ہے، مگر عجلی نے کہا ہے
کہ اس کی حدیث ٹھیک ہے۔ البتہ شیعیت کی طرف مائل ہے۔ ابن معین نے
ایک مرتبہ کہا کہ وہ ثقہ ہے اور شیعہ بھی۔ احمد بن عبداللہ ابن یونس کا قول ہے
کہ ہم فِطر سے حدیث روایت نہیں کیا کرتے بلکہ بالکل بے اعتبار سمجھ کر چھوڑ دیا کرتے
ایک دفعہ کہا کہ ہم اس کے پاس سے گذرتے اور کتے کی طرح اس کو چھوڑ جاتے۔
دارقطنی نے کہا کہ اس کی حدیث سے حجت نہیں لائی جاتی۔ ابوبکر بن عیاش نے
کہا کہ میں نے صرف اس کے بدمذہب ہونے کی وجہ سے اس سے روایت لینا
ترک کر دیا۔ جُرجانی نے کہا ہے کہ وہ بھٹکا ہوا ہے اور ثقہ نہیں۔

ابوداؤد مروان بن المغیرہ سے روایت کرتے ہیں وہ عمر بن ابی قیس سے
وہ شعیب بن ابی خالد سے اور وہ ابی اسحٰق السّبیعی سے کہ فرمایا حضرت علیؓ نے اپنے
صاحبزادہ حسن رضؓ سے کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
اس کو سید کہا ہے۔ اس کی نسل میں سے ایک شخص پیدا ہوگا جو تمھارے نبیؐ کے
ہم نام ہوگا۔ صورت میں مخالف اور سیرت میں ان سے ملتا ہوا ہوگا۔ یہ روئے
زمین کو انصاف سے بھر دے گا۔ ہارون نے کہا کہ حدیث بیان کی ہم سے عمر بن
ابی قیس نے انھوں نے مُطرّف ابن طریف سے۔ انھوں نے ابی الحسن سے، انھوں
نے ہلال بن عمر سے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت علیؓ کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ فرمایا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ماوراء النہر سے ایک شخص حُرث نامی ظاہر ہوگا
جس کے مقدمۃ الجیش میں منصور ہوگا۔ یہ آلِ محمدؐ کی سلطنت قائم کرے گا جس طرح
قریش نے میری تقویت کی۔ جس وقت یہ شخص ظہور کرے تمام مسلمانوں پر اس کی
مدد و نصرت واجب ہے۔ ابوداؤد نے یہاں تو سکوت کیا ہے مگر دوسری جگہ
کہا ہے کہ ہارون ایک شیعہ بچہ ہے۔ سُلیمانی نے کہا کہ اس کی ثقاہت غور طلب
ہے۔ ابوداؤد نے عمر بن ابی قیس کے بارے میں کہا کہ اس کی حدیث میں خطا ہے۔

ذہبی کا قول ہے کہ وہ ایک وہمی آدمی تھا' اپنے وہموں کو سچ جانتا تھا۔ ابو اسحٰق الشیبی
سے گو شیخین روایت لائے ہیں مگر آخر میں اس کو اختلاط ہو گیا تھا۔ اور جو روایتیں
اس نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہیں' ان کا سلسلہ منقطع ہے۔ یہی حال ابوداؤد
کی اس روایت کا ہے جو ہارون بن المغیرہ نقل کی گئی ہے۔ اب رہی دوسری سند
تو اس میں ابوالحسن اور ہلال بن عمرو دونوں مجہول ہیں۔ ابوالحسن کا پتہ سوائے
مُطرِّف بن طریف کی روایت کے اور کہیں نہیں چلتا۔ ابوداؤد نے ام سلمہؓ
سے بھی روایت کی ہے اور حاکم نے مستدرک میں علی بن نفیل سے روایت
کی ہے۔ انھوں نے سعید بن المُسیّب سے اور انھوں نے ام سلمہؓ سے کہ کہتی
ہیں میں نے سُنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے کہ مہدی حضرت
فاطمہؓ کی اولاد میں سے ہوں گے۔ حاکم کے الفاظ یوں ہیں کہ مہدی کا ذکر
چھیڑتے ہوئے میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ
مہدی کا آنا بالکل حق ہے' اور وہ فاطمہؓ کی اولاد میں سے ہوں گے۔ حاکم
نے حدیث کی صحت و عدم صحت پر کوئی خیال آرائی نہیں کی۔ ابوجعفر العقیلی
نے اس کی تضعیف کی ہے اور کہا ہے کہ علی بن نفیل کی کوئی متابعت نہیں کرتا
اور اسی حدیث سے اس کا تعارف ہوا ہے۔ ابوداؤد ام سلمہؓ سے ایک اور
طریق سے حدیث نقل کرتے ہیں جس میں صالح بن الخلیل اپنے ساتھی سے روایت
کرتے ہیں اور وہ ام سلمہؓ سے، وہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ
وسلم کو یہ کہتے سُنا کہ ایک خلیفہ کی موت کے وقت خلافت کے بارے میں
جھگڑا پڑے گا۔ تو ایک شخص مدینہ سے بھاگ کھڑا ہوگا اور مکہ میں جا کر دم
لے گا۔ وہاں اہل شہر جمع ہو کر رکن اور مقام کے درمیان اس سے بیعت کرلیں گے
حالانکہ وہ اس پر راضی نہ ہوگا۔ پھر شام کی طرف اس کے خلاف فوج کشی
ہوگی۔ مگر وہ فوج مکہ و مدینہ کے درمیان آکر جنگل میں کہیں دھنس جائے گی
جب لوگ اس عجیب امر کو ملاحظہ کریں گے تو شام و عراق سے لوگ جوق در جوق

آکر اس سے بیعت کریں گے۔ پھر قریش میں سے ایک شخص بنی کلب کا بھانجا
اٹھ کھڑا ہوگا جو کلب پر فوج بھیج کر ان پر غالب آجائے گا۔ اور وہ شخص بڑا
بدنصیب ہوگا جو اس لشکر میں شریک ہو کر کلب کو نہ لوٹے گا۔ پھر حاصل کردہ
مال کو یہ شخص اپنے متبعین میں تقسیم کرے گا' اور سنت نبوی کو زندہ کر کے عام
لوگوں سے اس پر عمل کرائے گا۔ تمام روئے زمین پر اسلام پھیل جائے گا اور
سات یا نو برس تک یہی حال رہے گا۔ اسی روایت کو ابوداؤد نے ابی الخلیل
عن عبداللہ بن الحارث عن ام سلمہؓ سے بھی روایت کیا ہے، جس سے پہلی
حدیث کی اسناد میں جو ابہام تھا وہ رفع ہو جاتا ہے۔ اس کے راوی صحیحین کے
راوی ہیں جو طعن و قدح سے بری ہیں۔ کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث ابی الخلیل
سے بواسطہ قتادہ پہنچی ہے اور قتادہ مُدلس ہے جس نے حدیث کو مُعنعَن
کر دیا ہے۔ اور مُدلس کی حدیث قابل قبول نہیں جب تک کہ اس میں سماعت
کی صراحت نہ ہو۔ پھر یہ بھی ہے کہ حدیث میں مہدی کے نام کی کہیں صراحت
نہیں ابوداؤد نے محض باب مہدی میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ابوداؤد نے ابی سعید
خدریؓ سے بھی اس کی روایت کی ہے بدیں طریق کہ عمران القطان قتادہ سے روایت
کرتے ہیں وہ ابی بصرہ سے اور وہ ابی سعید الخدریؓ سے۔ حاکم نے بھی اس کی متابعت
کی ہے۔ مضمون حدیث کا اس طرح ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
کہ مہدی میری اولاد میں سے ہوں گے۔ پیشانی ان کی کشادہ اور ناک بلند ہوگی
زمین کو عدل و انصاف سے ایسا بھر دیں گے جس طرح وہ ظلم و ستم سے کبھی بھری ہوگی
سات سال تک ان کی سلطنت رہے گی۔ ابوداؤد یہ حدیث نقل کر کے صحت
و عدم صحت حدیث سے سکوت کرتے ہیں۔ حاکم کی حدیث میں بھی قریب یہی الفاظ
ہیں۔ حاکم نے اس کو بشرط مسلم صحیح مانا ہے۔ اگرچہ شیخین نے اس کی تخریج نہیں
کی ہے۔ عمران القطان کو حجت ماننے میں اختلاف ہے۔ امام بخاری نے اس کی
حدیث لی ہے مگر دوسروں کی شہادت سے۔ یحییٰ القطان اس سے حدیث نہیں لیا

کرتے یحیٰی بن معین نے کہا کہ اس کی حدیث قوی نہیں ہے۔ ایک جگہ کہا ہے کہ اس کی حدیث کچھ نہیں۔ احمد بن حنبل رح کہتے ہیں کہ میرے خیال میں یہ شخص حدیث کی صلاحیت رکھتا ہے، یزید بن زریع نے کہا کہ وہ حروری (خارجی) تھا اور اہلِ قبلہ کے قتل کو جائز جانتا تھا، نسائی نے اس کو ضعیف بتایا ہے۔ ابوعبیدالآجری کا قول ہے کہ میں نے ابوداؤد سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو وہ کہنے لگے کہ وہ حسن الحدیث ہے اور میں نے تو اس کی کوئی ع ق نہیں سُنی۔ مگر ایک دوسری مرتبہ انہیں کو ضعیف بتاتے ہوئے بھی سُنا' اور یہ کہتے کہ ابراہیم بن عبداللہ بن حسن کے بارے میں اس نے ایسا فتوٰی دیا جس سے خونریزی تک ہوگئی۔

ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم ابی سعید الخدری رض سے روایت لائے ہیں، سلسلۂ سلسلۂ روایت یہ ہے کہ زید العمی روایت کرتے ہیں ابی صدیق الناجی سے اور وہ ابی سعید الخدری رض سے کہ انھوں نے کہا کہ ہم کو خوف لاحق ہوا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی حادثات پیش آئیں۔ اس لئے آپ سے آئندہ کے واقعات دریافت کئے۔ آپ نے فرمایا کہ میری امت میں امام مہدی پیدا ہونگے جن کی حکومت کی مدت پانچ، سات یا نو سال کی ہوگی۔ مدت میں شک زید کو پڑا ہے اُن کے پاس ایک شخص آکر کہے گا کہ مجھ کو کچھ دیجئے۔ وہ اس کو کپڑے میں اس قدر مال بھر کر دیں گے جس قدر وہ اٹھا سکے گا۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ پھر کئی طرق سے ابی سعید الخدری رض سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ آپ نے فرمایا میری امت میں مہدی ظاہر ہوں گے جو کم از کم سات برس اور زیادہ سے زیادہ نو برس حکومت کریں گے۔ ان کے زمانہ میں میری امت وہ خوش حالی دیکھے گی جو اس نے کبھی نہ دیکھی ہوگی نہ سُنی ہوگی۔ زمین پیداوار کو اُگلے گی۔ اور کسی چیز کا بھی ذخیرہ نہیں رکھا جائے گا۔ مال کے اس زمانہ میں ڈھیر کے ڈھیر لگے پڑے ہوں گے۔ ایک شخص کھڑا ہو کر کہے گا کہ اے مہدی مجھے دیجئے اور وہ اس سے کہیں گے لو یہ زید العمی جو سلسلہ روایت میں واقع ہے۔ اگرچہ دارقطنی

احمد بن حنبل اور یحیٰی بن معین نے اس کو صالح بتایا ہے اور احمد نے تو یہ اور بھی کہا کہ اس کا مرتبہ یزید الرقاشی اور فضل بن عیسیٰ سے بلند ہے مگر ابوحاتم نے اس کو ضعیف بتایا ہے، اس کی حدیث لکھتے ہیں مگر اس کو قابلِ حجت نہیں ٹھہراتے۔ یحیٰی بن معین نے ایک دوسری روایت میں اس کو بے حقیقت بتایا ہے اور ایک دفعہ کہا ہے کہ اس کی حدیث گو لکھی جاتی ہے مگر وہ ضعیف ہے۔ ابوزرعہ نے کہا کہ وہ قوی نہیں، واہی الحدیث ہے اور ضعیف۔ ابوحاتم نے کہا کہ وہ کچھ نہیں ہے، اگرچہ وہ خود اس سے حدیث لیتے ہیں۔ نسائی نے کہا کہ وہ ضعیف ہے، ابن عدی نے کہا کہ اس کی روایت کردہ زیادہ تر حدیثیں ضعیف ہیں۔ اور جن سے وہ نقل ہوئی ہیں وہ بھی ضعیف ہیں۔ شعبہ نے اس سے روایت لی ہے مگر اس سے زیادہ کسی ضعیف سے روایت نہیں لی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ترمذی کی حدیث دراصل حدیث مسلم کی تفسیر ہے جو وہ حضرت جابر رض سے مرفوع روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ میری امت کے آخر میں مہدی ظہور کریں گے، وہ مال کو ایسا لُٹائیں گے کہ گویا مال ان کی نظر میں بے حقیقت شئے ہے۔ اور یہ مسلم ہی ابی سعید الخدری رض سے بدیں معنی حدیث لائے ہیں کہ تمہارے خلفاء میں ایک خلیفہ ایسا ہوگا جو مال کو بے دردی سے لٹائے گا اور اس کو مال نہیں سمجھے گا۔ پھر ایک دوسرے طرق سے حدیث لائے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ آخر زمانہ میں ایک خلیفہ ہوگا جو مال تقسیم کرے گا اور اس کو کچھ بھی اہمیت نہیں دے گا۔ مگر مسلم کی احادیث میں نہ مہدی کا حدیث میں نام ہے، نہ کوئی ایسی دلیل ہے کہ یہاں وہی مراد ہوں۔ حاکم عوف الاعرابی کے طرق سے روایت کرتے ہیں وہ ابی الصدیق الناجی سے وہ ابی سعید الخدری رض سے کہ انھوں نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جب تک زمین ظلم وستم وتشدد سے بھر نہ جائے، قیامت نہیں آئے گی۔ پھر میرے اہل بیت میں سے ایک شخص پیدا ہوگا جو روئے زمین کو انصاف وعدل سے بھر دے گا جس طرح وہ پہلے

ظلم وستم سے بھری ہوگی۔ حاکم نے کہا کہ یہ حدیث شرطِ شیخین پر صحیح ہے، اگرچہ انھوں نے اس کی خود روایت نہیں کی ہے۔ پھر حاکم ابی سعید الخدریؓ سے روایت کرتے ہیں اس طریق سے کہ سلیمان بن عُبید روایت کرتے ہیں ابی صدیق الناجی سے اور وہ ابی سعید الخدریؓ سے، وہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ آخر امت میں مہدی ظہور کریں گے۔ آسمان بہت بارش برسائے گا۔ زمین بہت پیداوار پیدا کرے گی۔ امام مہدی بڑے بڑے برتن بھر کر دولت بانٹیں گے، مویشیوں کی کثرت ہوگی، آبادی بڑھ جائے گی۔ مگر امام مہدی صرف سات یا آٹھ ہی سال حکومت کر پائیں گے۔ حاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے مگر شیخین اس کو نہیں لائے ہیں۔ اس میں سلیمان بن عبید جو راوی ہیں۔ ان سے اصحابِ ستہ میں سے کسی نے بھی روایت نہیں لی ہے۔ لیکن ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے اور ان کے بارے میں کسی کا اختلاف نقل نہیں کیا۔ پھر حاکم یہی حدیث ابی سعید الخدریؓ سے روایت کرتے ہیں۔ سلسلۂ سند یوں ہے کہ اسد بن موسیٰ روایت کرتے ہیں حماد بن سلمہ سے، اور وہ مطر الوراق اور ابی ہارون العبدی سے اور وہ ابی الصدیق الناجی سے اور وہ ابی سعید الخدریؓ سے۔ وہ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ زمین ظلم وستم سے پُر ہو جائے گی۔ پھر میرے خاندان اور نسل سے ایک شخص ظاہر ہوگا جو سات یا نو برس حکومت کرے گا، اور اس مدت میں وہ زمین کو انصاف وعدل سے ایسا بھر دے گا جس طرح وہ اس سے پہلے ظلم وستم سے بھری ہوگی۔ حاکم نے کہا کہ یہ حدیث شرطِ مسلم پر صحیح ہے۔ کیونکہ حماد بن سلمہ اور اس کے شیخ مطر الوراق سے تو مسلم بھی روایتیں لائے ہیں۔ اب رہا حماد کا دوسرا شیخ ابو ہارون العبدی تو اس سے البتہ امام مسلم روایت نہیں لائے ہیں، وہ بہت ضعیف ہے، اور اس پر جھوٹ کا بھی الزام لگایا گیا ہے۔ غرض ان کے ضعیف ہونے کے متعلق ائمہ کے جو اقوال ہیں ان کے بیان کی یہاں چنداں ضرورت نہیں۔ اسد بن موسیٰ جو حماد سے روایت

کرتا ہے۔ اس کا لقب اسدُ السُنّۃ ہے۔ بخاری نے اس کو مشہور الحدیث مانا ہے اور اپنی کتاب صحیح میں اس سے استشہاد کیا ہے۔ ابو داؤد اور نسائی اس سے حجت لائے ہیں۔ لیکن ایک مرتبہ یہ بھی کہا ہے کہ ثقہ تو ہے لیکن اگر کتاب نہ لکھتا تو اچھا ہوتا۔ محمد بن حزم نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہے۔

طبرانی معجم اوسط میں ابی الواصل عبد الحمید بن واصل سے روایت لائے ہیں اور وہ روایت کرتا ہے الصدیق الناجی سے وہ حسن بن یزید السعدی سے وہ ابی سعید الخدری سے کہ انھوں نے کہا کہ سُنا میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے کہ میری امت میں سے ایک شخص نکلے گا جو میری سنت کو زندہ کرے گا۔ آسمان دل کھول کر پانی برسائے گا۔ زمین ہر طرف خیر و برکت پھیلائے گی۔ اور اس شخص کی بدولت ہر طرف انصاف وعدل کا دور دورہ ہو گا۔ جس طرح اس سے پہلے ظلم وستم کا راج پاٹ تھا۔ یہ بابرکت شخص سات سال تک اس امت پر حکمرانی کرے گا، اور بیت المقدس میں پہنچے گا۔ طبرانی کہتے ہیں کہ ایک جماعت نے اس حدیث کی روایت ابی الصدیق کی ہے اور کسی نے اس کے اور ابی سعید کے درمیان کسی راوی کا نام نہیں لیا ہے۔ صرف ابی الواصل نے ان ہر دو کے بیچ میں حسن بن یزید کا بھی اضافہ کیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے اسی حسن بن یزید کا ذکر چھیڑا ہے مگر اس سے زیادہ کچھ بیان نہیں کیا کہ اس نے ابی سعید الخدریؓ سے روایت کی ہے اور اس سے ابی الصدیق الناجی نے۔ ذہبی نے کہا ہے کہ وہ مجہول ہے مگر ابن حبان نے اس کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ رہا ابی الواصل، جس نے الصدیق سے روایت کی ہے تو اصحاب ستہ میں سے کوئی بھی اس سے روایت نہیں لایا ہے۔ ابن حبان نے اس کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ اور طبقہ ثانیہ میں۔ اور کہا ہے کہ یہی حدیث حضرت انسؓ سے بھی مروی ہے۔ اور اس کی روایت شعبہ و عتاب بن بُشر کے واسطے سے ہے۔ ابن ماجہ کتاب السنن میں

عبداللہ بن مسعودؓ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ سلسلہ سند اس طرح ہے کہ یزید بن ابی زیاد ابراہیم سے روایت کرتے ہیں، وہ علقمہ سے، وہ حضرت عبداللہؓ سے، انھوں نے کہا ہم کہ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ بنی ہاشم کے نوجوانوں کی ایک جماعت نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔ جوں ہی آپ نے ان کو دیکھا آپ آبدیدہ ہوئے اور آپ کے چہرہ مبارک کا رنگ دگرگوں ہوگیا کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا، یارسول اللہ خیر ہے؟ ہم نے ملال کے ایسے آثار چہرے پر کبھی نہیں دیکھے۔ آپؐ نے جواب میں فرمایا کہ ہمارے گھرانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے دنیا کی جگہ آخرت پسند فرمائی ہے اور میرے بعد میرے اہل بیت سخت بلا و مصیبت کے سکار ہوں گے، بھگائے اور نکالے جائیں گے۔ یہاں تک کہ مشرق سے ایک قوم کالے جھنڈے لئے ہوئے اٹھے گی، اس سے وہ امان چاہیں گے مگر وہ نہیں دیں گے، آخر میدان کارزار گرم ہوکر خوب کشت و خون ہوگا۔ انجام کار حکومت میرے اہل بیت کے ایک شخص کو ملے گی جو دنیا میں عدل و انصاف پھیلائے گا اور ظلم و ستم کو صفحۂ ہستی سے مٹائے گا (پھر آپ نے فرمایا) اگر تم میں سے کوئی وہ زمانہ پائے تو میرے اہل بیت کا ساتھ دے اور خود کو کسی صورت سے ان تک پہنچائے، چاہے برف پر گھسٹ کر ہی کیوں نہ جائے۔ محدثین کے نزدیک یہ حدیثِ رایات کے نام سے مشہور ہے۔ اس حدیث کے راوی یزید بن ابی زیاد کے بارے میں شعبہ نے کہا ہے کہ وہ حدیثوں کو مرفوع کردیا کرتا تھا۔ یعنی سلسلہ روایات نبی صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیا کرتا تھا۔ محمد بن الفضیل کہتے ہیں کہ وہ شیعوں کا سرغنہ تھا۔ احمد بن حنبلؒ کی رائے ہے کہ وہ حافظ حدیث نہ تھا۔ ایک دفعہ انھوں نے کہا کہ اس کی حدیث زیادہ اچھی نہیں۔ یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ وہ ضعیف ہے۔ عجلی کی تحقیق ہے کہ وہ جائز الحدیث ہے۔ آخر میں وہ حدیث کی تلقین کرنے لگا تھا۔ ابوزرعہ کا کہنا ہے کہ اس کی حدیث میں کمزوری ہے۔ وہ اس کی حدیث لکھتے تو تھے مگر

قابل حجت نہیں جانتے۔ ابو حاتم نے کہا کہ وہ قوی نہیں۔ جرجانی کا قول ہے کہ محدثین اس کی حدیث کو ضعیف ٹھہراتے ہیں۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو اس کی حدیث چھوڑتے ہوئے نہیں پایا۔ لیکن میرے نزدیک دوسرے اس سے اچھے ہیں۔ ابن عدی کا قول ہے کہ وہ کوفہ کے شیعوں میں سے ہے اور باوجود اس کے ضعیف ماننے کے اس کی حدیث لکھا کرتے۔ مسلم نے بھی اس کی روایتوں کو لیا ہے لیکن دوسروں کی سند سے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ اکثر محدثین کے نزدیک وہ ضعیف ہے۔ بلکہ بعض ائمہ نے تو حدیثِ رایات کی بالتصریح تضعیف کی ہے۔ وکیع بن الجراح نے کہا ہے کہ یہ حدیث کچھ بھی قابلِ اعتبار نہیں۔ احمد بن حنبلؒ نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔ ابو قدامہ نے کہا ہے کہ میں نے ابواسامہ کو یہ کہتے سنا کہ اگر کوئی حدیثِ رایات کی صحت پر ہزار قسمیں بھی کھائے، میں اس پر یقین نہیں کروں گا۔ پھر کہا کہ ابراہیم، علقمہ اور عبداللہؓ کا کیا یہی خیال تھا؟ عقیلی اس حدیث کو ضعیف حدیثوں میں شمار کرتے ہیں۔ ذہبی نے کہا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

ابن ماجہ حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں بدیں طریق کہ یٰسین العجلی ابراہیم بن محمد بن الحنفیہ سے روایت کرتا ہے، وہ اپنے باپ سے، وہ حضرت علیؓ سے، وہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مہدی میرے اہل بیت میں سے ہوں گے، ان کے ذریعہ اللہ تعالےٰ ایک ہی شب میں دنیا کی اصلاح کرے گا۔ یاسین العجلی کے بارے میں ابن معین نے گو کہا ہے کہ اس میں چنداں نقص نہیں، لیکن بخاری کہتے ہیں کہ اس میں نظر ہے۔ اور وہ یہ الفاظ اس کے بارے میں کہتے ہیں جس میں بہت ضعف پاتے ہیں۔ ابن عدی کامل میں، ذہبی میزان میں اس حدیث سے انکار کرتے ہیں، اور کہا ہے کہ یاسین اسی حدیث سے مشہور ہے۔ طبرانی اپنی معجم اوسط میں حضرت علیؓ سے بدیں معنی روایت لائے ہیں کہ علیؓ آنحضرتؐ سے دریافت کرتے ہیں یارسول اللہ! مہدی ہمارے خاندان میں سے ہوں گے یا کسی اور خاندان سے۔ آپ نے فرمایا وہ ہمارے ہی خاندان سے ہوں گے۔ جس طرح

اللہ تعالیٰ نے دین کی ابتدا ہمارے خاندان سے کی اسی طرح اس کا اختتام بھی ہمارے ہی خاندان سے کا، ہماری ہی بدولت اللہ تعالیٰ لوگوں کو کفر کی گندگی سے بچائے گا ہمارے ہی طفیل ایک دوسرے کے کھلے دشمن ہونے کے باوجود ان کے دل سے دل مل جائیں گے۔ جس طرح شروع میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے ذریعہ مشرکانہ عداوت سے ان کو نکال کر ان کے دلوں کو آپس میں جوڑ دیا۔ پھر حضرت علیؓ نے سوال کیا کہ مہدی کو مؤمنین سے سابقہ پڑے گا یا کافروں سے، آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ فتنہ انگیز اور کافر ہوں گے۔ اس طریق سند میں عبداللہ بن لہیعہ واقع ہوا ہے جو مشہور ضعیف راوی ہے، اور اسی میں عمر بن جابر الحضرمی بھی آگیا ہے جو ابنِ لہیعہ سے بھی زیادہ ضعیف ہے۔ احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ جابر سے ناقابلِ قبول حدیثیں مروی ہیں، اور مجھ کو یہ بات بھی پہنچی ہے کہ وہ جھوٹ بولا کرتا تھا۔ نسائی نے کہا کہ وہ ثقہ نہیں تھا۔ اور کہا کہ ابن لہیعہ ایک بوڑھا احمق اور ضعیف العقل تھا، کہا کرتا کہ علیؓ بادل میں ہیں، جب ہماری مجلس میں بیٹھا ہوتا اور بادل کو دیکھ لیتا تو بول اٹھتا کہ دیکھو یہ علیؓ بادل میں سے گذر گئے۔ طبرانی حضرت علیؓ سے بدیں معنی حدیث لاتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ آخر زمانہ میں ایک ایسا فتنہ اٹھے گا جس میں سب ہی پھنسے ہوں گے اور کسی کا دامن مشکل سے اس سے پاک ہوگا۔ جس طرح سونا کان میں گڑا اور دبا ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اہلِ شام کو گالی نہ دو بلکہ ان کو بُرا کہو جو ان میں خاص طور سے شریر بد ہیں۔ کیونکہ اہلِ شام میں ایسی ہستیاں بھی ہیں جو ابدال ہیں۔ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ اہلِ شام اس قدر بزدل ہو جائیں گے کہ صرف ایک بارش ان کو تتر بتر کر دے گی۔ اگر لومڑیاں ان سے لڑنے کھڑی ہو جائیں گی تو ان پر غالب آجائیں گی۔ اس نازک حالت میں میرے اہلِ بیت میں سے ایک شخص ظہور کریگا اور تین جھنڈے لئے ہوئے اُٹھے گا۔ اس کے مخالفین کی زیادہ سے زیادہ تعداد بتانے والے پندرہ ہزار بتائیں گے اور کم سے کم تعداد بتانے والے بارہ ہزار بتائیں گے ان کی نشانی اَمِتْ اَمِتْ ہوگی، اور سات جھنڈے لئے ہوئے ہوں گے۔

ہر جھنڈے کے نیچے ایک شخص ہوگا جو ملک و حکومت کا دعویدار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو ہلاک کر ڈالے گا۔ اور ان کی الفت و محبت، ان کی نعمت و ثروت، ان کی ہمتیں اور ان کے حوصلے، ان کی رائے و سمجھ بوجھ سب سے مسلمانوں کو سرفراز فرمائیگا۔ اس حدیث کی روایت میں ابن لہیعہ ہے، جس کا ضعف مشہور ہی ہے۔ حاکم نے مستدرک میں اس حدیث کی روایت کی ہے اور اس کو صحیح الاسناد بتایا ہے۔ مگر شیخین نے اس حدیث کو نہیں لیا ہے۔ حاکم کی روایت یوں ہے ثُمَّ يَظْهَرُ الْهَاشِمِيُّ فَيَرُدُّ اللّٰهُ النَّاسَ إِلَى أُلْفَتِهِمْ الخ (پھر ہاشمی ظاہر ہوگا اور اللہ تعالیٰ لوگوں (مؤمنین) کو کفار کی سی الفت و محبت عطا فرمائے گا۔ الخ) حاکم کے طریق سند میں ابن لہیعہ نہیں ہے۔ اسی لئے یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ حاکم مستدرک میں حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں بدیں طریق کہ ابی الطفیل محمد بن الحنفیہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت علیؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ سے کسی نے مہدی کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے یہہات فرما کر ہاتھ سے سات کا اشارہ کیا اور کہا کہ وہ آخر زمانہ میں ظاہر ہوں گے۔ یہ وہ وقت ہوگا کہ جو کوئی اللہ اللہ کہے گا، اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ مہدی کے لئے بکھری ہوئی قوموں کو ابر کے ٹکڑوں کی طرح یکجا جمع کر دے گا۔ ان کے دل متحد ہو جائیں گے آپس کی اجنبیت اور دوری ایک دم جاتی رہے گی۔ اور کوئی اپنے ساتھی کا ٹھٹھا نہیں اڑائے گا۔ عدد و شمار میں وہ اصحاب بدر کے مساوی ہوں گے۔ اگلے خوبیوں میں ان سے سبقت نہیں لے جا سکیں گے پچھلے ان سے ہمسری نہیں کر سکیں گے، ان کا عدد و شمار اصحاب طالوت کے برابر بھی ہوگا جو ان کے ساتھ نہر کو عبور کر گئے تھے۔ ابوالطفیل کا قول ہے کہ محمد بن الحنفیہ نے مجھ سے کہا کہ کیا تم مہدی کو دیکھنا چاہتے ہو، میں نے کہا بیشک تو آپ نے کہا کہ وہ مکہ سے خروج کریں گے۔ میں نے کہا تو پھر ضرور میں بھی مکہ کو نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ مرجاؤں۔ چنانچہ ان کا انتقال مکہ ہی میں ہوا۔

حاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث شرطِ شیخین پر صحیح ہے۔ حالانکہ یہ صرف شرطِ مسلم پر ہے کیونکہ اس میں عمّار الذہبی اور یونس بن ابی اسحٰق بھی ہیں، جن سے بخاری حدیث نہیں لائے ہیں۔ اور اس میں عمرو بن محمد العبقری ہے جس سے بخاری حجت کے طور پر روایت نہیں لائے ہیں بلکہ شہادت اور گواہی کے طور پر لائے ہیں (یعنی دیگر روایات کی تائید کے لئے لائے ہیں) پھر اس کے ساتھ ساتھ اس کا بھی لحاظ رکھئے کہ عمار الذہبی شیعہ مانا جاتا ہے، احمد، ابن معین، ابو حاتم، نسائی نے گو اس کی توثیق کی ہے لیکن علی بن المدنی نے سفیان کا قول نقل کیا ہے کہ بشر بن مروان نے اس کی روایت نہیں لی ہے میں نے کہا کیوں؟ کہا اس کے شیعہ ہونے کی وجہ سے۔

ابن ماجہ حضرت انس بن مالک رضؓ سے روایت کرتے ہیں۔ سلسلہ روایت یہ ہے کہ سعد بن عبدالحمید بن جعفر علی بن زیاد الیمامی سے روایت کرتا ہے وہ عکرمہ بن عمار سے وہ اسحٰق بن عبداللہ سے وہ حضرت انس رضؓ سے وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ ہم عبدالمطلب کی اولاد یعنی میں، حمزہ، علی، جعفر، حسن، حسین اور مہدی جنت کے سردار ہیں۔ عکرمہ بن عمار جو اس روایت میں ہے، اس کی حدیث کو گو مسلم نے لیا ہے مگر متابعت کے ساتھ اور بعض محدثین نے اس کی تضعیف کی ہے اور بعض نے اس کی توثیق۔ ابو حاتم رازی کا قول ہے کہ یہ مدلس ہے جب تک یہ سماعت کی تصریح نہ کرے اس کی حدیث قابلِ قبول نہیں ہوگی۔ اس حدیث کا دوسرا راوی علی بن زیاد بھی ایسا ہی ہے کہ ذہبی میزان میں کہتے ہیں کہ ہم جانتے ہی نہیں کہ یہ کون ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ وہ عبداللہ بن زیاد ہے۔ رہا سعد بن عبدالحمید تو اگرچہ یعقوب بن ابی شیبہ نے اس کی توثیق کی ہے، اور یحیٰی بن معین نے کہا ہے کہ اس میں چنداں خرابی نہیں۔ لیکن ثوری نے اس میں کلام کیا ہے۔ کلام کرنے والوں نے کہا ہے کہ اس کے اکثر فتوے خطا و غلطی پر مبنی تھے۔ ابن حبان نے کہا کہ وہ قابلِ حجت نہیں۔ احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ سعد

بن عبدالحمید کا دعویٰ ہے کہ اس نے کتب مالک کا درس امام مالک سے سماعت کیا۔ اور لوگ اس کے اس دعوے کو جھٹلاتے ہیں کیونکہ وہ اب تک یہیں بغداد میں ہے۔ اس نے حج نہیں کیا۔ اور مکہ نہیں گیا۔ پھر اس نے سماعت کیسے کی ہوگی۔ امام ذہبی نے اس کو ان لوگوں میں سے قرار دیا ہے جن پر معترضین اور ناقدین کی جرح قدح اور اعتراضات قابلِ تردید ہیں۔ حاکم اپنی مستدرک میں بطریق مجاہد ابن عباس رضؓ سے موقوف حدیث لائے ہیں۔ مجاہد کا کہنا ہے کہ مجھ سے ابنِ عباس رضؓ نے کہا کہ میں اگر یہ نہ سنتا کہ تم اہلِ بیت کے مانند ہو تو میں تم سے یہ حدیث ہرگز بیان نہ کرتا۔ اس پر مجاہد نے کہا کہ حضرت اطمینان رکھئے، میں بھی ہر کس و ناکس سے اس کا ذکر نہیں کروں گا۔ مجاہد کا بیان ہے کہ ابن عباس رضؓ نے کہا کہ چار اشخاص ہم اہلِ بیت میں سے ہوں گے۔ سفّاح، منذر، منصور، مہدی، مجاہد نے کہا کہ ذرا چاروں کے حالات بیان کیجئے۔ ابن عباس رضؓ نے بیان فرمایا کہ ان میں سفّاح اکثر و بیشتر اپنے انصار کو قتل کرے گا اور دشمنوں کے قصور سے درگذر کرے گا۔ منذر بہت مال دے گا اور پھر اس پر گھمنڈ نہیں کرے گا، اور خود اس میں سے بہت کم لیگا منصور کی فتحمندی اس کے دشمنوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آدھی مسافت سے ظاہر ہوگی۔ یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب اپنے دشمن سے دو ماہ کے راستہ پر ہوتے تو دشمنوں کا دل دہل جاتا اور وہ سہم جاتے۔ گویا منصور جب اپنے دشمن سے ایک ماہ کی مسافت پر ہوگا تو اس کے دشمن دل چھوڑ بیٹھیں گے اور ان کے ہاتھ پاؤں پھول جائیں گے۔ اور مہدی زمین کو انصاف و عدل سے بھر دیں گے، جس طرح وہ ان سے پہلے ظلم و ستم سے پُر ہوگی۔ چوپائے درندوں سے بے خوف ہوکر رہیں گے زمین اپنے جگر پارے اگل دے گی۔ مجاہد نے پوچھا۔ حضرت وہ کیا ہوں گے۔ آپ نے کہا سونے چاندی کی سلیں۔ حاکم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اگرچہ شیخین اس کو نہیں لائے ہیں۔ اس حدیث کے سلسلہ روایت میں اسمٰعیل بن ابراہیم بن مہاجر ہے جو اپنے والد سے روایت کرتا ہے۔ اور یہ اسمٰعیل ضعیف ہے اور اس کا باپ

ابراہیم اگرچہ مسلم اس سے حدیث لائے ہیں لیکن اکثر محدثین نے اس کی تضعیف کی ہے۔

ابن ماجہ ثوبان سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تمہارے بڑھاپے کے وقت تین آدمی خلفاء کی اولاد میں سے ہوں گے۔ پھر ان کے خاندان سے امارت نکل پائے گی۔ یہاں تک کہ مشرق سے ایک قوم سیاہ جھنڈے لئے ہوئے اُٹھے گی اور وہ مخالفین سے ایسی سخت جنگیں لڑے گی جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملے گی۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ نے پھر کچھ اور فرمایا مگر میں اس کو بھول گیا ہوں۔ پھر فرمایا کہ "اگر تم اس کو دیکھو تو اس سے بیعت کرو اگرچہ برف پر سرین کے بل گھسٹ کر کیوں نہ جانا پڑے کیونکہ وہ اللہ کے خلیفہ مہدی ہوں گے"۔ اس حدیث کے رجال صحیحین کے رجال ہیں۔ لیکن سلسلہ روایت میں ابوقلابۃ الجرمی بھی ہے جس کے متعلق ذہبی و دیگر محدثین کا کہنا ہے کہ وہ مُدلس تھا۔ اور سفیان ثوری بھی سلسلۂ روایت میں ہے جس کا مدلس ہونا مشہور ہے۔ ان دونوں نے حدیث کو تو مُعنعن کیا ہے لیکن سماع کی صراحت نہیں کی، پھر روایت کیسے قبول ہو سکتی ہے۔ عبدالرزاق بن ہمام اس حدیث کے راویوں میں سے ہے جو شیعہ مشہور ہے یہ آخر عمر میں نابینا ہو گیا اور حدیث کو خلط ملط کرتا تھا۔ ابن عدی کا قول ہے کہ فضائل کی بہت سی احادیث اس سے مروی ہیں، مگر کسی نے ان کا اعتبار نہیں کیا۔ اور سب نے ان کو شیعہ ٹھہرایا ہے۔

ابن ماجہ عبداللہ بن الحارث بن جزء سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ بدیں سلسلہ کہ ابن لہیعہ ابی زرعہ سے روایت کرتا ہے اور وہ عمر بن جابر الحضرمی سے اور وہ عبداللہ بن الحارث بن جزء سے، وہ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگ مشرق سے اٹھیں گے اور وہ مہدی کی حکومت قائم کریں گے۔ طبرانی نے کہا کہ ابن لہیعہ اس کی روایت میں تنہا ہے۔ اور یہ بات حضرت علیؓ کی حدیث میں گذر چکی ہے جس کی تخریج طبرانی نے اپنی معجم اوسط

میں کی ہے کہ ابن لہیعہ ضعیف ہے اور اس کا شیخ عمر بن جابر اس سے زیادہ ضعیف ہے۔ اور بزار نے مسند میں اور طبرانی نے اپنی معجم اوسط میں حضرت ابی ہریرہؓ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت میں مہدی ہوں گے جو کم از کم سات برس اور زیادہ سے زیادہ آٹھ نو برس رہیں گے۔ ان کے زمانہ میں میری امت وہ خوشحالی دیکھے گی جو اس نے کبھی نہ دیکھی ہوگی۔ آسمان سے موسلا دھار بارش برسے گی۔ زمین ہر قسم کی نباتات سے لہلہا اٹھے گی، مال کے ڈھیر کے ڈھیر لگے ہوں گے۔ ایک شخص اُٹھ کر کہے گا، مہدی! مجھ کو دو۔ وہ کہیں گے لو۔ طبرانی اور بزار کہتے ہیں کہ محمد بن مروان العجلی اس حدیث کی روایت میں متفرد ہیں۔ بزار نے ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ ہم کو نہیں معلوم کہ کسی نے اس کی متابعت کی ہے۔ ابوداؤد نے اس کی توثیق کی ہے اور ابن حبان نے اس کو ثقات میں درج کیا ہے۔ یحییٰ بن معین نے کہا ہے کہ وہ صالح ہے۔ اور ایک جگہ کہا ہے کہ اس کی حدیث میں چنداں مضائقہ نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی لوگوں نے اس کے بارے میں بہت اختلاف کیا ہے۔ ابوزرعہ نے کہا کہ میرے نزدیک وہ کچھ نہیں۔ عبداللہ بن احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ ہم نے محمد بن مروان العجلی کو احادیث بیان کرتے ہوئے دیکھا تو ہم سب نے اس کی حدیث نہیں لکھی۔ میں نے تو قصداً اس کی حدیث کو چھوڑ دیا۔ اور ہمارے بعض ساتھیوں نے اس کو لکھ لیا۔ اس طرح گویا اس کو ضعیف بتاتے ہیں۔

ابویعلی الموصلی اپنی مسند میں ابی ہریرہؓ سے حدیث لائے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے دوست ابوالقاسم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت قائم ہی نہیں ہوگی جب تک کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص ظہور نہیں کرے گا جو لوگوں کو مار پیٹ کر حق کی طرف لے آئے گا۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا حضرت وہ کس قدر مدت حکومت کرے گا۔ آپ نے فرمایا سات۔ پھر میں نے

عرض کیا سات کیا؟ فرمایا میں نہیں جانتا۔ یہ سند بھی قابلِ حجت نہیں۔ بشیر بن نہیک کے بارے میں ابو حاتم نے تو کہا ہے کہ قابلِ حجت نہیں ہے۔ لیکن شیخین نے اس کی روایت لی ہے۔ اور لوگوں نے اس کی توثیق کی ہے اور اس کے بارے میں ابو حاتم کے قول کی طرف کہ "وہ قابل حجت نہیں" توجہ نہیں دی ہے۔ البتہ اس حدیث کے سلسلۂ روایت میں رجا بن ابی رجاء الیشکری ہے جو مختلف فیہ ہے۔ ابو زرعہ نے کہا وہ ثقہ ہے۔ یحییٰ بن معین نے کہا وہ ضعیف ہے۔ ابو داؤد بھی کہتے ہیں وہ ضعیف ہے۔ ایک جگہ کہا ہے وہ صالح ہے۔ امام بخاری نے بھی اس کی ایک حدیث اپنی صحیح میں لی ہے۔

ابو بکر البزار اپنی مسند میں اور طبرانی اپنی معجم کبیر اور اوسط میں قرۃ بن ایاس رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جب زمین ظلم وستم سے بھر جائے گی تو اللہ تعالے میری امت میں سے ایک شخص کو پیدا کرے گا جو میرا ہمنام اور اس کا باپ میرے والد کا ہمنام ہوگا۔ وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا جس طرح وہ اس سے پہلے ظلم وستم سے بھری ہوگی۔ آسمان دل کھول کر پانی برسائے گا، اور زمین اپنی تمام پیداوار اگل دے گی۔ سات یا آٹھ یا نو برس تک وہ حکمرانی کرتا رہے گا۔ اس حدیث کی سند میں داؤد بن المحبر بن المحرم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ یہ باپ بیٹے دونوں بہت ہی ضعیف ہیں۔ طبرانی اپنی معجم اوسط میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت لاتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مہاجرین وانصار کی ایک جماعت میں تشریف فرما تھے اور علی بن ابی طالب آپ کے بائیں جانب، اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ کے دائیں جانب تھے۔ اور ایک انصاری حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ سخت کلامی سے پیش آچکا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات عباس اور علی ہر دو کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا۔ عنقریب اُس کی پشت سے ایک شخص پیدا ہوگا جو دنیا کو ظلم وستم سے بھر دے گا۔ اور اِس کی پشت سے عنقریب ایک شخص پیدا ہوگا جو دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دے گا۔

جب تم اس زمانہ کو پاؤ تو تمیمی جوان کا ساتھ دینا۔ وہ مشرق کی طرف سے اُٹھے گا اور صاحب الرایت مہدی ہوگا۔" اس حدیث کے سلسلۂ سند میں عبداللہ بن عمر تمیمی اور عبداللہ بن لہیعہ ہیں، یہ دونوں ضعیف ہیں۔ طبرانی اپنی معجم اوسط میں طلحہ بن عبداللہ سے حدیث روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب ایک ایسا فتنہ اٹھے گا جو دبائے سے نہ دب سکے گا اگر ایک رُخ سے اس کو فرو کیا جائے گا تو دوسری طرف سے بھڑک اُٹھے گا، یہاں تک کہ آسمان کی طرف سے غیب سے آواز آئے گی کہ تمہارا امیر فلاں ہے۔ اس میں مثنی بن الصباح راوی ہے، یہ بہت ضعیف ہے۔ پھر حدیث میں تصریح بھی نہیں کہ یہ امیر مہدی ہوں گے ہاں البتہ باب مہدی میں یہ حدیث لائی گئی ہے۔

پس یہی وہ سب احادیث ہیں جن کو ائمۂ حدیث مہدی آخرالزماں کے بارے میں لائے ہیں۔ آپ دیکھ چکے ہیں کہ ان روایات میں مشکل ہی سے کوئی روایت سُقم سے خالی ہے۔

اب رہا صوفیہ کا معاملہ، تو اگلے صوفیہ ان امور میں غور وخوض ہی نہیں کرتے تھے بلکہ وہ تو مجاہدات وریاضات اور وجد وحال میں مصروف رہتے تھے۔ اُدھر امامیہ اور رافضی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور ان کی امامت پر زور دیتے تھے۔ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ان کے بارے میں وصیت ثابت کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ اور شیخین سے بریئت ظاہر کرتے تھے چنانچہ اس کی تفصیل ان کے مذہب میں گذر چکی ہے۔ پھر ان میں امامِ معصوم کا تخیل پیدا ہوا۔ ان کے مذاہب پر تالیف وتصنیف کا سلسلہ زوروں پر شروع ہوا۔ فرقۂ اسماعیلیہ اُلوہیتِ امام کے بطریقِ حلول قائل ہوئے۔ بعض فوت شدہ ائمہ کے بارے میں عقیدہ رکھنے لگے کہ وہ تناسخ کی شکل میں پھر دنیا میں آتے ہیں۔ چند اور کہتے ہیں کہ وہ زندہ ہیں اور غائب ہوگئے ہیں پھر آئیں گے، لہٰذا ان کے انتظار میں رہتے۔ کچھ یہ امید باندھے بیٹھے رہتے کہ اہلِ بیت میں حکومت پھر اپنا وجود لے گی، اور اپنے اس عقیدہ پر انہیں احادیث سے

دلیل لاتے جن سے امام مہدی کا آنا ثابت ہے، اور جن کی پوری تفصیل ابھی آپ کے سامنے پیش ہوئی۔ پھر ان متاخرین صوفیہ کا دور شروع ہوا جنھوں نے کشف اور ماوراء الحس امور کی بحث چھیڑی۔ اور ان میں سے بہت سے حلول کے قائل ہوگئے تو گویا امامیہ اور روافض کے ہم خیال ہوئے۔ کیونکہ وہ بھی الوہیتِ ائمہ و حلول اللہ کے قائل تھے۔ انھوں نے بجائے اماموں اور نُقَبا کے قطب و ابدال مقرر کیے۔ اور یہاں تک اقوال شیعہ کو دل میں جگہ دی اور ان کے مذہب میں اس قدر قدم بڑھایا کہ خرقہ کے بارے میں کہنے لگے کہ حضرت علیؓ نے حضرت حسن بصریؒ کو پہنایا تھا۔ اور طریقہ کے التزام پر ان سے بیعت لی تھی پھر وہ سلسلہ بسلسلہ حضرت جنید بغدادیؒ تک چلا آیا۔ حالانکہ اس کا ثبوت حضرت علیؓ سے بطریق صحیح موجود نہیں پھر یہ طریقہ حضرت علی رضہ کے ساتھ کیوں خاص کیا جاتا ہے جب کہ تمام صحابہ ہدایت و رشد کے سرچشمہ اور مرکز ہیں۔ لہذا حضرت علی رضہ کے ساتھ اس کی تخصیص میں شیعیت ٹپکتی ہے، اور پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرات بھی مذہب شیعہ میں قدم رکھ چکے تھے۔ انہیں ایام میں اسماعیلیہ اور پچھلے صوفیہ نے کتابیں لکھیں جن میں "فاطمی المنتظر" پر بڑی بڑی بحثیں اٹھائیں اور اس کو ثابت کیا۔ اور پھر ایک دوسرے کو بڑھانے سکھانے لگے۔ مگر ان سب نظریات کی بنیاد بالکل لچر اور پوچ ہے اور قطعًا ناقابلِ وثوق ہے۔ بسا اوقات یہ اپنے تخیلا پر قرانات (علم نجوم) سے استدلال کرتے ہیں اور منجمین کے کلام سے حجت پکڑتے ہیں۔ اس کی پوری بحث انشاء اللہ آئندہ باب میں آپ کے مطالعہ سے گذرے گی۔ یہاں پچھلے صوفیہ میں سے جنھوں نے زیادہ تر مہدی کے مسئلہ کو اٹھایا ہے وہ یہ ہیں۔ ابن العربی الحاتمی کہ اس نے کتاب "عنقاءِ مُغرِب" میں ابن قسی نے کتاب "خلع النعلین" میں، عبدالحق بن سبعین اور ابن ابی واصل نے خلع النعلین کی شرح میں اس بحث پر بڑا زور دیا ہے۔ مگر ان لوگوں کا کلام زیادہ تر چیستاں اور پہیلی کے طور پر ہے۔ بات کی وضاحت بہت کم کرتے ہیں۔

ہاں ان کے کلام کی شرح کرنے والے ان کے مطلب و مقصد کو کھولتے ہیں۔ ابن ابی واصل کے کلام سے جہاں تک پتہ چلتا ہے ان کے مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ سب سے پہلے نبوت نے حق و ہدایت کے زور سے گمراہی و تاریکی کو مٹایا۔ پھر نبوت کی جگہ خلافت نے لی۔ پھر خلافت ملک و سلطنت سے بدلی اور اس کے بعد سلطنت و بادشاہت پر جبر و تشدد اور ظلم و ستم کا رنگ چڑھا۔ کہتے ہیں کہ اللہ تعالٰی کی چونکہ عادت جاری ہے کہ تمام امورِ دنیا کو پھر ان کی حالت اصلیہ کی طرف پھیر دیتا ہے اس لئے نبوت کو پھر وجود میں آنا چاہئے تھا۔ مگر نبوت کا دروازہ بند ہوچکا لہذا اس کے سوا چارہ نہیں کہ اس کی جگہ ولایت کا دور شروع ہو جو اس کے قائم مقام ہے۔ پھر خلافت اور پھر بجائے ملک اور تسلط کے زمانۂ دجّال کا آغاز ہو اور کفر کی تاریکی پھر سے پھیل پڑے۔ گویا بدیں صورت نبوت خلافت و ملک کے بالترتیب تین مرتبے ثابت کرتے ہیں اس کے بعد تین درجے اور انہیں کے مماثل۔ پہلے ولایت امام مہدی کی، پھر خلافت اور اس کے بعد دجّال کا پُرفتن زمانہ اور کفر کا پھیل جانا۔ اب چونکہ بحکم شرع خلافت قریش کا حق مانا گیا ہے اس لئے امامت بھی اسی کے حق میں ثابت ہوگی جو قریشی خون اپنے اندر رکھتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصی نسبت رکھتا ہو یا ظاہری کہ بنی عبدالمطلب میں سے ہو یا باطنی کہ خواص اُمت سے کوئی ہو۔

ابن العربی الحاتمی نے اپنی کتاب عنقاءِ مغرب میں مہدی کو خاتم الاولیاء کے نام سے یاد کیا ہے۔ اور "لبنۃ الفضۃ" (چاندی کی اینٹ) سے بھی تعبیر کیا ہے۔ یہ دراصل اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کو امام بخاری باب خاتم النبیین میں لائے ہیں۔ بدیں مضمون کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری مثال اگلے انبیاء میں ایسی ہے کہ مثلاً ایک شخص نے ایک مکان نہایت مکمل بنوایا مگر ایک اینٹ کی جگہ اس میں چھوڑ دی۔ لہذا میں وہ اینٹ ہوں جس کے پورے

مکان کی صحیح تکمیل ہوئی اسی لئے حضرت خاتم النبیین کو "لبنہ" کہا جاتا ہے کہ آپ نے سلسلۂ نبوت کی کڑیاں پوری کر دیں اور اس کو تکمیلی پہلو تک پہنچایا۔ یہ آپ کو معلوم ہی ہو چکا کہ ہر درجات میں ولایت کو نبوت کی جگہ قرار دیا گیا ہے تو جن بزرگ پر ولایت ختم ہو جائے اور ان پر اس کی تکمیل ہو، ان کو خاتم الاولیاء کہہ سکتے ہیں۔ جس طرح آنحضرتؐ کو خاتم الانبیاء کہا گیا کہ آپ نے نبوت کی تکمیل فرمائی اور آپ کی ذات پر وہ ختم ہوئی۔ اور جس طرح آنجنابؐ کو حدیث مذکور میں بطور تمثیل "لبنۃ البیت" (مکان کی اینٹ) کہا ہے اسی طرح خاتم الاولیاء کو بھی "لبنہ" کہہ سکتے ہیں۔ مگر اس میں بھی درجۂ نبوت اور درجۂ ولایت میں جو فرق ہے وہ ملحوظ رہیگا اسی لئے انھوں نے آنحضرت کو "لبنۃ الذہب" کہا اور مہدی کو "لبنۃ الفضہ" کیونکہ سونے اور چاندی میں بھی بڑھیا گھٹیا اور کم و بیش رتبہ کا فرق ہے۔

ابن ابی واصل نے ابن العربی سے نقل کیا ہے کہ امام منتظر اہل بیت میں سے ہوں گے۔ اور حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں سے، اور ان کا ظہور خ، ق، ج ہجری گذرنے پر ہوگا۔ گویا ان حروف سے مراد ان کے عدد بحساب ابجد لئے ہیں خ کے چھ سو، ق کے اسّی اور ج کے تین ہوتے ہیں۔ اور ان کا مجموعہ چھ سو تراسی ہوتا ہے یعنی ساتویں صدی کے آخر میں ظہور کریں گے لیکن جب یہ مدت گذر گئی اور امام منتظر کا ظہور نہیں ہوا تو بہت سٹ پٹائے اور عقیدتمند لگے کہنے کہ اس مدت سے ظہور مراد نہیں بلکہ ان کی پیدائش مراد ہے اور پیدائش کو ظہور سے تعبیر کر دیا ہے۔ دراصل ان کا ظہور ۶۸۳ھ کے بعد کہیں ہوگا۔ مغرب کے اطراف سے نکلیں گے گویا ابن العربی کے حساب سے جب ان کی پیدائش ۶۵۷ھ کی مانی تو ظہور کے وقت یعنی ۶۸۳ھ میں ان کی عمر چھبیس برس کی ہوگی۔ یہ یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ یوم محمدی سے شمار کر کے ۷۰۳ھ میں دجّال نکلے گا اور یوم محمدی کی ابتداء ان کے نزدیک آنحضرتؐ کی وفات سے ایک ہزار برس پورے ہونے پر ہے۔

ابن ابی واصل کتاب خلع النعلین کی شرح میں رقم طراز ہے کہ امام منتظر قائم بامر اللہ

جن کو محمد المہدی خاتم الاولیاء سے یاد کیا جاتا ہے، نبی نہیں ہوں گے بلکہ ولی ہوں گے اللہ تعالیٰ کی روح اور اس کے حبیب ہوں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عالم اپنی قوم میں ایسا ہے جیسے کہ نبی اپنی امت میں۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کے مانند ہیں۔ اور یہ خوشخبری اول یوم محمدی سے پانچسو برس نصف یوم تک برابر چلی آئی۔

مشائخ کی خوشی وقت کے قریب آنے سے بڑھتی گئی۔ کندی کا بیان ہے کہ یہ امام لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھائیں گے۔ اسلام کو زندہ کریں گے۔ عدل و انصاف پھیلائیں گے۔ جزیرہ اندلس کو فتح کرتے ہوئے روم تک نکل جائیں گے اور اس کو بھی زیر اقتدار لائیں گے۔ پھر مشرق کا رُخ کریں گے اور اس کو اپنے زیر نگیں لائیں گے۔ قسطنطنیہ کو فتح کر لیں گے۔ غرض تمام ملک ان کی قلمرو میں آجائیں گے مسلمان قوت پکڑ لیں گے۔ اور اسلام کا بول بالا ہوگا۔ دین حنیف چمکے گا۔ اس کی پاکیزگی ظاہر ہوگی۔ کیونکہ ظہر سے عصر تک نماز ہی کا وقت ہے، آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ ان دونوں کے درمیان کا وقت بھی نماز ہی ہے۔

کندی نے یہ بھی کہا ہے کہ سُورِ قرآن کے ابتدائی حروف غیر معجم جو حروف مقطعات کہلاتے ہیں، ان کے جملہ عدد سات سو تینتالیس ۷۴۳ ہیں ان میں ساٹھ دجّالی ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نمازِ عصر کے وقت نزول فرمائیں گے۔ دنیا کی اصلاح کریں گے اور ایسا امن پھیلا دیں گے کہ بکری بھیڑیے کے ساتھ پھرے گی۔ اسلامی سلطنت کی مدتِ حیات ایک سو ساٹھ ۱۶۰ برس کی ہوگی جو حروفِ معجم ق، ی، ن کے بعینہٖ عدد ہوتے ہیں اس میں انصاف کا دور چالیس سال رہے گا۔

علم نجوم سے واقف اور قرانات کو جانتے پہچاننے والے بیان کرتے ہیں کہ امام مہدی اور ان کے جانشینوں کی حکومت ایک سو انسٹھ برس رہے گی اس میں سے چالیس یا ستر برس خلافت و عدالت کا زمانہ رہے گا، پھر حالات پلٹا لیں گے اور خلافت ملک و سلطنت سے تبدیل ہو جائے گی۔ ابن ابی واصل نے

ایک دوسری جگہ کہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام یوم محمدی کا تین چوتھائی حصہ گذرنے کے بعد بوقت عصر نزول فرمائیں گے۔ یعقوب بن اسحٰق کندی اپنی کتاب الجفر میں قرانات کے بیان میں رقمطراز ہے کہ جب قران برج ثور میں راس "ضح" پر پہنچے یعنی ۶۹۸ھ کا سال ہوگا تو عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے اور جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا زمین پر حکمرانی کریں گے۔ حدیث میں یوں وارد ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام دمشق میں بجانب مشرق منارۂ سفید کے قریب اتریں گے۔ مصری قطع وضع کے دو زعفرانی زرد حلے زیب تن کئے ہوئے اور دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے بازوؤں پر رکھے ہوئے نزول فرمائیں گے۔ سر کے پٹھوں سے پانی ٹپکتا ہوا گویا ابھی آپ حمام سے نکلے ہیں۔ جب سر مبارک جھکائیں گے پانی کے قطرے ٹپکیں گے، جب سر اٹھائیں گے تو قطروں سے موتیوں کی سی لڑی بندھ جائے گی۔ سر بجانب نشیب جھکا ہوگا۔ دوسری حدیث میں یوں آیا ہے کہ آپ بڑے تنومند و سرخ سفید ہوں گے۔ آخر میں یہ بھی ہے کہ آپ نکاح بھی کریں گے اور آپ کی اولاد ہوگی۔ چالیس برس بعد وفات پائیں گے حدیث میں اس طرح بھی ہے کہ آپ کی وفات مدینہ میں ہوگی، اور حضرت عمرؓ کے پہلو میں مدفون ہوں گے۔ گویا حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ بروز قیامت دو نبیوں کے درمیان اٹھیں گے۔ ابن ابی واصل نے کہا ہے کہ شیعوں کے نزدیک یہ مسیح جن کی آمد کی پیشین گوئی حدیث میں وارد ہے یہ وہی آل محمد میں مسیح المسائح (امام منتظر) ہیں۔ ہمارے خیال میں بعض متصوفین نے بھی حدیث لَا مَهْدِیَّ اِلَّا عِیْسٰی کو اس معنی پر محمول کیا ہے کہ مہدی کو شریعت محمدی سے اتباع شریعت و علوم میں وہی نسبت ہوگی جو عیسیٰ علیہ السلام کو شریعت موسوی سے تھی۔ صوفیہ لچر دلیلوں اور مختلف بے اصل دعووں سے وقت کی تعیین کرنے میں ان کی شخصیت کی شناخت کراتے ہیں اور موقع و محل ظہور کی بھی نشان دہی کرتے ہیں۔ جب زمانہ اسی طرح گذرتا جاتا ہے اور

ظہور کے کوئی اثرات رونما نہیں ہوتے تو مجبوراً اپنی دوسری رائے قائم کرتے ہیں اور نیا تخیل گھڑتے ہیں۔ بعینہٖ جس طرح اشیائے تخیلیہ اور احکام نجومیہ کا حال ہے کہ دم بدم واقعات ان کی تردید کرتے ہیں۔ غرض آرا کی اسی ردو بدل میں اگلے صوفیہ کی عمریں ختم ہوگئیں۔

اب لیجئے ہمارے زمانہ کے صوفیہ کا حال سنئے کہ ان میں سے اکثر اس کے قائل ہیں کہ ایک مجدد ظاہر ہوگا جو مذہبی احکام کو زندہ کرے گا۔ حق و صداقت کو دنیا میں پھیلائے گا، اور اس کے ظہور کا زمانہ ہمارے زمانہ کے قریب ہی میں بتاتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حضرت فاطمہ رضؓ کی اولاد سے ہوگا۔ اور بعض فاطمی کی تخصیص بھی نہیں کرتے۔ چنانچہ سب سے بڑے صوفی ابو یعقوب البادسی جو مغرب کے جلیل القدر ولی شمار ہوتے ہیں، اور جو اس آٹھویں صدی کے شروع میں گذرے ہیں اسی مذکورہ خیال کے حامی تھے۔ اس کی روایت ہم کو ان کے پوتے ابو یحییٰ زکریا سے ملی ہے۔ وہ اپنے والد ابی محمد عبداللہ سے روایت کرتے ہیں، اور وہ اپنے والد ولی ابو یعقوب مذکور سے۔ غرض صوفیہ کے کلام و اقوال کی چھان بین سے ان کے اسی قسم کے تخیلات کا پتہ چلتا ہے جو زیر بیان آئے ہیں اور محدثین جن روایات سے مہدی کا ظہور ثابت کرتے ہیں وہ بھی ہم نے اپنی معلومات و تحقیق کی حد تک من و عن بیان کر دی ہیں۔

(ماخوذ: از مقدمہ ابن خلدون مترجم نور محمد اصح المطابع آرام باغ کراچی)

باب سوم

نزولِ عیسیٰؑ

احادیث اور ان پر تنقید

از

علامہ تمنا عمادی مجیبی پھلواروی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے نہایت محترم اور قابل قدر بزرگ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال نے مولانا عرشی امرتسری کے ذریعے میری توجہ احادیث نزول مسیح و آمد مہدی کی طرف منعطف کرائی تھی اور خصوصیت کے ساتھ صحیح بخاری کی دونوں حدیثوں پر تنقیدی روشنی ڈالنے کی فرمائش کی تھی۔ خود میرا بھی کبھی کبھی یہ ارادہ ہوا تھا کیوں کہ میں ایک مدت سے ان حدیثوں کو موضوع و مکذوب سمجھتا آرہا ہوں۔ مگر خیال ہوا کہ۔

رمز ہر نکتہ دقیق و طرف بحث عوام گر گلوپارہ کنم کس بہ سخن وا نہ رسد

جن حضرات کے نزدیک کتب احادیث آسمانی صحیفے، راویان حدیث حاملان وحی فرشتے اور جامعین احادیث مہبط وحی مثل انبیاء و مرسلین تھے، وہ میری تنقید سے کیا مطمئن ہو سکتے ہیں۔ بلکہ چڑ کر قرآن مجید پر منہ آنے لگیں گے۔ اس لئے ان کے لئے یہ تنقید تحصیل لاحاصل ہے۔

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اس دعوے پر ایمان رکھتے ہیں کہ مافرطنا فی الکتب من شئی ہم نے اس کتاب میں کوئی کمی نہیں چھوڑی ہے۔ ونزلنا علیک الکتب تبیانا لکل شئی ہم نے یہ کتاب تم پر دین کی ہر بات کھول کر بیان کر دینے کے لئے اتاری ہے۔ وہ اس پر بھی ایمان ضرور رکھتے ہیں کہ نزول مسیح و آمد مہدی اگر کوئی دینی عقیدہ ہوتا تو قرآن مبین میں ان باتوں کی خبر ضرور دی جاتی۔ جب قرآن مبین میں ان کا ذکر نہیں تو ان باتوں کو دینی عقیدہ سمجھنا ہی بدعت و ضلالت ہے۔ اس لئے ان اہل حق کے لئے یہ تنقید تحصیل حاصل ہے۔ لیکن اس فرمائش کے پیش نظر ان روایات پر مختصر تبصرہ پیش کیا ہے جس سے انشاء اللہ

حقیقت بالکل واضح ہوجائے گی۔

عوام کا بڑا طبقہ فرقہ پرستی ہی کو اپنا دین سمجھتا ہے جس کے فرقے کے علماء جو کہہ دیں گے اس کے سوا وہ نہ قرآن کی سننے والا ہے نہ حدیث کی۔ اور نہ وہ حدیث کے سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ نہ تنقید کے سمجھنے کی۔ اس لئے ان کے سامنے یہ تنقید پیش کرنا بھینس کے آگے بین بجانا ہے۔ ان لوگوں کو ہنگامہ آرائی اور فتنہ انگیزی میں وقت اور مال ہی نہیں بلکہ جان تک گنوانا آسان ہے۔ مگر دین کی صحیح خدمت میں جیب سے کچھ پیسے خرچ کرنیوالے شاذ و نادر ہی ہیں۔[لے]

انھیں وجوہات سے میری ہمت بھی سرد ہوگئی۔ مگر مولانا عرشی کی خاطر بہت عزیز ہے اور پھر یہ بھی خیال ہوا کہ معذرۃ الی ربکم و لعلھم یتقون خصوصاً جب عامہ مسلمین میں کچھ لوگ ایسے بھی ضرور ہوں گے جو تذبذب میں مبتلا ہوں۔ ان پر اس تنقید سے اتمام حجت ہو جائے گی۔ ممکن ہے کہ اللہ انہیں ہدایت دے۔ اس لئے اُسے شائع کرنے کی اجازت دے رہا ہوں۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم

لے ڈھاکہ میں میرے اور احمدیوں کے درمیان سات ماہ تک ۱۲ دسمبر ۱۹۵۰ء سے ۲۷ جولائی ۱۹۵۱ء تک نہایت معرکہ الآراء تحریری مناظرہ ہوتا رہا۔ جانبین سے دستخطی مراسلے آتے جاتے رہے۔ آخر احمدی مناظر کو ایسی فاش شکست ہوئی کہ میدان چھوڑ کر ان کو بھاگنا ہی پڑا۔ اس ایک مناظرے میں انھیں تین تین حیثیتوں سے شکست ہوئی۔ مگر کوئی ایسا اللہ کا بندہ کھڑا نہ ہوا جو اس مناظرے کی روداد کو چھپوا دے۔ ایک عزیز دوست نے اس طویل روداد کو مختصر بھی کر دیا۔ تاکہ کم خرچ میں یہ مختصر روداد چھپ سکے۔ مگر پھر بھی کوئی صاحب اس کی اشاعت کے لئے آمادہ نہ ہوئے۔

اس لئے سردست صرف بخاری کی حدیثیں نزول مسیح سے متعلق جو دو ہی ہیں ان کی تنقید پیش کر رہا ہوں۔ انشاء اللہ اس کے بعد باقی صحاح کی حدیثوں کی تنقید بھی آپ کے سامنے آجائے گی۔ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ۔

بخاری کی دو حدیثیں:۔ کتاب بدءالخلق باب نزول عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ملاحظہ فرمایئے۔ اور اس پر ایک نظر رہے کہ کتاب تو آغاز تخلیق سے متعلق مضامین کی ہے مگر اس میں ایک باب ایسا ہے جو خاتمہ تخلیق دنیا یعنی علامات قیامت سے متعلق کہا جاتا ہے۔ اور "کتاب الفتن" جو ایسی حدیثوں کے ذکر کا اصل مقام ہے خصوصاً "باب الذکر الدجال" کے بعد جہاں دو دو باب ہیں، یعنی باب ذکر الدجال کے بعد "باب لا یدخل الرجال المرنیہ" یعنی مدینۂ طیبہ میں دجال داخل نہیں ہوسکے گا۔ یہ بھی موجود ہے۔ مگر نہ دونوں بابوں میں کہیں نزول عیسیٰ بن مریم کا ذکر ہے نہ اس کا کہیں ذکر ہے کہ دجال کو عیسیٰ بن مریم علیہما السلام قتل کریں گے۔ نہ الگ کوئی باب نزول عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کا ہے۔ البتہ پہلے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خواب کا ذکر ہے۔ جس میں آپ نے خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہا السلام کو دیکھا تھا اور دجال پر بھی آپ کی نظر پڑی تھی۔

.... اور بس۔

بات یہ ہے کہ متقدمین کی کتابوں میں ان کے وضاع و کذاب تلامذہ یا تلامذہ کے تلامذہ یا جلد بند یا نقل کرنے والے کاتبوں کو جہاں موقع مل جاتا تھا وہاں کچھ حدیثیں داخل کر دیتے تھے۔ کبھی مستقل طور سے ایک باب ہی الگ سے قائم کر کے لگا دیتے تھے۔ اور بعض وقت تو وہ حدیثیں یا باب بے

محل ٹھونس دیئے جاتے تھے۔ اسی کی ایک مثال یہ باب نزول عیسیٰ بن مریم بھی ہے جس کو ٹھونسنے کی گنجائش کتاب الفتن میں تو یاران طریقت کو نہ ملی۔ کتاب بدء الخلق میں بے جوڑ طریقے سے ایک باب قائم کر کے صرف دو حدیثیں اس میں بنا کر درج کر دیں جو غریب امام بخاری کے سر پڑ گئیں۔ واللہ اعلم۔

میرا حسن ظن یہی ہے کہ امام بخاری ان موضوع و مکذوب حدیثوں کے ذمہ دار نہیں ہیں جو ان کی کتاب میں پائی جاتی ہیں۔ بلکہ جن لوگوں نے ان کی کتاب میں ان موضوعات کو داخل کر دیا وہی اس کے ذمہ دار ہیں۔ لیکن چونکہ یہ حدیثیں امام بخاری کے سر تھوپی جا چکی ہیں اس لئے سردست اپنے حسن ظن سے قطع نظر کر کے مجھ کو بذات خود امام بخاری رحمہ اللہ ہی کو مخاطب قرار دے کر کچھ عرض کرنا ہے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ میرا وہ حسن ظن باقی نہ رہا۔ یا نعوذ باللہ میں امام بخاریؒ کی شان میں گستاخیاں کر رہا ہوں۔

بندہ ہمت اسلافم و آن سلسلہ نیم   کہ خورم من نمک و باز نمکدان شکنم

بخاری کی پہلی حدیث:۔ بخاری کی پہلی حدیث حدثنا اسحق انا یعقوب بن ابراہیم کر کے شروع ہوتی ہے یہ اسحق کون ہیں؟ اللہ ہی جانے۔ امام بخاری پندرہ اسحاق سے روایت کرتے ہیں۔ شارحین کہتے ہیں کہ یہاں اسحق بن ابراہیم مراد ہیں۔ تو امام بخاری سات اسحق بن ابراہیم سے روایت کرتے ہیں۔

۱۔ اسحاق بن ابرہیم بن یزید ابو النصر الفرادیسی۔

۲۔ اسحاق بن ابراہیم بن نصر البخاری ابو ابراہیم السعدی۔

۳۔ اسحاق بن ابراہیم بن مخلد بن ابراہیم بن مطر۔ المعروف بابن راہویہ

۴۔ اسحاق بن ابراہیم بن محمد الصواف الباہلی ابو یعقوب البصری۔

۵۔ اسحاق بن ابراہیم بن العلاء بن الضحاک ابو یعقوب الحمصی۔

۶۔ اسحاق بن ابراہیم بن عبدالرحمن بن منیع البغوی ابو یعقوب۔

۷۔ اسحاق بن ابراہیم ابی اسرائیل بن کا مجرا ابو یعقوب المروزی نزیل بغداد (روی عنہ البخاری فی الادب)

غرض اگر کہیں امام بخاری حدثنا اسحق بن ابراہیم بھی لکھیں جیسا کہ متعدد جگہ ہے تو قطعی طور سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کون اسحق بن ابراہیم ہیں۔ لیکن ابو علی الجبائی نے یہاں اسحاق بن راہویہ یا اسحاق بن منصور میں سے کسی کے ہونے کا امکان ظاہر کیا ہے۔ چونکہ یہاں صرف اسحق ہے بلا اظہار نسبت۔ مگر ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ یہاں اسحق بن راہویہ ہی مراد ہیں، کیونکہ ابن راہویہ کی عادت ہے کہ وہ حدثنا کبھی نہیں کہتے۔ جب کہتے ہیں تو اخبرنا کہتے ہیں (اور یہاں انا ہے جو اخبرنا کا مخفف ہے) اس لئے یقیناً ابن راہویہ ہی یہاں مراد ہیں۔

میں نے صحیح بخاری پر ایک سرسری نظر دوڑائی تو ابن حجر کے اس استقراء کو غلط پایا۔ ابن راہویہ عام محدثین کی طرح صرف عن کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں، جیسے بخاری جلد اول صفحہ ۱۸ باب فصل من علم و علم میں امام بخاری لکھتے ہیں حدثنا اسحق عن ابی اسامہ حاشیہ بین السطور میں لکھا ہے کہ یہ ابن راہویہ ہیں۔ اور حاشیہ پر جہاں قسطلانی و تقریب وغیرہ سے اسماء الرجال کی تشریح ہے اس میں لکھتے ہیں کہ جب اسحق بغیر کسی نسبت کے ہو تو صحیح بخاری میں ابن راہویہ ہی مراد ہوں گے۔ جیسا کہ جبائی نے (سعید) ابن السکن کا قول نقل کیا ہے لیکن یہ بھی اس سرسری مطالعے میں غلط ہی ٹھہرا۔ اسی جلد اول صفحہ ۲۴

باب من خص العلم قوما دون قوم میں امام بخاری فرماتے ہیں حدثنا اسحٰق بن ابراہیم یہاں ولدیت کی تصریح موجود ہے، مگر شارح صاحب نے معین کر دیا کہ یہاں ابن راہویہ ہی مراد ہیں (اسحاق بن ابراہیم بن مخلد کے باپ ابراہیم کا لقب راہویہ تھا) اسی طرح صفحہ ٦ باب الا سیرو الغریم یربط فی المسجد میں اسحاق بن ابراہیم ولدیت کی تصریح کے ساتھ ہے، اور شارح و محشی دونوں کے نزدیک ابن راہویہ ہی مراد ہیں۔ باوجود اس کے کہ امام بخاری سات سات اسحٰق بن ابرہیم سے روایت کرتے ہیں۔ آگے چلئے صفحہ ۲۹ باب اذا شرب الکلب فی الا ناء میں حدثنا اسحٰق اخبرنا عبدالصمد ہے یہاں بلا اظہار نسبت ولدیت ہے۔ صرف اسحٰق۔ اور پھر صاف اخبرنا ہے اس لئے اسحٰق بن راہویہ کو یہاں ابن السکن ابو علی الجبائی، قسطلانی اور ابن حجر سب کے نزدیک بالاتفاق مراد ہونا چاہیئے۔ مگر اسماء الرجال والے حاشیہ میں جو قسطلانی سے ماخوذ ہے اس میں بھی اور فتح الباری میں بھی صاف انکار ہے کہ یہاں ابن راہویہ مراد نہیں ہیں بلکہ ابن منصور مراد ہیں۔ اور صفحہ ۵۳ باب مایستر من العورہ میں ہے۔ حدثنا اسحق ثنا یعقوب بن ابراہیم۔ مگر علامہ حجر فتح الباری میں یہاں باوجود "ثنا" ہونے کے جو حدثنا کا مخفف ہے۔ ابن راہویہ کے مراد ہونے کا بھی امکان ظاہر کرتے ہیں۔ ان مثالوں سے یہ صاف ظاہر ہے کہ صرف اسحٰق یا اسحاق بن ابراہیم سے کسی نام کا تعین جو شارحین حدیث کر دیتے ہیں وہ محض الکل پچوہی ہوتی ہے اور جو وجہ اس تعین کی وہ بیان کرتے ہیں، وہ صحیح نہیں ہوتی اور یہ تعین صرف اس لئے کر دیتے ہیں کہ امام بخاری جو پندرہ " اسحاق اور سات اسحٰق بن ابراہیم " سے روایت کرتے ہیں ان میں بعض اسحٰق اور بعض اسحاق بن ابراہیم مجروح و ناقابل اعتبار بھی ہیں اور امام بخاری اسی

لئے ایسے مواقع میں نسبت ولدیت کی ایسی تصریح نہیں کرتے جس سے کسی کی شخصیت معین ہوسکے۔ اگر وہ اس صحیح راوی کی شخصیت خود معین کر دیتے تو اس کی مجروحیت کی وجہ سے وہ روایت ناقابل اعتبار ٹھہر جاتی اور غلط نسبت ظاہر کرکے غلط شخصیت معین کر دیتے ہیں تو یہ کذب ہو جاتا ہے یہ خیال کرکے امام بخاری نے، نہیں۔ بلکہ ان کی کتاب میں ایسی حدیثوں کے داخل کر دینے والوں نے صرف اسحٰق یا اسحاق بن ابراہیم لکھ کر راوی کی شخصیت کو مبہم چھوڑ دیا تاکہ بعد والے حسن ظن سے کام لے کر کسی ثقہ ہی اسحٰق کو بطور خود متعین کرلیں۔ اگر بعد والوں کے بس میں ہوتا تو اس کا ذکر ہی نہ کرتے کہ فلاں فلاں مجروح اسحاق سے بھی امام بخاری نے روایت کی ہے۔ مگر کیا کریں کہ خود امام بخاری نے اپنی تاریخ کی کتابوں میں اپنے شیوخ کی تصریح کر دی ہے، اس لئے مجبور رہ گئے۔ اور دشواری یہ بھی تھی کہ اگر امام بخاری نے خود اپنے ان شیوخ پر کوئی جرح نہیں کی ہے۔ تو ان کے ہم عصروں نے یا ان کے بعض شیوخ نے جرحیں کی ہیں اور ان جرحوں کو شارحین بخاری چھپا نہیں سکتے تھے۔ لیکن متاخرین نے متقدمین کی ان جرحوں کی تاویلیں کرکے ان کو ہلکا کرنے کی کوششیں جہاں تک ہوسکیں ضرور کیں اور بعض متاخرین نے تو غیر مستند اسناد سے انھیں جارحین کی یا بعض دوسرے متقدمین کی توثیق بھی پیش کردی تاکہ ان جعلی تعدیلوں کے ذریعے ان جرحوں کو معتدل کیا جاسکے۔

امام بخاری بیس شیوخ سے روایت کرتے ہیں۔ فقط اسحٰق کی وساطت سے۔ اور ولدیت و نسبت کی مطلق تصریح بعض جگہ نہیں کرتے۔

۱۔ جریر بن عبدالحمید۔ ۲۔ حبان بن ہلال

۳۔ جعفر بن عون ۴۔ ابو اسامہ

۵- روح بن عبادہ
۶- عبدالرحمن بن مہدی
۷- عبدالصمد بن عبدالوارث
۸- عبدالرزاق
۹- عبدالقدوس بن الحجاج ابو المغیرہ
۱۰- عبیداللہ بن موسیٰ
۱۱- عیسیٰ بن یونس
۱۲- فضل بن موسیٰ
۱۳- ابو عامر العقدی
۱۴- عبدہ بن سلیمان
۱۵- معتمر بن سلیمان
۱۶- محمد بن المبارک الصوری
۱۷- نضر بن شمیل
۱۸- وہب بن جریر بن حازم
۱۹- یزید بن ہارون
۲۰- یعقوب بن ابراہیم۔

اس میں شک نہیں کہ ان بیس شیوخ کے تلامذہ کی فہرست سے پتا لگایا جاسکتا ہے کہ کن حضرت سے کون اسحق صاحب روایت کرتے ہیں کہ جیسے جریر بن عبدالحمید سے اسحق بن راہویہ ان سے روایت کرتے ہیں گو امکان کسی اور اسحاق کا بھی ہے، مگر تہذیب التہذیب میں جریر بن عبدالحمید کے تلامذہ میں صاف طور سے اسحق بن راہویہ بتصریح نسبت موجود ہے، اگرچہ چند ناموں کے بعد وخلق لکھ کر اس کا امکان باقی رکھا گیا ہے کہ دوسرے کسی اسحق نے بھی ان سے حدیثیں لی ہوں اور روایت کی ہوں ۔ لیکن جہاں ان شیوخ کے تلامذہ میں بھی صرف اسحق لکھ کر چھوڑ دیا گیا ہو، وہاں کس طرح پتا لگایا جائے گا؟ مثلاً یعقوب بن ابراہیم کے تلامذہ میں امام ذہبی اور حافظ ابن حجر دونوں ہی صرف اسحق لکھ کر چھوڑ دیتے ہیں ۔ اور یہ نہیں بتاتے کہ یہ کون اسحق ہیں۔ شاید کوئی یہ کہے کہ ہر اسحاق کے ترجمے میں دیکھ لو کہ وہ یعقوب بن ابراہیم سے روایت کرتا ہے یا نہیں؟ جو اسحق یعقوب بن ابراہیم سے روایت کرتا ہو بس سمجھ لو کہ جہاں حدثنا اسحق عن

یعقوب بن ابراہیم ہے وہاں وہی اسحق مراد ہیں۔ اسی طرح ان بیس شیوخ کے اسحاقوں کا بہ نہایت آسانی سے تصفیہ ہوسکتا ہے۔ مگر افسوس! کہ یہ طریقہ بھی کارآمد نہیں ثابت ہوسکتا۔ کیونکہ تقریباً اکانوے اسحاق ہیں جن سے صحاح میں حدیثیں مروی ہیں اور یہ اکانوے اور ان کے علاوہ ایک سو بتیس اسحاق سب ملا کر دو سو تیئس اسحاق ہیں جن سے صحاح کے باہر حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں سے جن کے شیوخ زیادہ ہیں ان کے شیوخ میں سے چند مشہور و معروف اور ثقہ شیوخ کے نام لکھ کر وجماعۃ یا وخلق یا وغیرہم لوگ لکھ دیا کرتے ہیں۔ اب اس جماعت یا خلق یا وغیرہم میں تو اتنی گنجائش ہے کہ ان کے ہم عصر سارے شیوخ سما سکتے ہیں۔ چنانچہ آپ دیکھئے کہ یعقوب بن ابراہیم کے ترجمے میں ان کے تلامذہ کی فہرست میں تو صرف اسحق لکھ کر چھوڑ دیا ہے۔ مگر یہ عَلَمْ ہے اسم جنس نہیں ہے کہ وہ سارے دو سو تیئس اسحاقوں کو آپ اس کی وجہ سے یعقوب بن ابراہیم کے تلامذہ قرار دے دیں۔ آپ کسی ایک ہی اسحاق کو معین فرمائیں گے شارحین حدیث میں سے ابن حجر کے سوا دوسروں نے اسحق بن منصور یا ابن راہویہ لکھا ہے تو اب دیکھئے۔ ابن راہویہ اور ابن منصور دونوں کے تراجم میں دونوں کے متعدد شیوخ کے نام ابن حجر بھی لکھتے ہیں اور امام ذہبی بھی۔ مگر کوئی بھی دونوں میں سے کسی کے ترجمے میں ان کے شیوخ کی فہرست میں غریب یعقوب بن ابراہیم کا نام نہیں لکھتے تو اب بتائیے کہ حدثنا اسحق عن یعقوب بن ابراہیم جہاں ہو وہاں کس طرح پتا لگایا جائے کہ یہ کون اسحق ہیں۔ آپ کے بتائے ہوئے طریقے سے بھی تو کچھ کام نہ چلا۔ مگر میں تو آج اس کا بیڑا اٹھا چکا ہوں کہ امام بخاری کا یہ مبہم اسحاق والا معمہ حل کر کے رہوں گا۔ تو سنئے!

یہ نہ اسحق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ ہیں اور نہ یہ اسحق بن منصور متوفی ۲۵۱ھ ہیں۔ یہ دونوں مروزی تھے۔ یعنی مرو کے رہنے والے تھے اور دونوں ہی اواخر عمر میں نیساپور آکر بس گئے تھے۔ غرض یہ دونوں ہم وطن تھے اور ہم وطن رہے۔ اسحق بن منصور چھوٹے تھے، اسی لئے یہ اسحق بن راہویہ سے روایت بھی کرتے ہیں اور ان کے خاص شاگرد ہیں۔

٭ مرو- خراسان کا ایک قصبہ نیساپور سے ستر میل کے فاصلے پر واقع تھا مگر ہم مثلہ معہ والی حدیث کی تنقید میں لکھ چکے ہیں کہ نیساپور وضاعین و کذابین کا ایک بڑا مرکز تھا اور وہاں حدیثوں کی روایت کا بازار بہت گرم رہا کرتا تھا، اس لئے اکثر محدثین وہاں کھنچ جاتے تھے۔ یہ دونوں ابن راہویہ اور ابن منصور بھی مرو سے وہاں پہنچ گئے۔ اور وہیں رہے۔ ان دونوں کے شیوخ میں اہل مدینہ میں سے آپ کسی کو بھی نہیں پائینگے۔ لے دیکھے ایک راوی یعنی عبدالعزیز بن محمد بن عبید بن ابی العبید الخراسانی کا نام آتا ہے، جن کو مدنی کہتے ہیں۔ چونکہ یہ مدینے میں آکر رہ گئے تھے۔ انکی مادری زبان فارسی تھی۔ مدینے آئے تو عربی بولنے اور سمجھنے کی مشق کرنے لگے، ابھی پوری طرح عربی زبان آئی بھی نہ تھی کہ لگے لوگوں کی دیکھا دیکھی حدیثیں روایت کرنے تو مغیرہ بن عبدالرحمان المدنی نے جو انھیں دیکھا کہ حروف کے تلفظ اور محاورات کے استعمال میں اور پھر اعراب و کلمات میں بھی بہت غلطیاں کیا کرتے ہیں تو ان کو حدیثیں روایت کرنے سے منع کیا اور کہا کہ انک کنت الی لسانک احرج منک الی هذا یعنی تم اپنی زبان درست کرو، صحیح عربی بولنے کی مشق کرو، تمھیں حدیثیں روایت کرنے سے اس کی زیادہ ضرورت ہے۔ یہ واقعہ صاف بتارہاہے کہ یہ مدینے میں نووارد تھے، ابن سعد آخر واقدی ہی کے کاتب تھے۔ انہوں نے لکھ دیا

کہ یہ مدنی ہیں۔ مدینہ ہی میں پیدا ہوئے اور مدینہ ہی میں رہے، ان کے آباؤ اجداد خراسانی تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو عربی انکی مادری زبان ہوتی، ور عربی بولنے میں ان سے زیادہ غلطیاں نہ ہوا کرتیں۔ غرض چونکہ ابن راہویہ بھی خراسانی تھے، اس لئے ابن راہویہ کا سلسلہ روایت جو ان سے یاران طریقت نے جوڑ دیا وہ اسی مناسبت سے۔ ورنہ آپ دیکھیں کہ ابن راہویہ اور ابن منصور دونوں میں سے کوئی بھی کوفی، بصری، شامی، رازی، صنعانی، حرانی وغیرہ کے سوا کسی عربی الاصل مدنی، مکی سے روایت نہیں کرتا۔ یعقوب بن ابراہیم بن سعد جو خالص مدنی ہیں، ان سے حدیثیں لینے کا موقع ان خراسانیوں کو جو مرو سے اٹھے تو نیشاپور میں آلبے، کب اور کہاں ملا؟ یعقوب بن ابراہیم کا مرو یا نیشاپور جانا ثابت نہیں۔ اور ابن راہویہ یا ابن منصور اگر مدینے آئے تھے تو کس زمانے میں آئے تھے۔ یعقوب بن ابراہیم کی وفات ۲۰۸ھ میں ہوئی۔ ابن راہویہ کی ولادت ۱۶۶ھ میں اور وفات ۲۳۸ھ میں ہوئی۔ یعقوب کی وفات کے وقت اگرچہ ابن راہویہ تیس برس کے تھے مگر یہ اس وقت غالباً مرو سے نیساپور بھی نہ آئے ہوں گے اور ابن منصور ابن راہویہ سے بہت چھوٹے تھے، ان کی وفات ۲۵۱ھ میں ہوئی۔ اگر یہ دونوں مدینے آئے ہوتے تو صرف یعقوب بن ابراہیم ہی سے کیوں حدیثیں لیتے؟ اس وقت مدینے میں اور بھی اکابر محدثین موجود تھے۔ یعقوب بن ابراہیم سے پہلے وفات پانیوالوں میں مثلاً معنی بن عیسیٰ بن یحییٰ ابو یحییٰ المدنی القزاز متوفی ۱۹۸ھ اور محدث المدینہ ابوا سمعیل محمد بن اسماعیل بن مسلم بن ابی فدیک دینار الدیلمی المدنی متوفی ۲۰۰ھ اسماعیل بن ابی اویس المدنی محدث المدینہ متوفی ۲۲۶ھ وغیرہما۔ اور یہ وہ، اکابر محدثین ہیں جن سے بخاری و مسلم و دارمی وغیرہم بڑے بڑے محدثین

حدیثیں روایت کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کو کیوں ابن راہویہ اور ابن منصور نے چھوڑ دیا؟ ان میں سے کسی سے تو دو ایک حدیثیں لی ہوتی۔ کیا یہ دونوں مرو سے یا نیساپور سے مدینے آئے تھے صرف یعقوب بن ابراہیم سے کچھ حدیثیں لینے کے لئے اور یعقوب کے سوا کسی دوسرے کو اس قابل بھی نہ سمجھے کہ اس کی بھی کچھ حدیثیں لے لیں۔

اصل حقیقت:۔ یہ ہے کہ یہ "اسحاق" جن سے امام بخاری روایت کرتے ہیں اور وہ یعقوب بن ابراہیم سے روایت کرتے ہیں، وہ نہ اسحاق بن راہویہ ہیں اور نہ اسحاق بن منصور۔ بلکہ وہ اسحٰق بن محمد بن اسماعیل بن ابی فروہ المدنی الاموی مولی عثمان ہیں۔ یہ بھی مدنی ہیں اور یعقوب بن ابراہیم بھی مدنی ہیں۔ اس لئے ان کو یعقوب بن ابراہیم سے حدیثیں لینے کا بہت کافی موقع ملا۔ دیکھئے یہ یعقوب بن ابراہیم المدنی سے روایت کر رہے ہیں تو دوسرے مدنی ائمہ حدیث سے بھی روایت کر رہے ہیں۔ مثلاً امام مالک سے روایت کرتے ہیں۔ سلیمان بن بلال المدنی متوفی ۱۷۲ھ سے بھی روایت کرتے ہیں اور محمد بن جعفر بن ابی کثیر الانصاری الزرقی مولاہم المدنی سے بھی روایت کرتے ہیں۔ اور اس لئے یقیناً یعقوب بن ابراہیم المدنی سے بھی روایت کرنے والے یہی اسحاق بن محمد المدنی ہوسکتے ہیں اور ان سے امام بخاری کی روایت حدیث مشہور ہے، تمام ائمہ رجال کو اس کا اعتراف ہے، چونکہ خود امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں اس کا ذکر کر دیا ہے۔ لیکن یہ ہیں بہت مجروح۔ اسی لیئے امام بخاری کے زمانے ہی میں ان سے حدیثیں روایت کرنے پر امام بخاریؒ کو ان شیوخ اور ہم عصروں نے زجر و توبیخ شروع کردی تھی، اسی لئے امام بخاریؒ نے بعد کو احتیاط شروع کر دی اور جب ان کی کوئی حدیث لکھنے لگے تو صرف حدثنا اسحٰق لکھ

۵۔ "تہذیب التہذیب جلد ۱، صفحہ ۲۴۸ ترجمہ اسحاق بن محمد بن اسماعیل بن ابی فروہ۔"

کر چھوڑ دیا اور ولدیت و سکونت کی نسبت کا اظہار ہی نہ کیا، تاکہ کسی کو یہ نہ معلوم ہو کہ یہ کون سے اسحاق ہیں، مگر صرف اسحاق لکھنے سے یہ معلوم ہوگیا کہ یہ ابن ابراہیم نہیں ہیں۔ اگر کسی مجروح اسحاق بن ابراہیم سے روایت کرتے ہیں تو صرف اسحاق بن ابراہیم لکھتے ہیں۔

ان اسحٰق بن محمد بن اسماعیل (جن سے امام بخاری یہ حدیث روایت کر رہے ہیں) کے بارے میں امام ابو داؤد صاحب السنن سے کسی نے پوچھا تو انھوں نے ان کو واہی قرار دیا اور جو حدیث یہ امام مالکؒ اور عبید اللہ سے اور وہ زہری سے روایت کرتے ہیں، اس کے متعلق انھوں نے کہا کہ وہ حدیث نہ امام مالک کی ہے نہ عبید اللہ کی اور نہ زہری کی اور نہ یحییٰ بن سعید کی (جس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ حدیث انھوں نے ان لوگوں کے سر تھوپی) اور نسائی نے ان کو متروک الحدیث قرار دیا ہے اور دار قطنی نے ضعیف کہا ہے۔ حاکم نے کہا کہ امام بخاری نے جو ان حدیثوں سے روایت کی ہے تو لوگوں نے اس پر چشمکیں کی ہیں۔ ساجی نے اقرار کیا ہے کہ ان میں ضعف ہے۔ امام مالک سے تنہا ایسی بہت سی حدیثیں بیان کرتے ہیں۔ جن کو اور کوئی نہیں بیان کرتا (تہذیب التہذیب جلد اول صفحہ ۲۴۸) امام بخاریؒ کا لحاظ کرتے ہوئے لوگوں نے ان پر جرحیں کم کیں اور کم لکھیں، ورنہ یہ زیادہ جرح کے مستحق تھے۔

تو امام بخاریؒ کے حدثنا اسحٰق کا معمہ تو حل ہوگیا۔ ان کے بعد یعقوب بن ابراہیم پھر ان کے والد ماجد ابراہیم بن سعد ہیں ان کے بعد پھر صرف صالح غیر منسوب کا نام آتا ہے۔ نہیں معلوم یہ کون صالح ہیں۔ شارحین بخاری نے جھٹ صالح بن کیسان کا نام لکھدیا اور اس علم نکرہ کو معرفہ بنا کر غیر معین کو معین کر دیا۔ حالانکہ صالح نام کے اور بھی ایسے لوگ ہیں، جن

سے زہری نے روایت کی ہے یا کر سکتے تھے جو صالح بن کیسان کے ہم عصر تھے ۔ صالح بن کیسان مدنی تھے تو ان کے ہم عصر مدینے ہی میں صالح بن محمد بن زائدہ بھی تھے ۔ اور صالح بن ابی الاخضر الیمامی کی تو زہری سے روایت کا ذکر خود ابن حجر نے تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۳۸۰ میں کیا ہے، لیکن چونکہ صالح بن ابی الاخضر اور صالح بن محمد بن زائدہ مجروح، غیر ثقہ وغیرہ ہیں، اس لئے جب ان سے روایت ہوئی تو ان کے نام کو مبہم چھوڑ دیا گیا تاکہ شخصیت کا تعین نہ ہو سکے اور بعد والے حسن ظن سے کام لے کر کسی ثقہ صالح کا نام یہاں چسپاں کر دیں محدثین کا تو یہ اصول رہا ہے اور رہنا بھی چاہیئے کہ جہاں ایک نام کے متعدد ہمعصر راوی ہوں اور التباس و اشتباہ کا خطرہ ہو تو ایسے راوی کی ولدیت و سکونت وغیرہ کی تصریح کر کے اس کی شخصیت کو متعین کر دیتے ہیں۔ نہ کہ خاص کر ایسے ہی مواقع میں نام کو بلا تصریح نسبت مبہم چھوڑیں۔ جہاں التباس و اشتباہ کا خطرہ ہو۔ یہ تو اسی وقت محدثین کرتے ہیں، جب راوی مجروح غیر ثقہ ہو تو اس کی شخصیت کو چھپانے کے لئے اس کے نام کو مبہم چھوڑ دیتے ہیں جیسا کہ امام بخاری نے ایسا اور بھی متعدد جگہ کیا ہے، جس کا اعتراف خود ابن حجر وغیرہ ائمہ رجال نے کیا ہے۔

چنانچہ ابن حجر ہی لکھتے ہیں کہ ابو علی الجیانی نے کہا کہ بخاری نے اپنی جامع صحیح میں جو بغیر کسی نسبت کے صرف احمد کہہ کر ابن وہب سے روایت کی ہے وہ احمد بن عبدالرحمن ابو عبداللہ ہیں۔ اس کے بعد اور اس کے پہلے احمد بن عبدالرحمن کے متعلق جو اقوال ائمہ جرح و تعدیل کے ہیں، ان کو نقل کیا ہے ۔ لکھتے ہیں کہ ابن عدی نے ان کو ضعیف کہا ہے اور ان کی کچھ منکر حدیثیں بھی نقل کی ہیں۔ یہ اپنے چچا عبداللہ بن وہب

بن مسلم القرشی (مولاہم) سے ایسی بہت سی حدیثیں روایت کرتے تھے جن کو ان کے سوا اور کوئی روایت نہیں کرتا تھا۔ جن میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے ۔ جو کہ بروایت امام مالک اپنے چچا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازوں میں سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ باآواز بلند پڑھا کرتے تھے اور ایک حدیث یہ بھی ہے کہ جہاد اگر کسی کے گھر کے دروازے پر بھی پہنچ جائے تو اپنے والدین کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ نکلے ۔ اور اس طرح کی اور بھی کئی من گھڑت حدیثیں نقل کی ہیں ابو شجی نے آخر ان کے متعلق ہی کہا ہے کہ فهذا كذاب۔ مگر پھر بخیال امام بخاری کسی نے کہا کہ ان کی منکر حدیثیں متحمل تاویل ہیں ۔ کسی نے کہا کہ ممکن ہے کہ ان کے چچا نے ان کو خصوصیت کے ساتھ کچھ حدیثیں دی ہوں جو دوسروں کو نہیں دیں کسی نے کہا کہ انھوں نے ان منکر حدیثوں سے رجوع کر لیا تھا۔ بہر حال امام بخاری ان کے حال سے باخبر تھے ۔ اور یہ بھی جانتے تھے کہ دوسرے لوگ بھی ان سے واقف ہیں ۔ اس لئے ان کے نام کی تصریح نہ کی اور صرف احمد کہہ کر چھوڑ دیا۔

اسی طرح محمد بن یحییٰ بن عبداللہ بن خالد الذہلی النیساپوری جنھوں نے ابن الشہاب زہری کی حدیثوں کو جمع کر کے ایک بڑا مجموعہ الزہریات کے نام سے تیار کیا تھا۔ اس لیئے محدثین میں ان کی ایک ممتاز حیثیت ہوگئی، اب ان پر کون جرح کر سکتا تھا۔ مگر معلوم نہیں کہ معاصرانہ چشمک کی وجہ سے، یا ان کی کوئی ایسی بات معلوم ہوگئی جو اوروں سے پوشیدہ رہی کہ باوجود ہم وطن ہونے کے امام مسلم نے ان سے ایک حدیث بھی نہیں لی۔ اور امام بخاری نے لینے کو تو ان سے ۳۴ حدیثیں لیں مگر ان کے نام کو یا تو بغیر کسی نسبت کے مبہم رکھا اور صرف حدثنا محمد کہہ کر چھوڑ دیا، یا اگر

ولدیت ظاہر بھی کی تو باپ کی جگہ دادا کا نام رکھ دیا اور محمد بن عبداللہ کہا، یا صرف پردادا کا نام ظاہر کیا اور محمد بن خالد کہا ۔ حالانکہ سات سات محمد بن عبداللہ سے اور تین تین محمد بن خالد سے، اور بھی امام بخاریؒ حدیثیں روایت کر رہے ہیں ۔ کیا وہ اتنا نہیں سمجھ سکتے تھے کہ محمد بن عبداللہ یا محمد بن خالد کہنے سے محمد بن یحییٰ الذہلی کبھی نہیں سمجھے جاسکتے اور دوسرے محمد بن عبداللہ اور محمد بن خالد خواہ مخواہ سمجھے جائیں گے مگر پھر اس طرح کا التباس جانتے بوجھتے انھوں نے کیوں پیدا کیا؟ یقیناً اسی لئے کہ محمد بن یحییٰ الذہلی کی شخصیت کو واضح کرنا نہیں چاہتے تھے ۔ چاہے وہ جس وجہ سے بھی ہو اور اس طرح کی متعدد مثالیں میں اور بھی پیش کر سکتا ہوں، مگر طوالت تحریر سے ڈرتا ہوں ۔ مختصر یہ ہے کہ امام بخاری کے ساتھ یہ محض سوءظن نہیں ہے کہ راویوں کے ناموں کے ساتھ وہ اسی طرح تدلیس کیا کرتے تھے اور یہاں تو بالخصوص اسحٰق کے نام میں کھلی ہوئی تدلیس ہے اور پھر صالح کے نام میں بھی ۔ کیونکہ امام بخاریؒ ایسے دس راویوں سے روایت کرتے تھے جن کا نام صالح تھا، جن میں بعض ضعفاء و مجروحین بھی تھے ۔ ان دس میں سے کسی سے بلا واسطہ خود روایت کرتے تھے اور کسی سے بالواسطہ ۔ تو پھر صرف "صالح" بغیر تصریح ولدیت و سکونت کہدینا لوگوں کو قصداً اشتباہ میں ڈالنا نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

"صالح" کے بعد ابن شہاب زہری ہیں، جن سے آپ خوب واقف ہو چکے زہری کے بعد سعید ابن المسیب ہیں جو بڑے لوگوں میں سمجھے جاتے ہیں، مگر سنیوں میں سنی اور شیعوں میں شیعہ بنے رہے، چنانچہ شیعوں کی سب سے زیادہ مستند کتاب حدیث اصول کافی ص ۳۰۰ مطبوعہ نولکشور میں ہے کہ یہ حضرت علی بن الحسینؓ (زین العابدین) کے خاص معتمد علیہ لوگوں میں

سے تھے ۔ اسی لئے شیعوں کی کتب رجال میں ان کی توثیق مذکور ہے ۔ بہر حال نہ سعید بن المسیب پر میرا الزام ہے نہ حضرت ابوہریرہؓ پر جن سے ابن المسیب اس حدیث کو روایت کر رہے ہیں ۔ ان بے گناہوں پر تو یہ حدیث خواہ مخواہ تھوپی گئی ہے ۔ اس کے ذمہ دار ابن شہاب زہری ہیں یا وہی امام بخاریؒ کے شیخ اسحاق صاحب، لیکن زیادہ قرینہ یہی ہے کہ زہری ہی سے یہ من گھڑت حدیث دوسری من گھڑت حدیثوں کی طرح پھیلی ۔ چنانچہ صحیح بخاری کی دوسری حدیث بھی زہری ہی سے لوگوں کو ملی ۔ اس دوسری حدیث کو بھی دیکھ لیجئے ۔

بخاری کی دوسری حدیث:۔ دوسری حدیث کا سلسلہ روایت یہ ہے امام بخاری، ابن بکیر، لیث، یونس، ابن شہاب، نافع، مولی ابن قتادہ انصاری ۔ سب سے پہلے یہ کہدینا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہاں لیث اور یونس کے بھی صرف نام ہیں، بغیر اظہار ولدیت وغیرہ کے ۔ مگر یہاں وہ صورت اسحاق اور صالح کی نہیں ہے ۔ کیونکہ امام بخاریؒ بلاواسطہ لیث بن سعد کے سوا کسی دوسرے لیث سے روایت نہیں کرتے تھے اس لئے یہاں التباس و اشتباہ کا کوئی خطرہ نہ تھا ۔ اسی طرح لیث بن سعد، یونس بن یزید الایلی کے سوا اور کسی دوسرے یونس سے روایت نہیں کرتے تھے اس لئے یہاں بھی صرف یونس لکھ دینے سے وہی یونس بن یزید ہی سمجھے جائیں گے کوئی دوسرے یونس نہیں سمجھے جاسکتے ۔

تو اس دوسری حدیث کو امام بخاریؒ ابن بکیر سے روایت کرتے ہیں ۔ ان کا پورا نام یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر المصری ہے ۔ قریش کے موالی میں سے (غلام آزاد کردہ) تھے ۔ ابو حاتم نے ان کے متعلق کہا کہ ان کی حدیث لکھ لی جائے ۔ مگر وہ سند حجت نہیں ہے ۔ نسائی نے ان کو ضعیف اور لیس

بتقہ کہا یحییٰ بن سعید نے کہا کہ لیس بشئی یہ کچھ بھی نہیں ہیں، خود امام بخاری نے تاریخ صغیر میں لکھا ہے کہ تاریخ میں ابن بکیر نے جو کچھ اہل حجاز سے کہا ہے، میں اس کی نفی کرتا ہوں - امام مالکؒ سے یہ ایسی ایسی حدیثیں روایت کرتے ہیں جو اور کسی کے پاس نہیں- اسی طرح لیث بن سعد سے بھی یہ ایسی بہت سی حدیثیں روایت کرتے ہیں جو اور کوئی بھی روایت نہیں کرتا- لیث بن سعد کے یہ ہم وطن ضرور تھے، بلکہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ لیث کے پڑوسی تھے- مگر لیث کی وفات کے وقت یہ صرف بیس اکیس برس کے تھے اور یہ دن رات لیث کے ساتھ بھی نہیں رہے، مگر ابو صالح عبداللہ بن صالح تو خاص کاتب تھے- لیث بن سعد کے، ان کے پاس تو وہ حدیثیں ہوتیں، مگر یہ ایسی ایسی حدیثیں لیث کی طرف منسوب کرکے روایت کرتے تھے- جو کاتب اللیث ابو صالح کے پاس بھی نہ تھیں- ان کو تو امام مالکؒ سے موطا بھی سننے کا موقع نہ ملا - انھوں نے حبیب بن ابی حبیب کاتب امام مالکؒ جو اول درجے کا رافضی خبیث اور مشہور کذاب تھا- جلد بندی کا کام کرتا تھا- اور جس محدث نے اپنی کتاب جلد بندی کے لئے دی اس کی کتاب میں گھٹاؤ بڑھاؤ اور ردو بدل کر دیا کرتا تھا دیکھئے لسان المیزان و میزان الاعتدال ترجمہ حبیب بن ابی حبیب اسی کو انہوں نے موطا سنائی یا اسی سے سنی - مگر امام مالک سے ایسی ایسی حدیثیں ان کو خدا جانے کہاں سے مل گئیں جو انھیں کے پاس تھیں غالباً وہ حدیثیں بھی حبیب بن ابی حبیب ہی سے حاصل کی ہونگی یا خود ساختہ ہوں - لیکن امام بخاریؒ کے استاد تھے اس لئے ان پر جو جرحیں بھی کیں تو دبی زبان سے- کیونکہ متقدیں اپنی کتابوں میں لکھ گئے تھے، ان جرحوں کو چھپا نہ سکے - مگر متاخرین میں سے ابن قانع مصری متوفی ۳۵۱ ھ جو خود ضعیف و منکر

الحدیث و متروک الحدیث تھے، جن کی حدیثوں میں بقول ابن حزم کذب و وضع بھی بہت تھا - (لسان المیزان ج ۳ ص ۳۸۳) اور خلیلی یعنی ابو یعلی الخلیل بن عبداللہ بن احمد القزوینی متوفی ۴۴۶ ھ نے ان کو بخیال امام بخاری صرف ثقہ لکھدیا ہے - تو آپ کا تعارف ابن بکیر سے تو ہوچکا - اب لیث بن سعد بن عبدالرحمن الفہمی (ولادت ۹۴ ھ وفات ۱۷۵ھ) کے دامن و ثاقت کے آلودہ جرح نہ ہونے سے دھوکا نہ کھانا چاہیئے، لیکن یہ یاد رہے کہ یہ باوجود اپنی وثاقت و صداقت کے شیوخ کے انتخاب میں اور حدیثوں کے سننے میں تساہل برتتے تھے (تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۴۶۵) چنانچہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ یونس بن یزید الایلی سے اس حدیث کو روایت کر رہے ہیں، اگر واقعی روایت کر رہے ہیں، اور یہ حدیث ابن بکیر کی خود ساختہ نہیں ہے تو اب یونس بن الایلی کا حال سن لیجئے- یہ ابن شہاب زہری کے ہم وطن تھے - اور ان کے رفیق خاص تھے، مگر بقول امام احمد بن حنبل منکر الحدیث تھے- منکر حدیثیں بہت روایت کیا کرتے تھے - [*] ابن شہاب کی حدیثوں میں ان کو محدثین نے سب سے زیادہ ضعیف قرار دیا ہے- ابن سعد کہتے ہیں کہ ان کی حدیثیں حجت و سند نہیں ہیں- مصر کے قریب ۱۵۹ ھ میں وفات پائی- ان کے بعد ابن شہاب زہری ہیں جن سے آپ واقف ہیں - انہیں سے پہلی حدیث بھی مروی تھی اور یہ دوسری حدیث بھی انہیں سے مروی ہے، مگر وہ سعید بن المسیب کے سر تھوپی گئی تھی- اس کو نافع بن عباس یا ابن عیاش کے سر تھوپا گیا ہے - ان کو "مولیٰ ابی قتادہ انصاری" کہتے ہیں" چونکہ ان کے ساتھ رہتے تھے - غالباً یہاں مولیٰ بمعنی رفیق اور دوست کے ہوں ورنہ یہ بنی غفار کی ایک انصاریہ کے غلام آزاد کردہ تھے-

[*] لیث بن سعد سے یحییٰ بن سعید القطان بھی سوء ظن رکھتے تھے جس کا ذکر امام احمد بن حنبل نے اپنے صاحبزادے عبداللہ سے کیا- (میزان الاعتدال ج ۱ ص: ۲۱۳) ترجمہ حجاج بن ارطاۃ

غرض ایک حدیث تو حضرت ابو ہریرہؓ نے سعید بن المسیب سے بیان
کی ہے اور دوسری حدیث لگا رکھی ایک ایسی شخص سے جس سے صرف یہی
دوسری حدیث کہی اور کوئی حدیث اس سے کبھی بیان نہیں کی ۔ بہر حال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق بقول ابن
شہاب زہری (اس لئے کہ دونوں حدیثیں ابن شہاب ہی سے مروی ہیں) دو
باتیں ابو ہریرہؓ سے کہی تھیں۔ (پہلی حدیث) ایک تو یہ کہ وہ آئیں گے تو
ان کی کیا حیثیت ہوگی اور وہ کیا کیا کریں گے۔ تو فرمایا کہ وہ ایک عادل حکم
ہوں گے، صلیب کو توڑیں گے، سور کو قتل کریں گے ۔ جزیہ کو (یا حرب) کو
روک دیں گے، اور اتنا مال لٹائیں گے کہ کوئی لینے والا نہ ہوگا۔ یہاں تک
کہ ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا، اس حدیث کو ابو ہریرہ نے سعید بن
المسیب سے بیان کیا ۔ دوسری حدیث کو بقول ابن شہاب رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت تم کس طرح ہوگے۔ جب کہ ابن
مریم تم میں اتریںگے اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا۔ دونوں باتیں جب
حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی سے متعلق تھیں تو جس طرح رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے دونوں باتیں ابو ہریرہؓ سے کہی تھیں اسی طرح ابو ہریرہ کو
بھی لازم تھا کہ جس سے کہتے دونوں باتیں کہتے تاکہ ان کے ہر شاگرد کو
حضرت عیسیٰؑ کے متعلق دونوں حدیثیں معلوم رہتیں۔ انھوں نے ایسا
کیوں کیا کہ ایک حدیث ایک سے کہی اور دوسری حدیث دوسرے سے، یہ
بھی عجیب و غریب بات ہے۔

اصول حدیث:۔ کسی حدیث کے صحیح و غلط ہونے کا اگر کوئی معیار صحیح
ہوسکتا ہے تو وہ ایک ہی معیار ہے ۔ یعنی اگر وہ حدیث عقائد و عبادات اور
تعلیم اصول اخلاق و معاملات سے متعلق ہے تو اس کا نص قرآنی کے

مطابق ہونا ضروری ہے اور اگر محض دنیاوی کسی ایسی بات سے متعلق ہے
جس کا لگاؤ دینی امور سے نہیں ۔ تو اگر وہ عقل قرآنی و درایت قرآنیہ کے
مطابق ہے جب ہی اس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف
صحیح تسلیم کی جاسکتی ہے۔

لیکن یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ جو حدیث نص قرآنی کے بالکل مطابق
ہو اور عقل و درایت قرآنیہ کے بھی خلاف نہ ہو وہ صحیح ہی ہو ۔ چنانچہ
ائمہ حدیث کی کتب موضوعات میں ایسی بہت سی حدیثیں ملیں گی جو نہ
قرآن کے خلاف ہیں، نہ قرآنی عقل و درایت کے خلاف مگر محدثین نے
ان کو دوسرے اسباب کی بناء پر موضوع قرار دیا ہے۔ ان میں اکثر وہی
حدیثیں ہیں جن کے راوی مجروح ہیں یا مجہول ۔

اس کو بھی خود محدثین نے تسلیم کر لیا ہے کہ کسی حدیث کا صحیح الاسناد ہونا
اس کی صحت ثابت کرنے کے لئے کوئی قطعی دلیل نہیں ۔ کیونکہ جھوٹی
حدیثیں بنانے والے جھوٹے اسناد بھی بنا سکتے تھے اور بناتے تھے ۔ من
گھڑت حدیثیں عالی اسناد کے ساتھ محدثین کی کتابوں میں داخل کر دیا کرتے
تھے ۔ اکابر محدثین کے شاگرد بن کر ان کے ساتھ رہ کر ان کے مسودات
میں رد و بدل اور کمی و بیشی کے علاوہ مستقل حدیثیں بھی بڑھا دیا کرتے
تھے اس سے کوئی ایسا شخص جس نے فن حدیث سے کسی حد تک بھی
واقفیت حاصل کی ہو، انکار نہیں کر سکتا۔ اسی طرح صرف اس لئے کہ کسی
حدیث کے بعض راوی مجروح یا وضاع و کذاب ہیں۔ اگر وہ قرآنی درایت
کے مطابق ہے تو اس کو قطعی طور سے موضوع و غلط نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ
کوئی جھوٹے سے جھوٹا شخص ہر بات جھوٹی ہی نہیں بولتا کبھی وہ کوئی سچی بات
بھی ضرور بولتا ہے۔

اس تمہید کا خلاصہ یہ ہے کہ کوئی حدیث بھی جو موجودہ کتب احادیث میں ہے، چاہے وہ صحاح ستہ ہی نہیں بلکہ ساری کتب احادیث کی متفق علیہ ہی کیوں نہ ہو۔ اس وقت تک صحیح نہیں کہی جاسکتی جب تک درایت قرآنیہ اس کی صحت پر مہر تصدیق ثبت نہ کردے۔ مگر پھر بھی اس کی قطعیت آیات قرآنیہ کی قطعیت کے پاسنگ کو بھی نہیں پہنچ سکتی، کیونکہ ایسی مطابق قرآن صحیح حدیثوں میں جو قطعیت آئی ہے، وہ بھی درحقیقت ظنی ہی ہے۔ جیساکہ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ مطابق قرآن و درایت حدیثیں بھی موضوع ہوسکتی ہیں اور محدثین کے نزدیک ایسی کچھ حدیثیں موضوع سمجھی جاتی ہیں۔ البتہ تمام کتب حدیث کا یا صحاح ستہ کا بالاتفاق کسی مطابق قرآن و درایت حدیث کا روایت کرنا اس بات کا ظن غالب پیدا کرتا ہے کہ یہ حدیث واقعی حدیث رسول ؐ ہو، اور اس میں جو کسی قدر قطعیت کی جھلک آئے گی تو وہ قرآن مبین کے آفتاب قطعیت کا انعکاس ہی سمجھی جائیگی عجمی منافقین و ملاحدہ کی گہری سازش کا ذکر بار بار آچکا ہے۔ میرا مضمون حدیث مثلہ معہ کی تنقید پر چھپ چکا ہے، اس میں "منافقین کے مراکز" کے عنوان کے ماتحت میں نے ان شہروں کی نشاندہی کی ہے۔ جہاں جہاں ان مفسدین نے اپنے مراکز بنائے تھے، ان میں خراسان سب سے پہلا مرکز اور سب سے بڑا تھا۔ اور وہ برابر ہر فتنے کا مرکز بنا رہا، پھر کوفہ و بصرہ اور شام و عراق کے اکثر شہر چھوٹے بڑے مرکز بنتے گئے۔ جن میں کچھ مستقل ٹکسال تھے جہاں حدیثوں کے گھڑنے کے بڑے بڑے کارخانے تھے اور بعض مقامات اشاعت گاہیں تھیں۔ اس لئے جس موضوع پر بہت سی حدیثیں ملیں اور کثرت طرق پیدا کرکے بزعم خود ان کو متواتر ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے اگر وہ مخالف قرآن و خلاف

درایت قرآنیہ حدیث ہے تو یقیناً اس کے راویوں میں عجمیوں، خراسانیوں، کوفیوں، بصریوں، شامیوں، عراقیوں اور مصریوں کی آپ کثرت پائیں گے، اور اس حدیث کے تمام طرق کے راویوں کا سلسلہ ملا کر دیکھیں گے تو یہ بات صاف معلوم ہو جائے گی کہ منافقین عجم کے مراکز کی یہ متفقہ سازش کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ نزول عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے متعلق بھی جو حدیثیں ان منافقین عجم نے گھڑیں ان کے طرق روایت اور راویوں کے سلسلوں پر نگاہ ڈالئے تو حقیقت کھل جائے گی۔

سب سے پہلے یہ دیکھئے کہ منافقین عجم نے سلسلہ روایت کو آخر تک پہنچانے کے لئے کن کن صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام استعمال کیئے ہیں؟ اگر وہ من گھڑت حدیثیں خلافت بنی عباس کے زمانے میں گھڑی گئی ہیں تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا نام ضرور ہوگا اور اگر خلافت بنی امیہ کے زمانے میں وہ حدیثیں گھڑی گئی ہیں تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کا نام ضرور آئے گا۔ اور پھر کثرت طرق ثابت کرنے کے لئے حضرت ابو ہریرہؓ کے نام کو تو عموماً یہ مفسدین ہر زمانے میں استعمال کرتے رہے ان کے علاوہ بعض اصاغر صحابہ" خصوصاً وہ جو کوفہ یا بصرہ یا شام کے علاقوں میں آبسے تھے، ان لوگوں کے نام خوب خوب استعمال کئے گئے۔ بلکہ کتنے صحابہ بھی گھڑے گئے۔ یعنی درحقیقت ان ناموں کی کوئی شخصیت صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت میں تھی ہی نہیں۔ مگر ایک نام گھڑ کر ان کو صحابی قرار دے کر ان کی طرف سلسلہ روایت کو کھینچ کر پہنچا دیا گیا۔ اس قسم کی دلیری کوفہ وغیرہ کے بعض متقدمین نے کی ہے۔ چنانچہ نزول عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے متعلق بھی جو حدیثیں گھڑی گئیں تو حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت جابر بن عبداللہ، ابو

سریحہ حذیفہ بن اسید اور نواس بن سمعان کی طرف منسوب کی گئیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ غزوہ خیبر سے کچھ پہلے ۶ھ میں مشرف با اسلام ہوئے تھے اور صرف پانچ برس یا دو ایک ماہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے مستفیض ہوئے مگر جو لوگ تیئس سال تک برابر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور ساعۃ العسرہ سے لے کر عہد حکومت و امارت تک، یہاں تک کہ وفات نبویؐ تک ساتھ رہے، ان میں سب سے زیادہ حدیثیں انھیں کو یاد تھیں۔ دفع دخل کے طور پر یہ حدیث گھڑلی گئی کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مجلس میں فرمایا کہ کون ہے جو اپنی چادر اتنی دیر تک پھیلائے رکھے، جب تک میں بولتا رہوں تاکہ جو کچھ مجھ سے سنے وہ اس کو کبھی نہ بھولے۔ تو ابو ہریرہؓ نے اپنی چادر پھیلا دی۔ جب آپؐ باتیں تمام کر چکے تو انھوں نے اپنی چادر سمیٹ لی۔ تو آپؐ جو کچھ بولے تھے وہ لفظ بلفظ ان کو یاد تھا۔ تعجب ہے کہ جب آپ نے اپنی مجلس میں اور لوگوں کے سامنے ایسا فرمایا تھا تو صرف ابو ہریرہؓ ہی نے اپنی چادر کیوں پھیلائی صحابہ میں سے کون نہیں چاہتا ہوگا کہ آپؐ سے جو کچھ سنے وہ سب یاد رہے۔ اس روایت کی کمزوری نہایت واضح تھی۔ تو یہ واقعہ گھڑا گیا کہ ایک بار زید بن ثابت اور ابو ہریرہؓ ایک صحابی مسجد میں اللہ کو یاد کر رہے تھے، اور کچھ دعائیں ہر شخص اپنے لئے کر رہا تھا اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہنچ گئے تو یہ لوگ چپ ہو رہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم لوگ جو دعا کر رہے تھے اس کا اعادہ کرو۔ تو زید نے اور ان کے ساتھی نے یکے بعد دیگرے دعا کی اور آپ نے دونوں کی دعاؤں پر آمین کہی۔ اس کے بعد ابو ہریرہؓ نے کہا کہ یا اللہ جو کچھ ان دونوں نے مانگا ہے میں وہ بھی مانگتا ہوں اور تجھ سے ایسا علم مانگتا ہوں جس کو نہ

بھولوں۔ تو آپؐ نے آمین کہی۔ تو ان دونوں نے بھی کہا کہ اے اللہ میں ایسا علم مانگتا ہوں جس کو نہ بھولوں۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ اس کے لئے تو تم سے پہلے یہ دوسی غلام سبقت کر چکا۔ یہ روایت بھی اپنے موضوع ہونے کا صاف پتہ بتا رہی ہے، کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ کی عمر ان کے مشرف با اسلام ہونے کے وقت ۲۷ یا ۲۸۔ یا ۲۹ برس کی تھی، حسب اختلاف سال وفات۔ اور یہ واقعہ اگر کہا جائے گا تو اسلام لانے کے دو ایک برس بعد ہی کا کہا جائے گا۔ جس وقت ان کی عمر کم سے کم تیس برس کی تسلیم کی جائے گی۔ اور تیس برس کے مرد کو عربی محاورے کے رو سے غلام کا لفظ نہیں کہا جا سکتا۔ غلام کے معنی لڑکے، چھوکرے کے ہیں جو عموماً نابالغ لڑکوں کو کہا جاتا ہے۔ یا نوبالغ کو کہہ سکتے ہیں، جو بے ڈاڑھی مونچھ کا ہو۔ تیس برس کے جوان کو کبھی غلام کا لفظ نہیں کہیں گے اگر کہیں گے تو فتیٰ کہیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو افصح العرب و العجم تھے، ایک تیس برس کے جوان کو غلام نہیں فرما سکتے تھے۔ اصل یہ ہے کہ اس حدیث کے گھڑنے والے کو حضرت ابو ہریرہؓ کی عمر معلوم نہ تھی وہ سمجھا کہ حضرت زید بن ثابتؓ کے ہم عمر ہوں گے جو ہجرت کے وقت دس گیارہ برس کے تھے، ابو ہریرہؓ تو زید بن ثابتؓ کے بھی بہت بعد یعنی پانچ چھ برس بعد ایمان لائے تھے، تیسرے صاحب کا نام ہی نہیں بتایا گیا تاکہ قرینے سے حضرت انسؓ وغیرہ سمجھے جا سکیں۔ واقعے کا انداز بیان بھی یہی بتا رہا ہے کہ یہ تینوں ہم سن کم عمر قریب البلوغ یا نوجوان لڑکے تھے۔ اس حدیث کے گھڑنے والے نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے لئے غلام کا لفظ استعمال کیا اور اس کا بہتان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر باندھا۔

ابن حجر بتہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۲۶۶ باب الکنیٰ میں لکھتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ ۷۸ برس کی عمر میں ۵۷ھ یا ۵۸ھ یا ۵۹ھ میں راہی جنت ہوئے اور غزوہ خیبر کے سال یعنی ۷ھ میں مشرف باسلام ہوئے تھے ۔ اسلام قبول کرنے کے وقت ان کی عمر کا اسی سے حساب کر لیجئے ۔ زید بن ثابتؓ سے ابو ہریرہؓ کم سے کم دس برس ضرور بڑے تھے ۔ غرض یہ دونوں حدیثیں اسی لیئے گھڑی گئی ہیں تاکہ ابو ہریرہؓ سے جو حد سے زیادہ حدیثیں مروی ہیں ان کی کثرت جو خلاف عقل معلوم ہوتی ہے اس کو کسی طرح روایت پرستوں کے نزدیک مطابق عقل بنایا جائے ۔

صحاح کی باقی روایات کا تعارف

نزول مسیح کے متعلق حضرت ابو ہریرہؓ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص سے بھی ایک حدیث ہے جو فقط صحیح مسلم میں پائی جاتی ہے اسی طرح جابر بن عبداللہؓ سے ایک حدیث منسوب کی گئی ہے ، وہ بھی صرف صحیح مسلم میں ہے ۔ اور پھر ابو سریحہ حذیفہ بن اسید سے بھی بواسطہ ابو الطفیل کچھ حدیثیں ہیں ، جن میں سے صرف ایک حدیث ایک تحویل کے ساتھ ابو داؤد میں ہے اور باقی دو حدیثیں بچند تحویلات مسلم میں ۔ اور نواس بن سمعان سے کچھ حدیثیں بچند تحویلات طرق ہیں ، جن کو صرف جبیر بن نفیر ان سے روایت کرتے ہیں ، اور جبیر سے صرف ان کے بیٹے عبدالرحمن روایت کرتے ہیں اور ان سے عبدالرحمن بن یزید بن جابر بلاواسطہ صرف ابن ماجہ میں اور مسلم و ابو داؤد و ترمذی میں بواسطہ یحییٰ بن جابر الطائی روایت کرتے ہیں ۔

اور ایک حدیث اور بھی صرف ابن ماجہ میں ہے جو ابو سعیدؓ خدری رضی اللہ عنہ سے نہیں بلکہ ابو سعید* کھدڑی سے مروی ہے اور اس سے عطیہ العورخی روایت کرتا ہے ۔ بخاری کی دو حدیثوں کے سوا بس یہی

* یہ ابو سعید کھدڑی کون ہیں اس کا ذکر ان کی حدیث کی تنقید میں آئیگا

فہرست ہے صحاح کی ان حدیثوں کی ، جو نزول عیسیٰ کے متعلق گھڑی گئی ہیں ، طوالت کے ڈر سے میں نے درمیان کے بہت سے لطائف چھوڑ دیئے خصوصاً حضرت ابو ہریرہؓ و حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کے متعلق ۔

حضرت ابو ہریرہؓ ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت جابر بن عبداللہ تو مشہور صحابہ میں سے ہیں ، اس لئے تاریخ اسلام سے باخبر حضرات کم سے کم ان بزرگوں کے ناموں سے ضرور واقف ہیں ۔ مگر ابو سریحہ حذیفہ بن اسید اور نواس بن سمعان کے ناموں سے بہت سے علماء بھی جو صرف کتب حدیث کے اول و آخر استاد کے سامنے پڑھ کر سند حدیث لے لیا کرتے ہیں ، نہیں جانتے ہوں گے ۔ اسی طرح حضرت ابو الطفیل سے بھی کم ہی لوگ آشنا ہوں گے ۔ لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے سب سے آخر میں وفات پانے والے یہی ہیں ، اس لئے ان کے نام سے نہیں تو ان کی کنیت سے بہت لوگ واقف ہو سکتے ہیں ان کا نام عامر بن واثلہ الکنانی ہے ۔ بعضوں نے عمرو بن واثلہ بھی لکھا ہے مگر عامر ہی صحیح ہے یہ جنگ احد کے سال پیدا ہوئے تھے یعنی ۳ھ میں ۔ وفات نبویؐ کے وقت پورے آٹھ برس کے بھی نہ ہوں گے ۔ اس لئے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف دیکھا تھا ۔ کم سنی کی وجہ سے فیض صحبت سے متمتع ہونے کا موقع نہیں مل سکا ۔ البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے اور کوفہ میں اقامت کر لی تھی ۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد کوفے سے مکے چلے آئے ۔ اور یہیں ۱۰۰ھ میں وفات پائی ۔ شیعوں کی روایت کے مطابق یہ کوفے ہی میں رہے اور کوفے ہی میں وفات پائی ۔ بہر حال کوفیوں نے ان کی طرف اپنی من گھڑت حدیثیں بہت منسوب کیں ۔ جن میں سے ایک یہ حدیث بھی ہے ، چونکہ وفات نبویؐ کے وقت یہ بہت کمسن تھے ۔ اس لئے ان سے اکثر حدیثیں بواسطہ کسی دوسرے صحابی کے بنائی گئیں ۔

چنانچہ آپ یہاں بھی ان کی روایت ابو سریحہ حذیفہ بن اسید سے دیکھ رہے ہیں۔

حذیفہ بن اسید جن کی کنیت ابو سریحہ ہے۔ ان کا شمار بھی کوفیوں ہی میں ہے۔ کوفہ چلے آگئے تھے اور یہیں وفات پائی ۴۲ھ میں۔ صفی الدین خزرجی خلاصہ تذہیب التہذیب الکمال میں لکھتے ہیں کہ ان سے صرف چار حدیثیں مروی ہیں اور ابو الطفیل اور شعبہ ان سے روایت کرتے ہیں۔ ابن حجر تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں کہ ان سے ابو الطفیل کے شعبہ کے علاوہ معبد بن خالد اور ہلال بن ابی حصین بھی روایت کرتے ہیں۔ مگر مسند احمد بن حنبل جو جامع حدیث رطب و یابس ہے، اس کی جلد چہارم میں ان سے سات حدیثیں مروی ہیں اور سب ابو الطفیل ہی کی روایت سے، اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ابو الطفیل کے سوا ان سے اور کوئی روایت نہیں کرتا۔ بہر حال حدیث کی تدوین کا کام تو ۱۰۱ھ کے بعد سب سے پہلے ابن شہاب زہری نے شروع کیا تھا۔ جس وقت نہ ابو سریحہ حذیفہ بن اسید تھے، نہ غریب ابو الطفیل زندہ تھے۔ اس لئے ان بزرگوں کے بعد ان کے ناموں کو کوفہ و بصرہ و مصر و دمشق اور خراسان و مرو ورے وغیرہ کے وضاعین و کذابین جس طرح چاہیں استعمال کریں۔ اس میں ان بے گناہوں کا کیا قصور۔

تو اب دیکھئے، حضرت ابو ہریرہؓ سے بخاری کی دو روایتیں (جن کی تنقید آپ دیکھ چکے) اور مسلم کی آٹھ حدیثیں سات تحویلوں کے ساتھ صرف ابن شہاب زہری سے ہیں جن کو وہ سعید بن المسیب اور نافع مولیٰ ابی قتادہ انصاری سے روایت کرتے ہیں۔ ان دونوں کا ذکر بخاری کی دونوں حدیثوں کی تنقید میں آچکا ہے۔ مگر ان دونوں کی روایتوں کے تنہا ذمہ دار ابن شہاب زہری ہیں۔ اور ان دسوں حدیثوں کے تنہا راوی بروایت سعید و

نافع وہی ہیں۔ سعید و نافع کے دوسرے تلامذہ میں سے جن کی تعداد غالباً پچاس سے کم نہ ہوگی۔ کسی کو بھی ان دس حدیثوں میں سے کسی ایک حدیث کی بھی خبر نہ تھی۔ اور آپ ابن شہاب زہری سے پوری طرح واقف ہوچکے ہیں۔ اس لئے ان دس حدیثوں کے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں جو حضرت ابو ہریرہؓ کے سر تھوپی گئی ہیں۔

ابن شہاب زہری سے روایت کرنے والوں کو بھی اگر آپ دیکھیں تو عقیل و یونس جو زہری کے ہم وطن اور خاص شاگردوں میں سے تھے ان دونوں سے آپ بخاری کی دونوں حدیثوں کی تنقید میں واقف ہوچکے ہیں صالح کا حال بھی اس میں بیان ہوچکا ہے کہ یہ صالح بن کیسان المروزی النیساپوری نہیں ہیں، بلکہ صالح بن محمد بن ابی زائدہ المدنی ہیں جو بالاتفاق غیر ثقہ ضعیف فی الحدیث اور منکر الحدیث تھے ابن شہاب زہری کے بھتیجے محمد بن عبداللہ بن مسلم کو عثمان الدارمی، ابن معین، یحییٰ بن سعید۔ ابن ابی خیثمہ عقیلی، ابو حاتم وغیرہ تقریباً ائمہ رجال کی ایک بڑی جماعت ضعیف الحدیث، منکر الحدیث، غیر ثقہ اور لایحتج بہ کہتے ہیں۔ لیث بن سعد المصری جو قریش کے آزاد کردہ غلام تھے، بہت سخت مدلس تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ ان کے استاد یحییٰ بن سعید القطان، لیث سے سخت بدظن تھے، اس حد تک کہ ان کی بدظنی دور نہیں کی جاسکی۔ (لسان المیزان ج ۱: ص ۲۱۳ ترجمہ حجاج بن ارطاۃ) اور محمد بن عبدالرحمن بن مغیرہ بن الحارث بن ابی ذئب یوں تو بڑے ثقہ و معتبر سارے محدثین کے نزدیک ہیں، مگر زہری ہی کی حدیثوں میں بعض اکابر محدثین وائمہ رجال ان کو معتبر نہیں سمجھتے۔ چنانچہ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۰۵ میں ابن حجر لکھتے ہیں کہ غیر ان روایہ عن الزہری خاصہ تکلم فیہا بعضہم بالاضطراب۔ یعنی مگر یہ خصوصیت کے ساتھ

زہری سے ان کی روایتوں میں بعض محدثین وائمہ رجال نے کلام کیا ہے،
ان حدیثوں کے معنوی اضطراب کے متعلق پھر آخر ترجمہ میں لکھتے ہیں
کان یحیی بن سعید لا یرضی حدیث ابن ابی
ذیب وابن جریج عن الزھری ولا یقبلہ یعنی یحییٰ بن سعید
ابن ابی ذیب اور ابن ابی جریج کی حدیثیں جنھیں یہ دونوں زہری ہی سے
روایت کرتے ہیں، ان کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اور یہ حدیث زہری سے
روایت کر رہے ہیں اس لئے اب آپ خود اس حدیث کی نوعیت کو سمجھ لیجئے
اور پھر ابن ابی ذیب سے اس حدیث کو جو روایت کرتے ہیں وہ ولید بن
مسلم دمشقی ہیں جو بنی امیہ یا بنی عباس کے غلام آزاد کردہ تھے اور ابو
السفر جو ایک مشہور کذاب اور مفتری تھا، اس سے حدیثیں لے لے کر
دوسرے ثقہ راویوں کی طرف منسوب کرکے روایت کیا کرتے تھے۔ ممکن
ہے کہ یہ حدیث بھی ابو السفر ہی سے لے کر غریب ابن ابی ذیب کے سر
تھوپ دی ہو۔

اب ابن شہاب سے روایت کرنے والوں میں صرف ابی عیینہ رہ گئے۔
یہ سفیان بن عیینہ کوفی تھے۔ سنیوں میں سنی اور شیعوں میں شیعہ رہے۔
شیعوں کی کتب رجال میں ان کا ذکر خیر موجود ہے۔ ان سے تین شخص اس
حدیث کو روایت کرتے ہیں۔ عبدالاعلیٰ بن حماد الباہلی جو نسباً باہلی نہ تھے،
بلکہ خراسانی تھے اور قبیلہ بنی باہلہ کے کسی شخص کے غلام آزاد کردہ تھے۔
بصرہ میں بس گئے تھے۔ ان کا خراسانی ہونا، غلام آزاد کردہ ہونا اور پھر
بصری ہونا خود ان کے مشتبہ ہونے کے لئے کافی ہے۔ دوسرے زہیر بن
حرب ہیں یہ بھی خراسانی تھے۔ اور قبیلہ بنی حریش میں سے کسی کے غلام
آزاد کردہ تھے۔ یہ نسائی مشہور ہیں۔۔۔ "نسا" خراسان ہی کا ایک شہر تھا
جہاں کے امام نسائی صحب السنن مشہور ہیں۔ اور خراسانی ہونے کی وجہ

سے وہ بھی مائل بہ تشیع تھے۔ جس کو اہل علم محدثین خوب جانتے ہیں اور
کتابوں میں لکھدیا ہے۔ غرض عبدالاعلیٰ اور زہیر دونوں خراسانی، دونوں
غلام آزاد کردہ اور دونوں بصری تھے۔ زہیر بعد کو بغداد میں آرہے تھے۔ اس
لئے دونوں کی باہمی سازش صاف نمایاں ہے کہ ایک حدیث ابن عیینہ کی
طرف منسوب کرکے دونوں روایت کریں۔ تیسرے صاحب ان دونوں
کے ساتھی ابو بکر بن شیبہ ہیں جن کا پورا نام عبدالرحمن بن عبدالملک بن
شیبہ ہے، یہ بھی قبیلہ خزام کے غلام آزاد کردہ تھے۔ جن کو امام ابو داؤد
صاحب السنن نے اور حافظ ابو احمد الحاکم نے ضعیف الحدیث قرار دیا ہے۔
انھیں تینوں سے امام مسلم کو یہ زہری والی حدیث ابن عیینہ کے واسطے
سے پہنچی۔ ابن شہاب اور تنہا ابن شہاب سے یہ چھبیس آدمی روایت
کرتے ہیں۔ جن میں سے صرف تین سے ترمذی کو اور نو سے امام بخاری اور
بیس سے امام مسلم کو یہ حدیث ملتی ہے تو اگر اس سے بزعم خود تواتر ثابت
کیا جاسکتا ہے تو صرف اس کا تواتر ہوگا کہ ابن شہاب نے یہ حدیث روایت
کی ہے نہ یہ کہ اس سے اس کے حدیث رسول ہونے پر تواتر ثابت ہوسکتا
ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ اس کو کسی حیثیت سے تواتر کہہ بھی نہیں سکتے۔
تواتر کی تعریف میری کتاب اعجاز القرآن میں دیکھیئے۔

ابن شہاب زہری کے علاوہ تین آدمی اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت
کرنے والے مہیا کئے گئے ہیں، تاکہ ابن شہاب ہی تنہا اس کے راوی نہ
ٹھہریں، مگر ان تینوں کی خبر امام بخاری کو نہ تھی۔ یا صحیح بخاری میں ان
تینوں کی حدیثیں ٹھونسنے کا کسی کو موقع نہ ملا۔ نزول عیسیٰ کے متعلق
حدیثیں ٹھونسنے کا موقع یاران طریقت کو صحیح مسلم میں کافی طور سے مل گیا۔
چنانچہ کتاب العلم اور کتاب الفتن دو جگہ حدیثیں ٹھونسی گئیں۔ بہر حال
ابن شہاب کے علاوہ عطا بن مینا جو مرو کے رہنے والے مگر ابن ابی ذباب

المدنی کے غلام آزاد کردہ تھے اس لئے ابن حجران کو مدنی لکھتے ہیں اور پھر یہ بھی لکھا ہے کہ بعضوں نے ان کو بصری کہا ہے اور پھر آخر میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ ابن سعد نے اپنی کتاب طبقات میں ان کو اہل مکہ طبقہ ثانیہ میں شمار کیا ہے۔ مگر تھوڑا تدبر کرنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کوئی شخص ہی نہ تھے۔ اپنے جی سے ایک نام گھڑ کر اس سے ایک روایت کی گئی۔ کیونکہ ان کا ذکر کسی کتاب میں تفصیل سے نہیں ملتا حتی کہ ان کا سال وفات بھی کہیں مذکور نہیں۔ ان کے وطن کا حال تو آپ کو معلوم ہی ہو گیا کہ مدنی بھی تھے اور مکی بھی اور پھر بصری بھی تھے ان کے دادا پر دادا کی بھی کچھ خبر نہیں اور حضرت ابو ہریرہؓ کے سوا اور کسی سے یہ کوئی روایت بھی نہیں کرتے۔ اسی لئے رجال والوں نے لکھدیا کہ ابو ہریرہؓ کے خاص لوگوں میں تھے۔ یعنی ایسے ہی خاص لوگوں میں سے تھے، جنھوں نے کبھی کسی دوسرے صحابی سے کوئی حدیث سنی ہی نہیں اور نہ سننے کی خواہش کی۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے ساتھ یہ کس عمر میں تھے یہ بھی نہیں معلوم۔ ابن ابی ذباب کے غلام آزاد کردہ تھے۔ ابن ابی ذباب کی وفات ۱۳۶ھ میں ہے۔ انہوں نے ان کو کس سنہ میں آزاد کیا؟ اس وقت ان کی عمر کیا تھی؟ حضرت ابو ہریرہؓ کی وفات ۵۷ھ میں ہوئی۔ اور وفات سے کئی سال پہلے مقام عقیق میں جا بسے تھے۔ اور وہیں انہوں نے وفات پائی۔ ابن ابی ذباب نے کوئی بڑی عمر نہیں پائی۔ حضرت ابو ہریرہؓ اور ابن ابی ذباب دونوں کی وفات کے درمیان تقریباً نوے برس کا فاصلہ ہے۔ اس لئے ابن ابی ذباب ہی نے حضرت ابو ہریرہؓ کو نہیں دیکھا ہوگا۔ ان کے آزاد کردہ غلام نے کب دیکھا ہوگا۔ اور وہ جو عبداللہ یا عبیداللہ (یا دونوں) ابن عبدالرحمن بن الحارث بن سعد بن ابی ذباب ہیں جن کو دوسی المدنی ابن حجر نے لکھا ہے کہ ان کی کوئی شخصیت ہی نہیں ہے، لکھتے ہیں کہ وہ اپنے باپ سے اور ابو ہریرہؓ سے

روایت کرتے ہیں، حالانکہ ان کے باپ عبدالرحمن بن الحارث بن سعد بن ابی ذباب الدوسی المدنی کا کہیں کوئی ذکر ہی نہیں کرتا۔ وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرنیوالے ایک فرضی روای ہیں۔ اسی وجہ سے عبداللہ کا سال وفات بھی کہیں مذکور نہیں۔

غرض حالات کا جائزہ لینے سے اس کا کوئی قرینہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ عطاء بن ینا صاحب اگر واقعی کوئی شخص ہوں بھی تو وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہوں، اگر وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے تو یقیناً دوسرے صحابہ بلکہ بعض ام المومنین رضی اللہ عنہم سے بھی ضرور روایت کرتے۔ اور پھر عطاء بن مینا صاحب والی حدیث صرف امام مسلم ہی کو ملی اور کسی کو بھی نہ ملی۔ حالانکہ قتیبہ بن سعید جن سے امام مسلم اس حدیث کو روایت کر رہے ہیں۔ ان سے امام بخاری وغیرہ بہیترے ائمہ حدیث حدیثیں روایت کرتے ہیں اور نہ اس حدیث کے سلسلہ اسناد میں کوئی ایسا شخص ہے کہ جس کی حدیث امام بخاری وغیرہ نے نہ لی ہو۔ پھر کیا وجہ ہے کہ یہ حدیث بخاری و ترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ وغیرہ کسی کتاب میں نہیں ہے، اس لئے یقیناً یہ حدیث بھی مسلم میں الحاقی ہے۔

دوسرے صاحب ابو صالح ذکوان ہیں جو حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہوئے دکھائے گئے ہیں۔ یہ جویریہ بنت احمس الغطفانی کے غلام آزاد کردہ تھے، مدنی تھے مگر تیل کا کاروبار کرتے تھے اور کوفہ میں ان کا کاروبار تجارت رہتا تھا، مدینے سے برابر کوفہ آتے تھے اور بنی اسد جن میں شیعوں کی اکثریت تھی، انہیں کے محلے میں ٹھہرتے تھے۔ اور یہ محلہ وضاعین و کذابین کا خاص اڈہ تھا۔ کوفے کے محدث اعظم سلیمان بن مہران الاسدی جن کا لقب اعمش ہے اور صحاح و غیر صحاح کے دفاتر جن کی حدیثوں سے بھرے پڑے ہیں اور جن کے متعلق بڑے بڑے ائمہ رجال نے فرمایا کہ

افسد حدیث اهل الکوفہ ابو اسحق و اعمشکم هذا

یعنی اہل کوفہ کی حدیثوں کو ابو اسحق السبیعی نے اور تمھارے ان اعمش صاحب نے تباہ کر دیا شیعوں کے یہاں بھی یہ بہت ممدوح ہیں، یہ اعمش بھی بنی اسد سے تھے اور اسی محلے کے رہنے والے تھے۔ پھر اعمش صاحب نے خاص استاد بن موسیٰ بن طریف الاسدی جن سے صرف اعمش ہی روایت کرتے ہیں اور مشہور کذاب تھے یہ بھی بنی اسد ہی سے تھے اور انھیں کے محلے میں رہتے تھے ۔ اور اسی زمانے میں رہتے تھے ۔ محلہ بنی اسد میں اسدی راویوں کا بہت بڑا اجتماع تھا اور یہ اجتماع تقریباً دو ڈھائی صدی تک رہا، ہم ان میں سے چند اسدی راویان حدیث کا ذکر یہاں کر دیتے ہیں ، جس سے یہ معلوم ہوگا کہ کوفے کا یہ محلہ اور قبیلہ بنی اسد روایت احادیث میں کتنا سرگرم تھا اور کیسے کیسے راویان احادیث یہاں رہے ۔

۱- مسیب بن رافع الاسدی مات ۱۰۵ھ : ۲- یحییٰ بن وثاب الاسدی مات ۱۰۳ھ : ۳ - شمر بن عطیہ بن عبدالرحمن الاسدی : ۴- واصل بن حیان الاسدی مات ۱۲۰ھ : ۵- حبیب بن ابی ثابت الاسدی مات ۱۱۹ھ : ۶- عاصم بن ابی النجود بہدلہ الاسدی مات ۱۲۸ھ ۷- ابو حصین عثمان بن عام بن حسین الاسدی مات ۱۲۸ھ ۸- عائذ بن نصیب الکاہلی الاسدی - ۹- حکیم بن جبیر الاسدی - ۱۰- عامر بن شقیق بن حمزہ الاسدی - ۱۱- ربیع بن نجیم الاسدی - ۱۲- علاء بن المسیب بن رافع الاسدی - ۱۳- ابو محمد حسن بن الحر الاسدی مولیٰ بنی اسد - ۱۴- وقا بن الاسدی - ۱۵- عبدالعزیز بن سیاہ الاسدی - ۱۶- ابو شہاب الاکبر موسیٰ بن نافع مولیٰ بن اسد - ۱۷- اسماعیل بن عبدالملک بن رضیع الاسدی - ۱۸- قیس بن رفیع الاسدی - ۱۹- قبیصہ بن جابر الاسدی - ۲۰- قران بن تمام الاسدی - ۲۱- المعرور بن سوید

ابو امیہ الاسدی - ۲۲- زر بن حبیش الاسدی - ۲۳- ابو وائل شقیق بن سلمہ الاسدی - ۲۴- محمد بن القاسم الاسدی - ۲۵- محمد بن الاعلی ابن کناسۃ الاسدی - ۲۶ - ابو احمد بن عبداللہ بن الزبیر الاسدی مولیٰ بنی اسد - ۲۷ - معاویہ بن ہشام القصار الاسدی مولیٰ بنی اسد - ۲۸- اسحق بن منصور بن حیان الاسدی - ۲۹- محمد بن الصلت ابو جعفر الاسدی مولیٰ بنی اسد - ۳۰- یحییٰ بن بشر بن کثیر ابو زکریا الاسدی - ۳۱- دینار بن عمر الاسدی مولیٰ بشر بن غالب ۔

یہ اکتیس راویان احادیث کے نام ہم نے محض سرسری طور سے لکھدیئے ہیں جو سب کے سب اسدی اور کوفی ہیں اور محلہ بنی اسد[ف] کے رہنے والے یا ان کے پڑوسی ہیں ان میں کتنے ہیں جن کو خود محدثین وضاع و کذاب یا غیر ثقہ و منکر الحدیث و ضعیف وغیرہ لکھ رہے ہیں ۔ اور کتنے ایسے ہیں جو محدثین کے نزدیک تو ثقہ اور نہایت معتبر ہیں مگر ان کی حدیثوں اور ان کے اقوال پر غور کرنے سے ان کی حقیقت صاف روشن ہو جاتی ہے ۔ مثلاً زر بن حبیش الاسدی الکوفی سے اختلاف قرأت وغیرہ کی حدیثیں بہت مروی ہیں اور قرآن میں کمی بیشی کے متعلق یہ بہت روایتیں کیا کرتے ہیں اسی طرح یحییٰ بن وثاب وغیرہ بھی ہیں ۔ اگر تھوڑا وقت صرف کیا جائے تو بنی اسد کے اور راویان حدیث جو کوفے میں تھے ان کے نام بھی مل سکتے ہیں ۔ اور پھر بصرہ ، دمشق، مصر وغیرہ میں بھی اس جماعت کے لوگ کافی طور سے پھیلے ہوئے تھے اور پھر بنی اسد کے علاوہ دوسرے قبیلے کے ایسے لوگ بھی کوفے میں کم نہ تھے ، جن کا کام صرف جھوٹی حدیثیں گھڑ گھڑ کر

[ف] جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب مبہمات القرآن ص ۳۶ میں لکھا ہے کہ سورہ حجرات کے دوسرے رکوع میں جو فرمایا گیا ہے۔ قالت الاعراب امنا قل لم تومنوا و لا کن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم ۔ یہ آیت بنی اسد ہی کے متعلق اتری ہے، جس کی روایت وہ سعید بن جبیر سے کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

پھیلانا ہی تھا جن میں سدی کبیر وسدی صغیر اور کلبی وغیرہ تو دنیا بھر میں
مشہور ہیں اور ایک بہت بڑا کذاب خبیث راوی قبیلہ بنی اسد ہی کا تھا۔
محمد بن سعید بن حسان بن قیس الاسدی جس کو آخر سولی دی گئی۔ دس ہزار
جھوٹی حدیثیں اس نے گھڑیں، شامی تھا کوفیوں اور شامیوں نے اس کا نام
بدل بدل کر اس کی حدیثیں روایت کریں۔ یہ ابن شہاب زہری کا خاص
شاگرد تھا۔ زہری اور ان کے بعض ہمعصروں سے روایت کیا کرتا تھا۔ ابن
حجر تہذیب التہذیب ج ص ۲۸۴ سے ص ۲۸۶۔ تک اس کا ترجمہ لکھتے ہیں
اور لکھتے ہیں کہ تقریباً سو ناموں سے ان کو لوگوں نے نامزد کرکے اس کی
من گھڑت حدیثیں روایت کیں، طبری نے تاریخ میں ابن سعید کے عوض
ابن سعد ان کو بنا کر ان سے روایت کی ہے۔

تیسرے صاحب جو حضرت ابوہریرہؓ سے ابن شہاب کے علاوہ روایت
کرنے والوں میں سے ہیں وہ عبدالرحمن بن آدم ہیں۔ یہ نوزائیدہ ایک جگہ
پڑے ہوئے ایک عورت ام برثن کو ملے تھے، انھوں نے ان کی پرورش کی
اس لئے لوگ ان کو ابن برثن بھی کہتے ہیں، مگر زیادہ لوگ مولیٰ ام برثن
کہتے ہیں اور حضرت آدم ابوالبشر کی طرف ان کو منسوب کرکے ابن آدم
لکھتے ہیں۔ یہ بصری ہیں۔ ان کو ابن معین نے مجہول قرار دیا ہے اور واقعی
مجہول الحال ہیں۔ ان کا حال کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ وہ ام برثن جنھوں نے
ان کو پالا تھا وہ کون تھیں۔ کس قبیلے کی کس شہر کی تھیں اور کس سنہ میں
ان کو پایا تھا، کہیں کچھ مذکور نہیں۔ کس سنہ میں انہوں نے وفات پائی یہ
بھی مذکور نہیں۔ عبداللہ بن عمرؓ، ابوہریرہؓ، جابر غالباً ابن عبداللہ سے اور
ایک رجل من الصحابہ سے یہ روایت کرتے ہیں۔ یہ مدینے کب آئے اور
کب تک رہے اور کن کن کی صحبت میں رہے، کسی بات کا پتا نہیں۔ ان
سے قتادہ بصری روایت کرتے ہیں جو ہر کس و ناکس سے روایت کے عادی

تھے اور مدلس بھی تھے، دوسرے ابو العالیہ براء البصری روایت کرتے ہیں
جن کی وفات ۹۰ھ میں ہوئی۔ مگر ان کے ترجمے میں اس کا ذکر نہیں کہ یہ
عبدالرحمن بن آدم سے بھی روایت کرتے ہیں اور ان سے سلیمان بن
طرخان البصری بھی روایت کرتے ہیں جو تشیع تھے، شیعوں کے یہاں بھی
موجود ہیں اور پھر ابو الورد بن ثمامہ بھی ان سے روایت کرتے ہیں، جن
سے ابو مسعود سعید بن ایاس الجریری کے سوا اور کوئی روایت نہیں کرتا اور
آخری راوی ان سے عوف الاعرابی ہیں جن کو ابن حجر نے کان قدریا
رافضیا شیطانا لکھا ہے اور یہ سب کے سب بصری ہیں غرض یہ خود
بصری ہیں اور ان سے روایت کرنے والے بھی بصری اور ان کا حال بالکل
مبہم نامعلوم اس لئے ان کی روایت حضرت ابوہریرہ سے کس قدر مشتبہ
ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے۔ غرض یہ حدیث عبدالرحمن بن آدم البصری کو ابو
ہریرہؓ سے ملی، ان سے قتادہ البصری کو ان سے ہمام بن یحییٰ البصری کو ان
سے ہدبہ بن خالد البصری کو ملی اور جب ابو داؤد السجستانی ۲۲۰ھ میں بصرہ
پہنچے تو انھوں نے ہدبہ بن خالد سے سن لی۔ یہ حسن اتفاق امام ابو داؤد ہی
کی قسمت میں لکھا ہوا تھا۔ ورنہ ان کے سوا نہ ہدبہ نے کسی سے کہا، نہ ہدبہ
کے سوا ہمام بن یحییٰ نے کسی سے کہا۔ نہ ہمام کے سوا قتادہ نے کسی سے کہا،
نہ قتادہ کے سوا عبدالرحمن بن آدم نے اس حدیث کو کسی اور سے بیان کیا۔
یہ عجیب بات ہے کہ ابن شہاب والی روایت تو بخاری، مسلم، ابوداؤد اور
ترمذی سب کو کسی نہ کسی شکل کسی نہ کسی عبارت اور کسی نہ کسی عنوان
بیان سے مل گئی چاہے ان میں باہمی اختلاف و اضطراب کی بھرمار ہی کیوں
نہ ہو، مگر عطاء بن یسار اور ابو صالح ذکوان والی دونوں روایتیں امام مسلم
کے سوا اور کسی کو نہ ملیں۔ اور یہ ابن آدم والی روایت ابو داؤد کے سوا
کسی دوسرے ابن آدم کو نہ مل سکی۔ کیا یہ باتیں اس کو صاف طور سے

نہیں بتا رہی ہیں کہ دراصل یہ ساری حدیثیں ان کتابوں میں بعد کو داخل کر
دی گئیں، ان کتابوں کے جامعین ان حدیثوں کے بالکل ذمہ دار نہیں۔
اس سلسلے میں جو ہمام بن یحییٰ البصری ہیں۔ ضعیف الحدیث ہیں۔ یحییٰ
بن سعید ان سے روایت نہیں کرتے تھے۔ اپنی کتاب سے جو حدیث
روایت کرتے تھے اس کو تو محدثین درست سمجھتے تھے اور جو زبانی بیان
کرتے تھے اس کو لیس بشئی سمجھتے تھے۔

سلسلہ اسناد میں اس کی تصریح نہیں ہے کہ انھوں نے ہدبہ بن خالد سے یہ
حدیث کتاب دیکھ کے بیان کی تھی۔ اور بظاہر قرینہ بھی یہی ہے کہ زبانی ہی
بیان کی ہوگی، اس لئے یوں بھی یہ حدیث لیس بشئی ہے اور قتادہ کی تدلیس
سے کون واقف نہیں اس لئے کیا معلوم کہ قتادہ سے واقعی کس نے کہا تھا
اور قتادہ نے کس کا بیان کرنا ظاہر کیا ہے۔

اس موضوع سے متعلق جتنی حدیثیں صحاح میں حضرت ابو ہریرہؓ کی
طرف منسوب ہیں ان کی تنقید گذشتہ اوراق میں گذر چکی ہے۔ اب ان
حدیثوں کے اسناد کی تنقید پیش کی جاتی ہے جو کسی دوسرے صحابہ یا کسی
خود ساختہ صحابی کی طرف صحاح میں منسوب ہیں۔ مسلم، ترمذی، ابو داؤد
اور ابن ماجہ میں کچھ حدیثیں نواس بن سمعان نام کے ایک خود ساختہ صحابی
کی طرف منسوب کرکے روایت کی گئی ہیں۔ اس لئے پہلے ان خود ساختہ
صحابی نواس بن سمعان کا حال سن لیجئے۔

ان کا سلسلہ نسب ابن حجر تہذیب التہذیب (ج) ص ۴۸۰) میں نواس
بن سمعان خالد بن عبداللہ بن ابی بکر بن کلاب لکھتے ہیں اور بھی استیعاب
(ج ۱ ص ۳۰۵) میں ابن عبدالبر بھی لکھتے ہیں۔ وہ کلاب کے بعد ابن
ربیعہ کا صرف اضافہ کرکے ایک نام آخر میں اور بڑھا دیتے ہیں اور اسد

الغابہ (ج ۵ ص ۴۵) میں یوں ہے نواس بن سمعان بن خالد بن عمرو بن قرہ
بن عبداللہ بن ابی بکر بن کلاب بن ربیعہ بن صعصعہ۔ یعنی ابن اسیر خالد
اور عبداللہ کے درمیان دو نام عمرو، اور قرہ بڑھائے ہیں۔ یعنی سمعان کے
دادا ہی کے متعلق ائمہ رجال کا اختلاف ہے کہ عبداللہ ان کے دادا ہیں یا
ان کے دادا کے دادا۔ ان کے وطن کے متعلق کچھ معلوم نہیں کہ یہ کہاں
کے رہنے والے تھے۔ بس اسی قدر ائمہ رجال لکھتے ہیں کہ معدود فی
الشامیین یعنی ملک شام کے رہنے والوں میں ان کا شمار ہے۔ مگر اس
کا پتہ کوئی نہیں بتاتا کہ یہ شام کے قدیم باشندے تھے یا شام میں آکر بس
گئے تھے۔ صرف نواس کا شمار شامیوں میں ہونے سے یہ نہیں معلوم ہو سکتا
کہ ان کے باپ دادا بھی شامی ہی تھے پھر شام کا علاقہ بہت وسیع تھا۔ اس
کے کس شہر کس گاؤں کے رہنے والے تھے۔ یہ آج تک کسی کو معلوم نہیں۔
ائمہ رجال لکھتے ہیں کہ نواس کے باپ سمعان رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کے حضور میں حاضر ہوئے (کہاں سے یہ نہ پوچھیے) آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے ان کے لئے دعائے خیر کی سمعان نے ایک جوڑا نعلین تحفہ
کے طور پر پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما لیا اور انھوں نے
اپنی بہن کو (جس کا نام آج تک کسی کو معلوم نہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم سے بیاہ دیا تو جب ان کی بہن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
میں حاضر ہوئی تو تخلیہ کے وقت اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے
کہا کہ "اعوذ باللہ منک میں تم سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں" تو آپؐ
نے اس کو چھوڑ دیا۔ اتنا کہہ کر ائمہ رجال لکھتے ہیں وھی کلابیہ یعنی
یہی وہ کلابیہ عورت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس کلابیہ عورت کے متعلق
یہ مشہور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا تھا اور ملاقات کے
وقت اس نے کہا تھا کہ "میں تم سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں" وہ بھی نواس کی

پھوپھی، سمعان کی بہن اور خالد کی بیٹی تھی، گو اس کا نام کسی کو معلوم نہیں

تو اب دیکھئے کہ تاریخ و سیر کے ائمہ اس کے متعلق کیا لکھتے ہیں۔ تاریخ و سیر کے سب سے بڑے امام جو ابن اثیر (ولادت ۵۵۵ھ وفات ۶۳۰ھ) صاحب اسد الغابہ، اور ابن عبدالبر (ولادت ۳۶۸ھ وفات ۴۶۳ھ) صاحب استیعاب دونوں سے بہت متقدم ہیں یعنی ابو جعفر محمد بن جریر الطبری (ولادت ۲۲۴ھ وفات ۳۱۰ھ) کی کتاب "تاریخ الامم و الملوک" جو تیسری صدی ہجری کی تصنیف ہے، اس کی جلد سوم ص ۱۷۰۵ ملاحظہ فرمایئے جس میں ازواج مطہرات کے اسمائے گرامی ترتیب وار لکھتے ہیں۔ یعنی اس طرح کہ رسول اللہ صلی الہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے کس سے شادی کی، پھر ان کے بعد کن سے، پھر ان کے بعد کن سے، اس طرح لکھتے ہوئے، ان کلابیہ عورتوں کے نام و نسب بتائے ہیں۔ جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شادی کرنے کا بہتان بعض کوفی کذابوں نے باندھا ہے، تو اس سے قطع نظر کرکے کہ خود ابن جریر کیا ہیں اور از روئے روایت کیسے ہیں۔ اور یہ روایت وہ کس سے کر رہے ہیں اور جس سے وہ روایت کر رہے ہیں، وہ کس سے روایت کر رہا ہے، آپ ان کلابیہ عورتوں کے نام و نسب کو دیکھئے جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج کا ذکر کیا گیا ہے، اور صرف ابن جریر کی وجہ سے مورخین اسلام نے اس بہتان کو صحیح واقعہ قرار دیتے ہوئے اپنی کتابوں میں درج کرلیا ہے۔ تو ابن جریر حضرت میمونہ بنت حارث کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں کہ "پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی کلاب بن ربعیہ کی ایک عورت سے نکاح کیا جس کا نام نشاہ بنت رفاعہ تھا۔ اور اس کے متعلق اختلاف ہے۔ بعضوں نے اس عورت کا نام "سنا" بتایا ہے۔ اور اس کو سنا بنت اسماء بن الصلت السلمیہ

کہا ہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ وہ سبا بنت اسماء بن الصلت تھی قبیلہ بنی سلیم کی ایک شاخ بنی حرام سے، اور لوگوں نے کہا کہ قبل اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس داخل ہوں وہ وفات پاگئی اور بعضوں نے اس کا سلسلہ نسب سنا بنت الصلت بنت جیب بن حراثہ بن ہلال بن حرام بن سمال بن عوف السلمی بتایا ہے۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا بنی ابی بکر بن کلاب کی ایک عورت غزیہ بنت جابر سے۔ جس کے حسن و جمال کی خبر سن کر (نعوذ باللہ) آپ نے ابو آسید الصاری الساعدی کو اس کے پاس پیغام لے کر بھیجا تھا۔ ابھی اس کی کافرانہ زندگی کو تھوڑا ہی زمانہ گذرا تھا۔ جب آپ کے پاس آئی تو اس نے کہا کہ میں نے ابھی اپنے نفس سے پوچھا نہیں ہے۔ میں تم سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں، تو آپ نے فرمایا کہ یہ باز رہی ہے، اللہ کی پناہ مانگتی ہوئی، اور آپ نے اس کو اس کے لوگوں کے پاس واپس کردیا۔ ابن جریر لکھتے ہیں کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ قبیلہ کندہ کی ایک عورت تھی یہ ساری روایتیں ابن جریر نے ابن الکلبی سے اپنے شیوخ کی وساطت سے نقل کی ہیں۔ مگر پھر ابن الکلبی سے یہ بھی لکھتے ہیں کہ غزیہ بنت جابرام

غزیہ بنت جابرام شریک جن کا نام غزیلہ بعضوں نے لکھا ہے کہ یہی صحیح ہے۔ وہ ایک صحابیہ انصاریہ تھیں اور ایک ام شریک قریشیہ عامریہ بھی تھیں، جن کا نام غزیہ بنت دودان بن عوف کہا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ان دونوں میں سے ایک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر اپنے نفس کا ہبہ کیا تھا۔ مگر اس کا ذکر نہیں کرتے کہ آپ نے قبول کیا یا رد کیا۔ اور کسی عورت کا نکاح کے بعد آپ سے یہ کہنا کہ میں آپ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں بالکل بعید از عقل ہے۔ نہ آپ بد صورت کریہہ منظر تھے۔ نہ بد اخلاق نہ بد خو تھے۔ بلکہ آپ کے حسن خلق اور حسن صورت کا ہر طرف غلغلہ تھا۔ آپ پر بڑھاپے کا اثر بھی اتنا نہ تھا کہ آپ سے تنفر پیدا ہو۔ غرض یہ کھلا ہوا افتراء ہے اس قسم کی تمام روایتیں منافقین کی من گھڑت ہیں۔ انشاء اللہ ازواج مطہرات کے متعلق ایک مستقل مضمون آئندہ پھر کسی وقت نذر ناظرین کیا جائے گا۔

شریک تھی۔ اس کے پہلے شوہر سے ایک لڑکا تھا۔ جس کا نام شریک تھا۔ اسی لئے یہ ام شریک کہی جاتی تھیں۔ پہلے شوہر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا تھا۔ مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے تو ان کو سن رسیدہ پایا۔ اس لئے ان کو طلاق دے دی۔ حالانکہ یہ ایمان لاچکی تھیں، اور قریش کی عورتوں کے پاس جاجا کر تبلیغ کیا کرتی تھیں اور ان عورتوں کو اسلام کی طرف بلاتی تھیں۔ کس قدر خلاف عقل ہے کہ ایسی نیک کار، دین کی خدمت کرنے والی عورت کو صرف اس کے سن رسیدہ ہونے کی وجہ سے آپ طلاق دے دیں۔ اور پھر ابن جریر لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ بنت یزید سے بھی نکاح کیا تھا۔ جو قبیلہ بنی رواس بن کلاب سے تھیں۔

تو لشاہ بنت رفاہ یا سنا بنت اسماء بن الصلت یا سبابنت اسماء بن الصلت یا سبابنت الصلت۔ پھر غزیہ بنت جابر۔ پھر عمرہ بنت یزید۔ پھر وہ کلابیہ عورتیں ہیں جن کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کرنے کا بہتان کلبی کوئی خبیث نے باندھا ہے اور اس کے اس بہتان کو ابن جریر نے اپنی کتاب میں درج کرکے ایک تاریخی واقعہ ثابت کیا ہے، اور ابن جریر سے دوسرے مورخین نے جس کو نقل کیا ہے، ان کے فرضی نام بھی ہیں جو مذکور ہوئے مگر ان میں کوئی بھی اخت سمعان، یا بنت خالد نہیں پھر سمعان کی بہن کا ایک واقعہ گھڑ کر بیان کرنا اور وھی الکلابیہ یعنی وہ کلابیہ جس سے آنحضرتؐ کے نکاح کا ذکر کیا جاتا ہے بھی ہے کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟۔

مختصر یہ ہے کہ سمعان اور سمعان کے بیٹے نواس، اور سمعان کی بہن کا نام جس کا نام جھٹلائے جانے کے ڈر سے بتایا نہ گیا یہ سب اہل شام کے

من گھڑت اشخاص ہیں ورنہ در حقیقت ان ناموں کا کوئی مسمیٰ نہیں۔ اسی لئے نہ نواس و سمعان کا صحیح وطن کسی نے بتایا، نہ یہ بتایا کہ کہ سمعان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئے تھے تو کہاں سے آئے تھے؟ نہ کوئی یہ لکھتا ہے کہ حضور میں حاضر ہونے کے بعد یہ مدینہ ہی میں رہے یا اپنے گھر واپس چلے گئے؟ اس حاضری کے وقت ان کے بیٹے نواس بھی ان کے ساتھ تھے، یا بعد کو آکر مشرف باسلام ہوئے؟ یا ان سے پہلے ہی اسلام لاچکے تھے؟ یا پھر وہ نواس مدینہ ہی میں رہے یا گھر واپس چلے گئے؟ سمعان کی بہن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑ دیا تو وہ کیا ہوگئی؟ مدینے میں رہی؟ مسلمان رہی؟ یا مرتد ہوگئی؟ اس نے کوئی دوسرا نکاح کیا، یا بے شوہری کے رہ گئی؟ اور پھر حدیثوں کے سوا تاریخ کے کسی واقعہ میں کہیں بھی نواس بن سمعان سمعان بن خالد کا کہیں نام نہیں آتا اگر یہ لوگ واقعی کوئی شخص ہوتے تو تاریخ کے کسی واقعہ میں تو کوئی ان کا ذکر کرتا۔ سمعان سے کوئی حدیث نہیں منسوب کی گئی۔ بلکہ اس کا بیٹا جس کو قرار دیا ہے یعنی نواس بن سمعان انھیں سے صحاح اور غیر صحاح میں کچھ حدیثیں ہیں۔ مگر شامیوں کے سوا اور کوئی بھی ان سے روایت نہیں کرتا۔ بلکہ ان سے روایت کرنے والے جن کو بتایا گیا ہے، ان سے بھی شامی ہی لوگ ان کی حدیثیں روایت کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ دیکھیں نواس سے تنہا جبیر بن نضیر الشامی ہی روایت کر رہے ہیں ان سے تنہا ان کے صاحبزادے بلند اقبال عبدالرحمن بن جبیر الشامی ہی فقط روایت کر رہے ہیں۔ اور ان سے صرف عبدالرحمن بن یزید بن جابر الشامی روایت کر رہے ہیں، کہیں بلاواسطہ اور کہیں بواسطہ یحییٰ بن جابر الطائی، جو حمصی الشامی ہیں۔ اور عبدالرحمن بن یزید بن جابر اشامی سے جو لوگ روایت کرتے ہیں وہ یا تو

خراسانی ہیں یا شامی۔ اور آپ خراسان و شام و کوفہ و حمص وغیرہ مقامات سے پوری طرح واقف ہو چکے ہیں کہ جھوٹی حدیثیں گھڑنے والوں کے یہ مقامات خاص مرکز تھے۔ بہر حال سلسلے کی تین کڑیوں تک یہ حدیثیں آحاد در آحاد ہی رہیں۔ اس لئے چوتھی اور پانچویں پشت سے جو تعدد طرق پیدا ہوا تو اس سے متابعت والی تقویت کا فائدہ نہیں حاصل کیا جاسکتا۔

عبدالرحمن بن یزید بن جابر جو تنہا ذمہ دار راوی ان حدیثوں کے ہیں۔ وہ نہایت مجروح اور بالکل ناقابل اعتبار شخص ہیں۔ مگر ایسے موقع پر محدثین کرتے یہ ہیں کہ اس ایک شخص کو دو شخص قرار دیدیتے ہیں، کنیت یا نسبت کا فرق پیدا کرکے یا دادا پر دادا کسی کا نام بدل کر یہ ثابت کرتے ہیں کہ وہ جرحیں تو فلاں کے متعلق ہیں اور فلاں تو ثقہ ہے مجروح نہیں جیساکہ ابو جعفر احمد بن صالح المصری کو دو قرار دے کر ایک کے نام میں " شمومی اور بعضوں نے شمونی (حافظہ نباشد) لگا کر جو غایت درجہ کریہ جرحیں تھیں وہ شمومی یا شمونی کے سر تھوپ دیں، اور دوسرے کو ثقہ و معتبر قرار دے دیا، کیونکہ ابو جعفر احمد بن صالح المصری امام بخاری کے شیوخ میں تھے اسی طرح ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید نے جو کتاب کھلم کھلا رافضی بن کر لکھی اس میں اس نے خود اپنے دادا کا مجوسی نام " رستم " لکھا اور جس کتاب میں اپنے رفض پر پردہ ڈالنا مقصود ہوا اس میں اپنے دادا کا اسلامی نام " یزید " لکھا تاکہ دونوں کے مصنف دو شخص سمجھے جائیں، چنانچہ یہی ہوا کہ تاریخ و تفسیر تو ابن جریر بن یزید کی سمجھی جاتی ہے اور فارسی والی تاریخ طبری وغیرہ کسی دوسرے شخص کی تصنیف کہی جاتی ہے، جو ابو جعفر محمد بن جریر بن رستم الطبری تھا۔ اور محدثین اہل سنت ابن یزید کو ہلکے درجے کا شیعہ اور ابن رستم کو کٹر رافضی لکھتے ہیں۔ حالانکہ دونوں

ایک ہیں۔ اسی طرح حبان بن علی العنزی اور ان کے بھائی مندل بن علی العنزی کو حیان یائے حطی سے اور مبدل بائے موحدہ سے اور عتری تائے قرشت سے بنا کر فرق پیدا کر دیا ہے تاکہ وہ دونوں ان دونوں سے الگ دو اشخاص سمجھے جائیں، بالکل اسی طرح یہاں بھی عبدالرحمن بن جابر بن یزید کو دو شخص قرار دے دیا ہے۔ اور ایک کو تمیمی السلمی لکھ کر اس کو ان جرحوں کا مستحق قرار دیا ہے جو جرحیں متقدمین ائمہ رجال نے عبدالرحمن بن جابر بن یزید پر کی ہیں، اور جس کے نام کو تمیمی کی قید سے آزاد رکھا ہے اور اس کو ثقہ قرار دیا ہے مگر اس کو کیا کیا جائے کہ باوجود اس کے تھوڑی بہت جرح کہ فلاں نے ان کو ضعیف کہا ہے۔ اور اہل کوفہ کے پاس انھوں نے بہت سی منکر حدیثیں راویت کیں، اتنا ان کے متعلق بھی قلم سے نکل ہی گیا اور حقیقت یہ ہے کہ دونوں عبدالرحمن بن یزید بن جابر ایک ہی ہیں اور متقدمین ائمہ رجال کی ساری جرحیں انھیں ایک کے متعلق ہیں اور یہی تنہا ان حدیثوں کے ذمہ دار ہیں جو نواس بن سمعان سے مسلم، ترمذی، ابو داؤد اور ابن ماجہ میں روایت کی گئی ہیں اور ان کے ساتھ مل کر دوسرے دو تین شامیوں، خراسانیوں نے نواس و سمعان کے نام گھڑے، اور سمعان کی بہن کا ایک قصہ گھڑ کر اس کا بہتان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر باندھا فسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

نواس بن سمعان کے علاوہ ابو سریحہ حذیفہ بن اسید کی طرف بھی منسوب کرکے کچھ حدیثیں گھڑی گئیں ہیں جن کے متعلق یہ ظاہر کیا گیا کہ ابو سریحہ سے ابو الطفیل روایت کرتے ہیں، صرف یہی حدیثیں نہیں، بلکہ ابو سریحہ کی ساری حدیثیں جو غالباً سات سے زیادہ نہیں ہیں، صرف ابو

الطفیل الکوفی ہی ان سب کے تنہا راوی ہیں - ابو الطفیل سے ابو سریحہ کی
حدیثیں بحصہ برابر باہم تقسیم کر کے تین عدد فرات القزاز روایت کرتے
ہیں اور تین عدد قتادہ - ایک حدیث بچ رہی تھی وہ نصفا نصف تقسیم تو ہو
نہیں سکتی تھی - ان دونوں میں سے جو بھی لیتا اپنے حصہ سے زیادہ لیتا اس
لئے اس ایک حدیث کی روایت کا ذمہ عمرو بن دینار نے لے کر ان دونوں
کا جھگڑا چکا دیا - لیکن زیر بحث حدیثوں میں سے ایک حدیث کی تحویل میں
ایک صاحب اور بھی ابو طفیل سے روایت کرنے والے تیار ہو گئے اور وہ
عبدالعزیز بن رفیع الاسدی ہیں جو طائف سے آکر کوفے میں بس گئے تھے، ان
کا ذکر ابھی آئے گا - مگر یہ اپنی اس تحویل کو ابو سریحہ ہی تک پہنچا کے رک
گئے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچاتے - اس لئے
دوسرے تین راویوں کے مقابلے میں یہ ابو الطفیل کے شاگرد ناقص ہیں -
بہر حال حضرت ابو الطفیل جن کا نام عامر بن واثلہ تھا - وفات نبویؐ کے
وقت زیادہ سے زیادہ آٹھ برس کے تھے اور حضرت علیؓ کے ساتھ کوفے میں
رہتے تھے - اور پھر کوفے ہی میں رہے - وفات مکے میں ہوئی - اور ابو سریحہ
بھی کوفی ہی تھے اور وہیں وفات پائی - ابو سریحہ کا سال وفات کوئی نہیں
لکھتا مگر، ابو الطفیل صحابہ میں سے سب سے آخر میں وفات پانے والے
تھے - ان کی وفات ١٠٠ھ میں ہوئی اور ان کو شیعوں نے شیعہ بھی مشہور کیا
ہے اہل سنت ائمہ رجال نے بھی ان کو تشیع لکھ دیا ہے - بہر حال ان
دونوں سے یہاں روایت کرنے والے صرف فرات القزاز ہیں جو کوفی تھے
اور ایک مجہول الحال آدمی ہیں - نہ ان کا سال ولادت معلوم نہ سال
وفات - یہاں تک کہ نہ ان پر کسی کی جرح ہے نہ تعدیل - چونکہ امام
مسلم ان کی حدیث روایت کر رہے ہیں اس لئے دو تین کوفیوں نے ان کو

صرف ثقہ لکھ دیا اور بس - ان کی ایک حدیث میں ایک تحویل عبدالعزیز
بن رفیع کی بھی بطور متابعت پیش کی گئی ہے - مگر یہ اسدی تھے، طائف
سے آکر کوفہ میں بس گئے تھے - اس لئے کوفی تھے اور ابن حبان نے ان کا
ذکر ضعفا میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ بعض ایسی حدیثیں روایت کرتے
ہیں جن کی متابعت نہیں ملتی - اور لکھتے ہیں کہ یہ الٹکل پچو حدیثیں روایت
کیا کرتے ہیں اس لئے سقط الاحتجاج بہ یعنی سند و حجت ہونے کے
قابل نہ رہے اور علی بن الجنید نے کہا کہ یہ ضعیف تھے اور ان کی حدیثیں
منکر ہیں اور جوزجانی نے کہا کہ یہ مرجیہ عقیدے میں غلو رکھتے ہیں اور ابن
جریج ہی کے قول سے ان کے رافضی ہونے کا بھی پتہ چلتا ہے - دیکھئے
تہذیب التہذیب ج ٦ - ص ٣٣٩ اور ابن ابی طے نے بھی ان کا ذکر شیعوں
میں کیا ہے - غرض یہ تو فرات القزاز سے بھی بدتر ہیں ان کی متابعت سے
غریب قزاز کو کیا تقویت پہنچ سکتی ہے - محدثین کا اصول ہے کہ "ادون"
یعنی راوی سے جو زیادہ ضعیف راوی ہو اس کی متابعت سے کوئی تقویت
حاصل نہیں ہو سکتی - اور پھر شعبہ جو قزاز سے بھی روایت کر رہے ہیں اور
عبدالعزیز بن رفیع سے بھی وہ یہ کہتے ہیں کہ ابن رفیع نے اس حدیث کو
مرفوع بنا کر روایت نہیں کیا ہے یعنی اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
تک نہیں پہنچایا - اس حیثیت سے بھی یہ متابعت ناقص ہی ہے - غرض
جس طرح نواس بن سمعان کی طرف منسوب حدیثوں کے ذمہ دار تنہا
عبدالرحمن بن یزید بن جابر الشامی ہیں اسی طرح ابو سریحہ حذیفہ بن اسید کی
طرف منسوب حدیثوں کے ذمہ دار تنہا فرات القزاز الکوفی ہیں - بعد والے
راویوں میں بھی متعدد افراد کافی مجروح ہیں - مگر اتنا جان لینے کے بعد، بعد
والے راویوں پر بحث کر کے مضمون کو طول دینے کا کوئی فائدہ نہیں -

صرف مسلم میں ایک روایت حضرت جابر بن عبداللہ کی طرف منسوب کی گئی ہے، جس کے متعلق دکھایا گیا ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ سے ابو الزبیر محمد بن مسلم بن تدرس الاسدی روایت کرتے ہیں جو معاملات میں بہت کھوٹے تھے، اسی لئے امام شعبہ نے ان سے روایت کرنا ترک کر دیا تھا اور ابو حاتم نے کہا کہ یکتب حدیثہ ولا یحتج بہ ان کی حدیث لکھ لی جائے گی مگر وہ سند و حجت نہیں سمجھی جائے گی۔ اور ابو الزبیر سے ابن جریج عبدالملک بن عبدالعزیز روایت کرتے ہیں جو کسی اموی کے غلام آزاد کردہ تھے، اور رومی الاصل تھے۔ نہایت مشہور مدلس تھے اور نہایت بری خطرناک تدلیس کیا کرتے تھے۔ ستر عورتوں سے انھوں نے متعہ کیا تھا۔ منکر حدیثیں بہت روایت کیا کرتے تھے یہ مجروح راویوں سے حدیثیں لیتے تھے اور ان کے ناموں میں اس طرح تدلیس کرتے تھے کہ معلوم نہ ہو کہ کس سے راویت کر رہے ہیں یا اس کی جگہ کسی ثقہ کا نام رکھ دیتے ہیں۔ یقین ہے کہ اس حدیث کو بھی ابن جریج ہی نے کسی سخت مجروح و ضعیف راوی سے سن کر ابو الزبیر کی طرف منسوب کر دیا ہے یا خود گھڑ لیا ہو۔ کیونکہ ان کا مذہب ان کے ستر عورتوں سے متعہ کرنے سے خود ظاہر ہے۔

اسی طرح ایک حدیث اور صرف مسلم میں ہے جو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی طرف منسوب ہے، جس کو ایک مجہول الحال یعقوب بن عاصم بن عروہ بن مسعود روایت کرتے ہیں۔ نہ جن کا وطن معلوم ہے نہ سال ولادت و وفات کا کہیں ذکر ہے، نہ کوئی ان پر جرح کرتا ہے نہ ان کی تعدیل کرتا ہے۔ چونکہ ان کی حدیث مسلم میں ہے اس لئے مسلم کا بھرم رکھنے کے لئے صرف ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کر دیا ہے۔

اسی طرح ان سے جو صاحب اس حدیث کو روایت کر رہے ہیں نعمان بن سالم، ان کا بھی کچھ حال معلوم نہیں بالکل مجہول ہیں، نہ ان کا سال ولادت معلوم، نہ سال وفات، نہ نسب معلوم، نہ یہ معلوم کہ کس قبیلے کے تھے پھر اس میں بھی ائمہ رجال کا اختلاف ہے کہ یہ کس "سالم" کے بیٹے ہیں جو ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں یا کسی اور کے۔ علامہ مزی کہتے ہیں کہ انھیں سالم کے بیٹے ہیں۔ اور امام بخاری و ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ کسی اور سالم کے بیٹے ہیں، جن کا حال کچھ معلوم نہیں۔ پھر جرح و تعدیل کے قابل بھی کسی نے ان کو نہ سمجھا۔ مگر شعبہ ان سے روایت کرتے ہیں اور ائمہ رجال نے یہ فرض کر لیا ہے کہ شعبہ جس سے روایت کریں وہ ضرور ثقہ ہے۔ حالانکہ ہم نے اپنی کتاب "تراجم المفسرین" میں شعبہ کے سو سے زیادہ شیوخ کے نام گن کر لکھدیئے ہیں، جن پر ائمہ رجال کی کم و بیش جرحیں موجود ہیں۔ اور نعمان بن سالم جیسے مجہول الحال راویوں سے تو یہ بہت روایت کرتے ہیں اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ مسلسل یہ دو دو مجہول الحال استاد و شاگرد کی روایت صرف شعبہ کا بھرم رکھنے کے لئے صحیح تسلیم کر لی جائے۔ خصوصاً جب اس کے آخری راوی عبیداللہ بن معاذ بن نصر البصری جن سے امام مسلم روایت کر رہے ہیں ان کے متعلق یحییٰ بن معین نے صاف کہہ دیا کہ لیس من اصحاب الحدیث۔ لیس بشئی۔ یعنی یہ حدیث جاننے والوں میں سے نہیں ہیں، یہ کچھ بھی نہیں ہیں۔ جو خود کچھ بھی نہیں اس کی حدیث بھی کچھ نہیں۔

اور صرف ترمذی میں ایک حدیث ابن شہاب زہری ہی تنہا عبیداللہ بن عبداللہ بن ثعلبہ الانصاری سے اور وہ صرف عبدالرحمن بن یزید بن جاریہ الانصاری سے روایت کرتے ہیں۔ عبیداللہ بن عبداللہ بن ثعلبہ الانصاری المدنی بالکل مجہول الحال شخص ہیں، کوئی عبداللہ بن عبید اللہ ان کو کہتا ہے

کوئی اور کچھ کہتا ہے۔ حاکم نے ان کو عبید اللہ بن ثعلبہ بن صعیر لکھا ہے۔
جس کو ابن حجر غلط لکھتے ہیں۔ ان سے صرف ابن شہاب زہری ہی روایت
کرتے ہیں اور یہ صرف عبدالرحمن بن یزید بن جاریہ انصاری سے اور وہ
صرف اپنے چچا مجمع بن جاریہ انصاری صحابی سے۔ انھوں نے بھی عہد نبوی
میں اپنے لئے قرآن جمع کرکے لکھ رکھا تھا۔ ان کے بھتیجے عبدالرحمن بن یزید
بن جاریہ ان سے صرف یہی ایک حدیث روایت کرتے اور ان سے صرف
عبیداللہ بن عبداللہ ثعلبہ جو ایک مجہول الحال شخص ہے اور اس سے تنہا
زہری صاحب روایت کرتے ہیں۔ بظاہر تو عبیداللہ بن عبداللہ بن ثعلبہ
ایک فرضی نام معلوم ہوتا ہے جس کا کوئی مسمی نہ تھا۔ جبھی تو اس سے
صرف یہی ایک حدیث مروی، وہ بھی ابن شہاب زہری سے۔ تو پھر جو
حدیثیں محض فرضی اور من گھڑت راویوں سے، یا مجہول الحال لوگوں سے
مروی ہوں اور ان کا ہر طریق آحاد ہی آحاد ہو تو پھر ایسی تار عنکبوت والی
حدیثوں سے کسی دینی عقیدے کا قائم کرنا، قرآن مجید کی کھلی ہوئی مخالفت
نہیں تو اور کیا ہے؟ کیونکہ قرآن مبین نے ایک اصول بنا کر پیش کر دیا
ہے۔ ان الظن لا یغنی من الحق شیئا۔ کیا ایسی ظنی من گھڑت
روایتوں سے کوئی حقیقت ثابت کی جاسکتی ہے؟۔

اب صرف ایک حدیث ابو سعید والی رہ گئی جو صرف ابن ماجہ میں ہے
ان صاحب سے اس حدیث کو صرف ان کے پرانے شاگرد رشید عطیہ العوفی
روایت کرتے ہیں۔ عطیہ سے عبیداللہ بن الولید الوصافی ان سے ابو محمد
المحاربی، ان سے ابوالحسن الطنافسی علی بن محمد بن اسحاق اور ان سے ابن
ماجہ صاحب السنن۔

ان میں سے اور کسی کے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف
ابو سعید اور عطیہ کو آپ جان لیں تو پھر سارے راویوں کی حیثیتوں پر خود

روشنی پڑجائے گی اور اس حدیث کی حقیقت بھی روز روشن کی طرح واضح
ہو جائے گی۔ تو سنئے یہ عطیہ بن سعد بن جنادہ العوفی الجدلی القیسی الکوفی
ہیں۔ ابو الحسن ان کی کنیت ہے۔ ابن حجر تہذیب ج ۷، ص ۲۲۵ میں لکھتے
ہیں کان یعد مع شیعۃ اہل الکوفہ یہ کوفی شیعوں میں گنے
جاتے تھے۔ امام احمد بن حنبل نے کہا کہ مجھ کو یہ خبر ملی ہے کہ عطیہ، کلبی
کے پاس جاتا ہے اور اس سے تفسیر وغیرہ پوچھتا ہے، اور کلبی کی کنیت خود
اپنی طرف سے "ابو سعید" رکھ لی ہے اور روایت کرنے کے وقت کہتا ہے کہ
قال ابو سعید۔ اور ابو احمد الزبیری نے کہا کہ میں نے کلبی سے سنا ہے کہ وہ
کہتے تھے کہ عطیہ نے میری کنیت ابو سعید رکھ دی ہے۔ ابن حبان نے کہا
(جس کا خلاصہ یہ ہے) کہ کلبی کی حدیثیں یاد رکھتا تھا کلبی کی کنیت ابو سعید
خود رکھدی تھی اور کہتا تھا کہ حدثنا ابو سعید تاکہ لوگ سمجھیں کہ ابو
سعید خدری صحابی سے روایت کر رہا ہے۔ اس لئے عطیہ کو امام احمد بن
حنبل، ابو داؤد، ساجی، یحییٰ بن سعید وغیرہم نے ضعیف غیر ثقہ اور لایحتج
بہ قرار دیا ہے۔

اور کلبی جس کا نام محمد بن السائب ہے۔ جس کا ذکر گذشتہ اوراق میں
گذر چکا ہے، کوفے کا بہت مشہور کذاب ہے کوفے میں دو بہت مشہور
کذاب تھے۔ ایک کلبی دوسرا سدی۔ اور تفسیری روایتیں خصوصیت کے
ساتھ زیادہ تر انھیں دونوں سے مروی ہیں۔ غیر تفسیری حدیثیں ان دونوں
کی محدثین قبول نہیں کرتے۔ مگر ان کے بعض تلامذہ ان کے نام کو بدل
بدل کر ان کی حدیثیں جو روایت کرتے ہیں ان کو جانتے بوجھتے بھی لے لیتے
ہیں۔ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ محدثین یہ خوب جانتے ہیں کہ عطیہ،
کلبی کی حدیثیں روایت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ حدثنا ابو سعید۔ کلبی کی کنیت
ابو سعید نہیں تھی۔ مگر اس کی یہ کنیت اپنی طرف سے رکھ کر یہ اس طرح

روایت کرتا ہے تاکہ لوگ سمجھیں کہ ابو سعید خدری صحابی سے روایت کر رہا ہے۔

تنقید

حضرت ابو سعید خدریؓ کا زمانہ عطیہ نے پایا تو ہوگا کیونکہ حضرت ابو سعید خدریؓ کی وفات ۷۴ھ میں ہوئی چوراسی سال کی عمر میں اور عطیہ مرا ہے ۱۱۱ھ میں۔ مگر ترجمہ ابن شہاب زہری میں میں لکھ چکا ہوں کہ جمع حدیث و روایت حدیث و تلاش احادیث کا رواج ابن شہاب زہری نے ۱۰۰ھ کے بعد قائم کیا ہے۔ اس لئے ۷۴ھ اور اس سے پہلے سے روایت احادیث کا عام دستور ہی نہ تھا، اور نہ اس وقت محدثین طلب احادیث کے لئے شدر حال کیا کرتے تھے، اس لئے ۷۴ھ یا اس سے پہلے اس کا امکان بھی نہ تھا کہ عطیہ کوفہ سے مدینہ آکر حضرت ابو سعید خدریؓ سے حدیثیں حاصل کرتا۔ غرض عطیہ کی یہ خاص بات جب خود ائمہ رجال و محدثین نے لکھدی کہ یہ کلبی کی کنیت ابو سعید اپنی طرف سے رکھ کر اس کی من گھڑت حدیثیں روایت کیا کرتا تھا۔ حدثنا ابو سعید کہہ کر تاکہ لوگ سمجھیں کہ یہ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت کر رہا ہے تو پھر اب اس حدیث کے افتراء و بہتان ہونے میں کوئی شبہ ہی نہ رہا، کیونکہ یہ معلوم ہوگیا کہ یہ حدیث اور عطیہ کی ساری وہ حدیثیں جن کو وہ حدثنا ابو سعید کہہ کر روایت کرتا ہے، وہ حضرت ابو سعید خدریؓ کی حدیثیں نہیں ہوتیں بلکہ ابو سعید کلبی کوفی کذاب کی حدیثیں ہوتی ہیں۔

چونکہ صحیح بخاری کا درجہ حدیث کی تمام کتابوں سے اعلیٰ و ارفع سمجھا جاتا ہے، اس لئے میں صحیح بخاری کی حدیثوں کو مرکزی نقطے کی حیثیت دے کر صحاح کی دوسری حدیثوں کا تنقیدی دائرہ کھینچتا ہوں۔ تاکہ کسی قدر اختصار بھی ہو اور سمجھنے والوں کو سہولت ہو۔

لیکن سب سے پہلے یہی قابل توجہ ہے کہ بخاری میں صرف ابو ہریرہؓ سے

اور وہ بھی صرف دو ہی حدیثیں مروی ہیں، اور صرف ایک ہی جگہ جو درحقیقت ان دونوں حدیثوں کے لئے کوئی مناسب محل نہ تھا۔ امام بخاریؒ ایک حدیث کو مختلف مضمونی مناسبتوں کے مطابق متعدد جگہ روایت کرتے ہیں مگر ان دو حدیثوں کو بے محل تو ذکر کرتے ہیں اور جو محل ان کے ذکر کا تھا وہاں نہیں ذکر کرتے۔ دوسری حدیثیں جو حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے مروی ہیں یا دوسرے صحابہ کی طرف منسوب ہیں، وہ اکثر ان ہی شیوخ سے مروی ہیں، جن سے امام بخاری برابر حدیثیں روایت کرتے رہے، پھر یہ دوسری حدیثیں جو امام مسلم و ترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ کو ملیں، ان شیوخ نے امام بخاری سے کیوں نہیں بیان کیں۔ آخر امام بخاریؒ کے ان شیوخ نے ان حدیثوں سے امام بخاری کو کیوں بے خبر رکھا؟ حقیقت یہ ہے کہ من گھڑت حدیثیں بنانے والوں نے شروع شروع دو ہی حدیثیں گھڑی تھیں جو کسی طرح بے محل ہی سہی بخاری میں داخل کر دی گئیں۔ اس کے بعد جب زیادہ حدیثیں تیار ہو گئیں تو بخاری میں ان کے داخل کرنے کی گنجائش باقی نہ رہی۔ صحیح مسلم کی تدوین بخاری کے بعد ہوئی ہے اس لئے صحیح مسلم میں اطمینان کے ساتھ کافی حدیثیں داخل کر دی گئیں، چونکہ امام مسلم نیشاپوری تھے اور نیشاپور بھی وضع احادیث کا ایک مستقل مرکز مدتوں تک رہا ہے، ممکن ہے کہ یہ حدیثیں وہیں گھڑی گئیں ہوں اور پھر ترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ میں بھی کچھ کچھ حدیثیں داخل کر دی گئیں۔ ورنہ یہ ماننا پڑے گا کہ امام بخاری کے شیوخ نے ان دوسری حدیثوں کو بھی امام بخاری کے سامنے پیش کیا تھا، مگر امام بخاری نے ان کو رد کر دیا اور قابل قبول وہ انھیں نہیں سمجھے۔

بہر حال اب مضامین احادیث کی طرف توجہ فرمائیے۔ میں نے گذشتہ اوراق میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اس موضوع سے متعلق حدیثیں

گھڑنے والوں نے دو مضمون کی حدیثیں گھڑیں۔ ایک تو یہ کہ حضرت عیسیٰ آئیں گے تو وہ کیا کیا کریں گے۔ دوسرے یہ کہ جب حضرت عیسیٰ آئیں گے تو مسلمانوں کی اس وقت کیا کیا کیفیتیں ہوں گی۔ اسی مناسبت سے دوسری کتابوں میں بھی انھیں دونوں طرح کی حدیثیں گھڑ گھڑ کر بھری گئیں۔ تو اب صحیح بخاری کی پہلی حدیث کا ترجمہ ملاحظہ فرمالیجئے۔ امام بخاریؒ اپنے سلسلہ اسناد کے مطابق فرماتے ہیں کہ سعید بن المسیب نے ابوہریرہؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس کی جسکے قبضے میں میری جان ہے ضرور ضرور اور عنقریب تم میں ابن مریم اتریں گے ایک عادل حاکم کی حیثیت سے، تو وہ صلیب کو توڑیں گے، سوروں کو قتل کریں گے، جنگ کو موقوف کردیں گے اور مال اس حد تک لٹائیں گے کہ کوئی اس کا قبول کرنے والا نہ رہے گا۔ یہاں تک کہ ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر سمجھا جائے گا۔ پھر ابوہریرہؓ نے کہا کہ اگر تم چاہو تو پڑھو وان من اھل الکتاب الالیؤمنن بہ قبل موتہ ---- شہیدا تک۔

اس حدیث کے متعلق سب سے پہلے خود صحیح بخاری ہی کے نسخوں کے اختلاف کے متعلق غور کرنا چاہیئے۔ صحیح بخاری مطبع احمدی میرٹھ جلد اول ص ۴۹۰ اور فتح الباری مطبوعہ مطبع انصاری دہلی جلد ۱۳ ص ۲۸۱ اور ایک نسخہ قدیم قلمی مکتوبہ ۱۰۸۳ھ ج اول، ص ۶۸۷ میں یضع الحرب ہے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنگ کو موقوف کردیں گے۔ خود حافظ ابن حجر عسقلانی کے سامنے جو نسخہ تھا اس میں بھی یہی عبارت تھی۔ چنانچہ شرح کرتے ہوئے وہ تحریر فرماتے ہیں قولہ ویضع الحوب فی روایہ الکشمیھنی الجزیہ یعنی امام بخاری کا قول ویضع الحرب جو صحیح

بخاری میں ہے وہ کشمیہنی کی روایت میں الحرب کی جگہ الجزیہ ہے۔ اور یہ لکھ کر وہ پھر یضع الجزیہ کی شرح کرنے لگے۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام حرب (جنگ) کو نہیں بلکہ جزیہ کو موقوف کریں گے۔ کیوں جزیہ کو موقوف کریں گے اور کس وجہ سے موقوف کریں گے اس کو ابن حجر بتانے لگے۔ اور یضع الحرب صاف کھاگئے۔ صحیح بخاری کے اکیس نسخے مشہور ہیں۔

۱۔ فربری ۲۔ حموی ۳۔ مستملی ۴۔ ابن عساکر ۵۔ سرخسی ۶۔ اصیلی ۷۔ قابسی ۸۔ مروزی ۹۔ ابو ذر ۱۰۔ ابو الوقت ۱۱۔ نسفی ۱۲۔ صغانی ۱۳۔ ابوالسکن ۱۴۔ ابو احمد الجرجانی ۱۵۔ ابن شبویہ ۱۶۔ ابوالہیثم ۱۷۔ تبریزی ۱۸۔ کشمیہنی ۱۹۔ شیخ ابن حجر ۲۰۔ قسطلانی۔ اور ۲۱۔ کریمہ بنت احمد بن حاتم المروزی۔ ان اکیس نسخوں میں سے بیس نسخوں میں ویضع الحرب ہے۔ یعنی حضرت عیسیٰ جنگ کو موقوف کردیں گے۔

صرف ایک کشمیہنی کے نسخے میں ویضع الجزیہ ہے۔ یعنی حضرت عیسیٰ جزیہ لینا موقوف کردیں گے۔ خود ابن حجر کے نسخے میں بھی وہی یضع الحرب ہی ہے۔ مگر بیس نسخوں کی متفق علیہ تحریر کو ناقابل توجہ گویا غلط قرار دے کر اس کو نظر انداز کر دینا اور صرف ایک نسخے کی تحریر کو صحیح قرار دے کر اسی کی شرح کرنا صاف بتا رہا ہے کہ یضع الحرب کے مفہوم میں کوئی چپقلش تھی، اسی لئے بخاری کی اس حدیث کے بعد جتنی حدیثیں گھڑی گئیں

۸۔ کشمیہنی۔ کشمیہن بضم کاف مرو کے علاقے میں اس سے پانچ کوس کے فاصلے پر ایک قریہ تھا ماوراء النہر کے راستے پر۔ ابو محمد حیان بن موسیٰ بن سوار الکشمیہنی یہیں کے مشہور محدث تھے جو عبداللہ بن مبارک کے شاگرد تھے اور ان سے حدیثیں بہت روایت کیا کرتے تھے۔ اور امام بخاری کے شیخ تھے۔ ۲۳۲ھ یا ۲۳۱ھ میں وفات پائی۔ دوسرے ابو الہیثم محمد بن مکی بن محمد بن زراع بن ہارون بن زراع الکشمیہنی ہیں جن کی وفات ۲۸۹ھ میں ہوئی۔ صحیح بخاری کے یہی دوسرے کشمیہنی صاحب راوی ہیں۔ خراسان میں صحیح بخاری انھیں سے پہنچی اور انھوں نے اکثر عجمی شہروں میں ---------

سب میں یضع الجزیہ ہی رکھا گیا۔ مگر بخاری میں جو یضع الحرب داخل کیا جاچکا تھا اور اس کے متعدد نسخے مختلف راویوں کے ذریعے تمام ممالک میں پھیل چکے تھے۔ اس کو کیا کیا جاتا۔ تو کسی طرح کشمیہنی کے نسخے میں جو "الحرب" لکھا ہوا تھا اس کی حائے حطی کے نیچے اور رائے مہملہ کے اوپر ایک ایک نقطہ دے دیا گیا اور "ب" کے نیچے ایک اور نقطہ بڑھا کر اس کے ساتھ ہائے ہوز بڑھا کر اس پر دو نقطے دے دیئے تو اس کی یہ شکل ہوگئی "یۃ" یا صرف ایک شوشہ ہی بڑھا دیا ہو اس طرح "یۃ" پھر کیا تھا وہ یضع الحرب جو تھا کس آسانی سے یضع الجزیہ بن گیا۔ پھر بعد والوں کو یہ کہنے کا موقعہ مل گیا کہ دوسری کتابوں میں جتنی حدیثیں اس موضوع سے متعلق آئی ہیں ان سبھوں میں الجزیہ ہے تو پھر بخاری میں الحرب کیوں ہونے لگا۔ یقیناً وہ کشمیہنی والا نسخہ صحیح ہے مگر اہل انصاف کبھی اس کو باور نہیں کر سکتے کہ بیس نسخے تو غلط ہوں اور صرف ایک نسخہ صحیح ہو۔ اس لئے حقیقت یہی ہے کہ بخاری میں ویضع الحرب ہی کی روایت ہے، بعد کو اس کی غیر معقولیت محسوس کرکے الحرب کو الجزیہ بنایا گیا۔

موقوفی حرب اور موقوفی جزیہ دونوں کے مفہوم میں جو تضاد ہے، ظاہر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور پھر عراق و حجاز وغیرہ میں اپنے نسخہ صحیح بخاری کے پھیلانے میں بہت کوشش کی۔ امام بخاری کی وفات کے ۳۳ برس بعد ان کی وفات ہے۔ صحیح بخاری کی اشاعت اپنے خاص نسخے کے مطابق انھوں نے امام بخاری کی وفات کے بعد ہی کی۔ مگر واضح رہے کہ ان کشمیہنی صاحب کو صحیح بخاری امام بخاری سے بلاواسطہ نہیں ملی تھی بلکہ غالباً انھوں نے امام بخاری کو دیکھا بھی نہ ہوگا۔ انھوں نے محمد بن یوسف بن مطر بن صالح بن بشر الفربری کلہ سے صحیح بخاری کا نسخہ پایا اور انھیں کو سنایا۔ فربری کی وفات ۳۲۰ھ میں ہوئی۔ یعنی کشمیہنی کی وفات سے ۳۱ برس بعد۔ مگر معلوم نہیں کشمیہنی کے نسخہ بخاری میں فربری کے نسخہ سے اختلافات پھر کیوں ہوئے۔ فربری کے نسخہ میں تو یضع الحرب ہی ہے کشمیہنی صاحب "یضع الجزیہ" کہاں سے لے آئے۔ یقیناً یہ تبدیلی بعد کو کر لی گئی۔

ہے موقوفی حرب کا مطلب تو یہی لیا جائے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف تبلیغ سے کام لیں گے اور کفار کے ساتھ جہاد بالسیف اور قتال نہیں کریں گے، بلکہ جہاد کو منسوخ کر دیں گے اور موقوفی جزیہ کا یہ مطلب ہے کہ وہ اہل کتاب سے اس وقت تک لڑتے رہیں گے کہ وہ اسلام قبول کرلیں۔ قرآن مبین نے جو اہل کتاب سے جزیہ لے کر صلح کرلینے کی اجازت دی ہے اس کو وہ منسوخ کر دیں گے۔ بس دو ہی صورت باقی رکھیں گے یا غیر مسلمین اسلام قبول کرلیں یا تلوار کے گھاٹ اتار دیئے جائیں۔ تو یضع الحرب سے جہاد و قتال کے حکم کی منسوخی اور یضع الجزیہ سے جہاد و قتال ہی پر عمل مگر جزیہ لینے کی اجازت کی منسوخی نکل رہی ہے۔ دونوں کا تضاد صاف نمایاں ہے، اور بہر حال قرآن مبین کا ایک نہ ایک حکم منسوخ ضرور ہو رہا ہے۔ اس لئے یہ کہنا صحیح نہیں کہ حضرت عیسیٰ جو دوبارہ آئیں گے تو شریعت محمدیہ ہی کا اتباع کریں گے۔ کیونکہ بخاری کی یہ حدیث بتا رہی ہے کہ وہ جہاد و قتال کا حکم منسوخ کر دیں گے اور صحاح کی دوسری حدیثیں بتا رہی ہیں کہ وہ جزیہ لینے کی اجازت جو قرآن میں ہے اس کو منسوخ کر دیں گے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ وہ ایک امتی بنکر نہیں آئیں گے بلکہ ایک صاحب شریعت نبی ہونے کی حیثیت سے آئیں گے جس طرح پہلی مرتبہ آئے تھے۔ پہلی بار بھی انھوں نے تورات کے تمام احکام کو تو منسوخ کیا نہ تھا۔ بعض چیزیں جو بنی اسرائیل یعنی یہودیوں پر تعزیراً حرام کردی گئی تھیں انھوں نے اس تعزیری حکم کو منسوخ کرکے بحکم الہیٰ ان چیزوں کو بنی اسرائیل کے لئے حلال کر دیا تھا اور ان کے باہمی اختلافات کا فیصلہ کر دیا تھا۔ اسی طرح بقول راویان احادیث اب کے بھی آئیں گے تو جہاد و جزیہ یا دونوں کا حکم منسوخ کر دیں گے۔ اور قرآن کے باقی احکام باقی رکھیں گے اور سوروں کے قتل کا حکم اگرچہ شریعت محمدیہ میں نہیں ہے مگر وہ

اپنی نئی شریعت کی رو سے جس کو وہ دوبارہ آنے کے وقت اپنے ساتھ لائیں
گے۔ اس پر عمل کرینگے غرض وہ جب شریعت محمدیہ میں محو و اثبات کا حکم
لے کر آئیں گے تو ان کا وہ محو و اثبات یقیناً اپنی لائی ہوئی نئی ہی شریعت
کے مطابق ہوگا۔ نہ کہ شریعت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مطابق۔
شریعت محمدیہ کے جن احکام کو بحال و برقرار رکھیں گے وہ اپنی نئی شریعت
اور اپنی صواب دید کے مطابق، نہ کہ اتباعاً۔ اس اعتراض کا جواب محدثین
سے کچھ نہ ہوسکا۔ ابن حجر عسقلانی۔۔ فتح الباری جلد ۱۳ ص ۲۸۱ مطبوعہ
مطبع انصاری دہلی میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ وضع حرب یا وضع
جزیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق کریں گے، تو
یہ آپ کے فرمانے کے مطابق ہی ہوا۔ اس لئے انھوں نے اس حیثیت سے
شریعت محمدیہ کا اتباع ہی کیا۔ یہ جواب ہوا یا بات بنانا ہوا؟ پیشن گوئی
حدیثوں ہی میں رجال کے متعلق بھی ہے وہ یہ کریگا اور وہ کرے گا۔ تو کیا
وہ جو کچھ کرے گا وہ شریعت محمدیہ کے اتباع میں کرے گا۔ اور احکام نبوی
بجالائے گا؟ جب تو مسیح موعود اور مسیح دجال دونوں کی ایک جیسی حیثیت
اتباع شریعت محمدیہ میں ہوگی اور کوئی وجہ نہیں کہ کسی کو اچھا سمجھا جائے
اور کسی کو برا کہا جائے۔

اور اس جواب سے ایک بات یہ بھی ٹپک رہی ہے کہ قرآن کچھ اور چیز
ہے اور شریعت محمدیہ کچھ اور چیز۔ حضرت عیسیٰ جو آئیں گے تو وہ قرآن کے
بعض احکام کو تو منسوخ کر سکیں گے مگر شریعت محمدیہ کو منسوخ نہیں
کر سکیں گے بلکہ اس کا اتباع کریں گے۔

ایک ادبی نکتہ بھی اس حدیث میں قابل لحاظ ہے کہ متکلم کوئی بات تاکید
بالائے تاکید اور پھر قسم کھا کر جبھی کہتا ہے جب وہ یہ اچھی طرح جانتا ہو کہ
مخاطب شخص یا جماعت میری بات باور نہ کرے گی۔ اور اسی بات یا دعویٰ

کے ثبوت میں کوئی دلیل پیش نہیں کی جاسکتی، تو حروف تاکید اور قسم کے
ذریعے سامعین کو اپنی بات کا یقین دلایا جاتا ہے۔ مگر اس خبر دہی کے
مخاطب تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کے صحابہ ہی تھے جو
آپ کے نبی مرسل اور مخبر صادق ہونے پر ایمان کامل رکھتے تھے اور آپ
کی ہر بات پر سچے دل سے امنا و صدقنا ہی کہا کرتے تھے کفار تو کفار ہی
تھے۔ منافقین بھی آپ کے مخاطب نہ تھے۔ پھر اس خبر دہی میں دو دو
حروف تاکید اور ایک زبردست قسم کی کیا ضرورت تھی؟ یہ بے آب موزہ
کشیدن تو فصحاو بلغا کے دستور کے خلاف ہے۔ یہ بے محل حروف تاکید اور
قسم کا استعمال صاف طور سے اس کی نشان دہی کر رہا ہے کہ یہ عجمی طرز
بیان ہے۔ رسول عربی افصح العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ انداز
گفتگو نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ دیکھیئے ایک پیشن گوئی کی ایک صحیح حدیث ہے
کہ آپ نے فرمایا۔ تکثرلکم الاحادیث بعدی فماروی
لکم حدیث عنی فاعرضوہ علی کتاب اللہ فماوافق
فاقبلوہ وماخالف فردوہ۔ یعنی میرے بعد تمھارے سامنے حدیثوں
کی بڑی کثرت ہوگی تو جو حدیث میری طرف منسوب کر کے تمھارے سامنے
روایت کی جائے، اس کو کتاب اللہ (یعنی قرآن) کے سامنے پیش کرو، تو جو
اس کے موافق ہو اس کو قبول کرو، اور جو اس کے خلاف ہو اس کو رد
کردو۔

یہ بھی پیشین گوئی ہی ہے اور نہایت سچی پیشن گوئی ہے۔ مگر آپ نے
لتکثرن والذی نفسی بیدہ کے ساتھ نہیں فرمایا۔ یعنی نہ
حروف تاکید لگائے نہ قسم کھائی، کیونکہ اس کی کوئی ضرورت نہ تھی، جو لوگ
مخاطب تھے آپ کی ہر بات پر ان کا ایمان تھا۔

اصل یہ ہے کہ ان حدیثوں کے گھڑنے والوں کے دلوں میں خود چور

تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہم ایک ایسی بات رسول کی طرف منسوب کر رہے ہیں جس کا ذکر قرآن مجید میں اشارۃً کنایۃً کسی طرح بھی نہیں۔ اس لئے لوگ ایسی بات سن کر متحیر ضرور ہوں گے۔ وہ خود قسم کھاتے کہ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرور ضرور فرمائی ہے۔ تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ ان کو خود اس کا گمان غالب یا یقین تھا کہ ان کی روایت کو سامعین باور نہ کریں گے۔ اس لئے یہ قسم کھا کر اور حروف تاکید لگا کر کہہ رہے ہیں۔ اس لئے انھوں نے ان حروف تاکید اور قسم کو نفس حدیث ہی میں داخل کر دیا۔ حدیث تو جھوٹی تھی ہی اس کے سر پر جھوٹی قسم کی پگڑی بھی باندھ دی۔ اور پھر حروف تاکید کا طرہ بھی اس میں ٹھونس دیا کہ اب تو سامعین صرف واللہ باللہ نہیں بلکہ والذی نفسی بیدہ والی لمبی چوڑی، ٹھوس قسم اور دو دو حروف تاکید سے مرعوب ہو کر اس جھوٹی حدیث کو سچی سمجھ لیں گے۔

عجمی منافقین و ملاحدہ جو جھوٹی حدیثیں گھڑا کرتے تھے ہر چند عربی ادب کے بڑے ماہر ہی ہوا کرتے تھے اور وہ جھوٹی حدیثیں جو گھڑا کرتے تھے، تو کچھ پانی کے کچے گھڑے نہیں بھرا کرتے تھے، مگر یہ بھی ایک معجزہ نبویہ ہی ہے کہ ان وضاعین و کذابین کی مہارت ادب عربی کے باوجود ان کی من گھڑت بعض حدیثوں میں ایسی باتیں ضرور رہ جاتی تھیں جس سے اہل انصاف و دیانت جو روایت پرست نہیں ہیں، حق و باطل کی تمیز کرنا چاہتے ہیں، وہ ضرور بادنیٰ تامل سمجھ لیں گے کہ یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہے۔ بلکہ منافقین عجم کی ساختہ و پرداختہ ہے۔

میرے بعض معاصر جو یہ کہتے ہیں کہ جھوٹی اور سچی حدیثوں کے سمجھنے کے لئے مزاج شناس نبوت ہونا شرط ہے۔ میں بھی یہی کہتا ہوں، مگر مزاج شناس نبوت وہی ہو سکتا ہے جو پہلے مزاج شناس قرآن ہو چکا ہو۔ حضرت

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے آنحضرتؐ کے اخلاق کے متعلق پوچھا تھا تو آپ نے فرمایا کہ خلقہ القران۔ اسی لئے جس کا بے لوث غور و تدبر جس قدر قرآنی آیات پر ہوگا، اسی قدر وہ مزاج شناس نبوت[؎] ہوگا۔

سنائی نے کیا خوب کہا ہے۔

عروس معنی قرآن نقاب آنگہ بر اندازد
کہ خلو تخانہ دل را مجرد سازی از غوغا

مگر روایت پرستی انسان کو جس طرح قرآن سے کوسوں دور پھینک دیتی ہے اسی طرح رسول سے بھی بعید تر کر کے چھوڑتی ہے، چنانچہ امام شعبہ نے اپنے حلقے سے فرمایا تھا کہ کلماتقدمتم فی الحدیث تاخرتم عن القران۔ جتنا تم حدیث کی طرف آگے بڑھو گے قرآن سے اتنا ہی پیچھے ہوتے جاؤ گے۔ یہ ایک ایسا الہامی قول ہے کہ اس کا ثبوت بڑے بڑے محدثین کی تصنیفوں میں جا بجا دیکھنے میں آتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے موقع دیا تو اس کی متعدد مثالیں پیش کر کے دکھادوں گا کہ انہماک فی الحدیث کی بدولت محدثین کس کس طرح قرآن سے غافل رہے ہیں۔ امام شعبہ نے صرف صغریٰ ہی پیش کیا ہے میں اس میں کبریٰ کا اضافہ اس طرح کر دیتا ہوں کہ و کلما تاخرتم عن القران تاخرتم عن الرسول یعنی اور جس قدر تم قرآن سے پیچھے چھوٹے اسی قدر رسول سے بھی پیچھے چھوٹے۔ اب صغریٰ و کبریٰ کے مرتب ہو جانے کے بعد آپ لامحالہ اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ فلکلما تقدمم فی الحدیث

؎ لیکن اسے بھی خیال کی تائید میں قرآن سے سند پیش کرنی ہوگی۔ کسی انسان کا ذاتی خیال دین میں سند نہیں ہو سکتا۔

تاخرتم عن الرسول - یعنی جس قدر تم حدیثوں کی طرف آگے بڑھو گے، اسی قدر تم رسول سے پیچھے چھوٹو گے - اور اس نتیجے کی صحت کا ثبوت یہ ہے کہ روایت پرستی کے جذبے سے متاثر ہو کر حدیثوں کے پرستار صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تو لیتے ہیں کیونکہ اس سے ان کو مفر نہیں ہے، مگر ان کے مطمع نظر ان کے شیوخ و جامعین احادیث اور راویوں کی جماعت ہوتی ہے - اسی لئے یہ اس کی پروا نہیں کرتے کہ کسی حدیث سے قرآنی آیات مشتبہ ہو رہی ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ پر حرف آرہا ہو، ہر چہ باشد مگر یہ ان روایتوں کی خلاف عقل تاویلیں کر کے ان کی توثیق ضرور کرتے رہیں گے -

غرض صحیح بخاری کی اس پہلی حدیث میں جو نزول عیسیٰ کے متعلق ہے بے ضرورت قسم اور دو دو حرف تاکید کا استعمال اس حدیث کے گھڑنے والے کی بجیت اور اس حدیث کے کذب و افترا، ہونے کی ایک واضح دلیل ہے -

اسی مضمون کی حدیثیں جو صحاح کی دوسری کتابوں میں ہیں، اب ذرا ان پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے، یہی حدیث بالکل اسی اسناد کے ساتھ صحیح

جو حدیثیں والذی نفسی بیدہ والی قسم سے شروع ہوئی ہیں، ان کی اکثریت جھوٹی ہی حدیثوں کی ہے اور باقی جو ہیں وہ بھی کم سے کم مشتبہ ضرور ہیں، چنانچہ ان حدیثوں کے مضامین ہی آپ کو بتا دیں گے کہ یہ حدیث موضوع ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ کوئی صحیح حدیث قسم سے شروع ہی نہیں ہوئی ہے - ایسی صحیح حدیثیں بھی ہیں مثلاً صحابہ بنی اسرائیل و امم سابقہ کے احوال قرآن میں پڑھتے تھے مگر وہ اس کا گمان بھی نہیں کر سکتے تھے کہ یہی حالت کبھی مسلمانوں کی بھی ہو جائے گی، اس لئے ان کو یقین دلانے اور اس وقت سے ڈرانے کے لئے قسم کھا کر فرمایا گیا کہ تا اللہ لترکبن سنن الذین من قبلکم - "خدا کی قسم تم لوگ بھی ضرور اپنے اگلوں کی روش پر آجاؤ گے" - یہ قسم کس قدر بر محل ہے - اگر بغیر قسم اور بغیر حروف تاکید کے فرمایا جاتا تو وہ ترہیب نہ پیدا ہوتا جس سے بعد والے ہوشیار رہ سکتے -

مسلم ج ۱ ص ۸۷ مطبوعہ مطبع علمی دہلی میں ہے - دیکھئے کتاب الایمان باب نزول عیسیٰ بن مریم - حاکما بشریعۃ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم و اکرام ھذہ الامۃ زادھا اللہ شرفا و بیان الدلیل علی ان ھذہ الملۃ لا تنسخ وانہ لا تزال طائفۃ منھا ظاہرین علی الحق الی یوم القیامۃ - یعنی یہ وہ باب ہے جس میں اس کا بیان ہے کہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق احکام جاری کرنے والے ہو کر اتریں گے، اور اس میں اس امت کی بزرگی ہے، اللہ اس کے شرف کو بڑھائے اور اس کی دلیل بھی اس باب میں ہے کہ یہ دین منسوخ نہ ہوگا، اور قیامت تک ایک ایسی جماعت ہمیشہ رہے گی جو حق پر قائم رہتے ہوئے غالب رہے گی -

اتنے لمبے چوڑے ترجمے والے باب میں اور حدیثوں کے ساتھ یہ حدیث بھی انہیں اسناد کے ساتھ موجود ہے - صرف فرق اس کا ہے کہ امام بخاری ایک شخص نامعلوم "اسحٰق" سے روایت کر رہے ہیں اور امام مسلم کے دو دو شیخ سر ملا کر اس کی روایت امام مسلم کے سامنے بیان کر رہے ہیں - عبید بن حمید اور حسن الحلوانی - اول الذکر ایرانی تھے - ماوراء النہر کے قریب ایک گاؤں "کش" کے رہنے والے تھے - جو خراساں و نیشاپور کی دوڑ میں رہا کرتے تھے - امام مسلم بھی نیشاپوری ہی تھے - غالباً اسی مناسبت سے ان کا نام یہاں ٹھونسا گیا ہے - دوسرے صاحب کہے جاتے ہیں مدنی مگر مکہ میں آبسے تھے - لیکن امام احمد بن حنبل ان کو اچھا آدمی نہیں سمجھتے تھے - فرماتے تھے کہ ان کے متعلق مجھ کو ایسی باتیں معلوم ہیں جن کو میں مکروہ سمجھتا ہوں - بعض ائمہ رجال کی اور جرحیں بھی ان پر ہیں، مگر میں اس وقت رجال کی بحث نہیں کر رہا ہوں - گذشتہ اوراق میں رجال پر پوری بحث

ہو چکی ہے۔

غرض یعقوب بن ابراہیم سے اسحق اور اسحق سے امام بخاری روایت کرتے ہیں اور انھیں یعقوب بن ابراہیم سے عبید بن حمید اور حسن الحلوانی روایت کرتے ہیں اور ان دونوں سے امام مسلم روایت کرتے ہیں ۔ اور یعقوب سے لے کر حضرت ابو ہریرہ تک دونوں کے اسناد ایک ہی ہیں ، اور جس طرح صحیح بخاری میں ابن شہاب اور ابراہیم بن سعد کے درمیان صالح کا نام بغیر اظہار ولدیت و سکونت و نسبت کے مبہم رکھدیا گیا ہے ۔ بالکل اسی طرح صحیح مسلم میں بھی مبہم ہی رکھا گیا ہے ، جس سے صاف ظاہر ہے کہ سلسلہ اسناد جوڑ کر اس حدیث کو دونوں کتابوں میں داخل کرنے والا ایک ہی شخص تھا۔ یا ایک ہی گروپ کے لوگ تھے۔

متن حدیث میں بھی مصلحتۃً ذرا سا فرق رکھا گیا ہے وہ یہ کہ بخاری میں حکما عدلا ہے اور مسلم میں حکما مقسطا اور دونوں کے معنی ایک ہی ہیں اور مسلم میں یضع الحرب کی جگہ یضع الجزیہ جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں کہ شروع میں بخاری میں جو حدیث داخل کی گئی اس میں یضع الحرب رکھا گیا تھا ۔ بعد کو اس کے مفہوم کی خرابی محسوس کی گئی تو دوسری کتابوں میں الحرب کو الجزیہ بنا دیا گیا ہے اور بخاری کے بھی کشمیہنی والے نسخے میں موقع پاکر یہ تبدیلی کردی گئی ، لیکن صحیح مسلم ہی میں یہی حدیث ابن شہاب زہری ہی سے لیث بن سعد اور ان سے محمد بن رمح اور ان سے امام مسلم اور انھیں لیث بن سعد سے قتیبہ بن سعید اور ان سے ترمذی روایت کرتے ہیں تو مسلم اور ترمذی دونوں میں یہ حدیث عدلا کی جگہ مقسطاً ہی کا لفظ رکھتی ہے ۔ جس طرح مسلم کی اس حدیث میں ہے جو بالکل بخاری ہی کے اسناد سے مروی ہے ، مگر ویفیض المال حتی لا یقبلہ احد ہی تک یہ حدیث مسلم و

ترمذی دونوں میں ہے ۔ اس عبارت کے بعد وہ اضافہ جو یعقوب بن ابراہیم کی روایت میں بخاری و مسلم میں ہے۔ حتی تکون السجدہ سے آیت سورہ نساء تک مسلم و ترمذی کی لیث بن سعد والی روایت میں نہیں ہے ۔ لیث بن سعد ہی والی روایت نہیں ، بلکہ مسلم میں ایک طریق سفیان بن عینیہ والا بھی ہے ۔ ابن شہاب زہری ہی سے جس کو ابن عینیہ سے عبدالاعلی بن حماد و ابو بکر بن شیبہ اور زہیر بن حرب تینوں روایت کرتے ہیں اور ان تینوں سے امام مسلم روایت کرتے ہیں ۔ اس میں بھی وہ یعقوب بن ابراہیم والا اضافہ نہیں ہے۔ حتی لا یقبلہ احد ہی تک ہے ۔ البتہ عدلاً اور مقسطاً کے اختلاف کو اسی طریق میں اس طرح چکا دیا ہے کہ اماما کا لفظ بڑھا کر مقسطا کو اسی کے ساتھ جوڑ دیا ہے اور اس کے بعد وہ بخاری والا حکما عدلا و او عطف بڑھا کر رکھدیا کہ سب کی بات رہ جائے ۔ عبدالاعلی بن حماد ، ابو بکر بن شیبہ اور زہیر بن حرب نے باہمی مشورہ کے بعد یہ بہت مناسب صورت ان لفظی اختلافات کے فیصلہ کی نکالی ۔

اور مسلم ہی میں ایک طریق اور بھی ہے جس میں ابن شہاب زہری کے ہم وطن شاگرد رشید یونس بن یزید الایلی ، ابن شہاب ہی سے روایت کرتے ہیں، یونس سے ابن وہب، ان سے حرملہ بن یحییٰ اور ان سے امام مسلم روایت کرتے ہیں اس روایت میں بخاری والی روایت کی طرح حکما عدلا ہے۔ لیکن وہ یعقوب بن ابراہیم والا اضافہ اس میں بھی نہیں ہے۔ یعنی حتی لا یقبلہ احد ہی تک اس میں بھی ہے ۔ غرض باوجود اس کے کہ صرف ابن شہاب زہری ہی سے اس حدیث کو لیث بن سعد ، سفیان بن عینیہ اور یونس بن یزید بھی روایت کر رہے ہیں، مگر وہ

صالح میسم والا اضافہ جو یعقوب بن ابراہیم والی روایت میں ہے، اس کو ان
کے سوا کوئی بھی بیان نہیں کرتا۔ اور نہ سورہ نساء والی آیت کا کوئی ذکر کرتا
ہے۔

اب ذرا اس اضافے پر بھی ایک نظر ڈالیئے ۔ حتی تکون
السجدہ الوحدہ خیر امن الدنیا و مافیھا۔ تو ایک بدرقہ
کے طور پر بڑھایا گیا ہے، اس لئے اصل اضافہ جو ہے اس کو دیکھیئے جس کی
نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تو بخاری و مسلم کی روایت
میں نہیں کی گئی ہے ۔ (مگر غیر صحاح کی روایتوں میں آیت سورہ نساء والا
اضافہ خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف منسوب ہے) مگر
حضرت ابو ہریرہؓ ہی کا قول سہی " کہ انھوں نے یہ حدیث بیان کرکے
سامعین سے کہا کہ اگر چاہو تو وان من اھل الکتاب الالیو
منن بہ قبل موتہ والی آیت شھیداً تک پڑھ جاؤ ۔ یعنی اس آیت کا
مطلب اس حدیث سے، یا اس حدیث کا مطلب اس سے واضح ہوجاتا ہے
یا دونوں کے مفہوم کو کوئی واضح مناسبت باہمی ہے تو ہم لوگوں کا بھی یہ
فرض ہے کہ اس آیت اور اس حدیث کے مفہوم پر غور کریں، اور اس
کے سمجھنے کی کوشش کریں کہ دونوں کے مفہوم میں کونسی مناسبت باہمی
ہے ۔ تو پہلے یہ دیکھیئے کہ محدثین اس حدیث کی شرح میں کیا لکھتے ہیں۔
ظاہر ہے کہ ایک جھوٹی حدیث میں وہ صداقت والی روشنی کہاں سے آسکتی
ہے کہ قرآنی آیات کے صحیح مفہوم کو اس کی روشنی میں متعین کیا جاسکے ،
اور پھر قرآن مبین کی کسی آیت کا صحیح مفہوم ہرگز کسی اندھیرے میں
نہیں جس کے لئے کوئی باہر کی روشنی لانے کی ضرورت پڑے کہ وہ صحیح
مفہوم لوگوں کو نظر آنے لگے ۔ البتہ جن کی بینائی ہی کمزور ہے وہ اپنی قوت
بینائی کی مدد کے لئے کوئی عینک نکالیں یا مزید روشنی کی مدد لیں تو یہ اور

بات ہے ۔

حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث کے ساتھ اس آیت کا جوڑ ابن شہاب
زہری کے شاگرد کسی صالح میسم صاحب نے (جن کی ولدیت و سکونت و
نسبت سب کو امام بخاری و امام مسلم یا ان کے شیوخ نے چھپایا) اسی لئے
ملایا ہے کہ اس آیت کا مفہوم خبط ربط ہو جائے ۔ چنانچہ اسی حدیث کی وجہ
سے محدثین ومفسرین سب نے اس آیت کے مفہوم میں دھوکہ کھایا اور
لیومنن بہ کی ضمیر مجرور اور قبل موتہ کی ضمیر دونوں ہی
کو حضرت عیسیٰؑ کی طرف پھیر کر اس کا یہ مطلب بتانے لگے کہ جب حضرت
عیسیٰؑ دوبارہ دنیا میں آئیں گے ۔ تو اس وقت ان کی موت سے پہلے سارے
اہل کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے ۔ یعنی یہ آیت قرآن سے کوئی تعلق
نہیں رکھتی، اس کو اپنے ماقبل و مابعد آیتوں سے کوئی تعلق نہیں ۔ جو کچھ تعلق
ہے وہ صرف اس حدیث سے ہے ۔ کیونکہ قرآن میں تو حضرت عیسیٰؑ کے
دوبارہ دنیا میں آنے کا کہیں ذکر نہیں ہے جو اس آیت کے مفہوم میں یہ
اضافہ کیا جائے کہ " جب حضرت عیسیٰؑ دوبارہ دنیا میں آئیں گے، اس وقت
وان من اھل الکتاب الالیومنن بہ قبل موتہ
آیت الالیومنن بہ کا مفہوم: بہ قبل موتہ کوئی ایسا اہل کتاب نہ ہوگا جو
حضرت عیسیٰؑ پر ان کی موت سے پہلے ایمان نہ لائے ۔ یہ مفہوم تعین
وقت والا تو اس حدیث سے نکالا جارہا ہے، تو اس آیت کو اس حدیث کا
ایک حصہ ہونا چاہیئے، قرآن کا کوئی ٹکڑا نہیں ہوسکتی ۔ کیونکہ قرآن میں تو وہ
تعین وقت والا مفہوم مذکور نہیں ۔ غرض اس حدیث سے جو اس آیت کا
جوڑ ملایا گیا ہے وہ درحقیقت اس عقیدے کے ماتحت کہ حضرت عیسیٰؑ زندہ
آسمان پر اٹھالیئے گئے اور وہ اس وقت تک وہاں زندہ ہیں اور ابھی اور زندہ
رہیں گے ۔ یہاں تک کہ قیامت سے کچھ پہلے وہ دوبارہ زمین پر اترین اور چند

سال زندہ رہ کر وفات پائیں تو ان کی یہ موت قیامت کے قریب ہوگی۔ اور جب تک ان کی موت نہیں ہوتی اس وقت تک ہر فرد اہل کتاب کا اس بات پر ضرور ایمان لے آئے گا کہ ان کو کسی نے قتل نہیں کیا۔ سولی نہیں دی بلکہ اللہ نے ان کو آسمان پر اٹھالیا۔ یعنی اس آیت کا جوڑ اس حدیث سے اس لئے نہیں ملایا گیا ہے کہ لوگ قرآن کے مطابق اپنا عقیدہ قائم کریں بلکہ اس لئے یہ جوڑ ملایا گیا ہے کہ لوگ اپنے عقیدے کے مطابق قرآن کی اس آیت کا مطلب نکالیں۔

لیومنن بہ۔ میں جو ضمیر مجرور ہے اس کو عدم قتل و عدم تصلیب و رفع الی اللہ کی طرف پھیریئے یا حضرت عیسیٰ کی ذات کی طرف پھیریئے۔ بہر حال یہ ماننا پڑے گا کہ زمانہ رفع سے لے کر اس وقت تک جو انیس سو برس سے کچھ زیادہ ہی ہوتا ہے۔ جتنے اہل کتاب گزرے سب کے سب مومن ہی گزرے۔ جو یہودی تھا وہ ضرور عیسائی ہو چکا تھا اور سارے یہودی عیسائی ہیں۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ہر اہل کتاب اپنی موت سے پہلے ایمان لے آتا ہے۔ کیونکہ قبل موتہ کی ضمیر تو حضرت عیسیٰ کی طرف اس حدیث سے جوڑ ملانے والوں نے بھی اور بعض مفسرین نے بھی پھیری ہے۔ تو جو لوگ قبل موت سے قبل موت عیسیٰ مراد لیتے ہیں ان کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ ہر اہل کتاب چونکہ اپنی موت سے کچھ پہلے ایمان لائے گا۔ اس لئے مرنے کے وقت کا ایمان معتبر نہیں ہے۔ بقول اس حدیث کے گھڑنے والے کے اور ان لوگوں کے جو موتہ کی ضمیر حضرت عیسیٰ کی طرف پھیرتے ہیں اللہ تعالیٰ دو دو حروف تاکید کے ساتھ فرما رہا ہے کہ ہر اہل کتاب ایمان لے آئے گا۔ حضرت عیسیٰ پر، تو یہ ایمان ایسا ہی ہونا چاہیئے کہ جو معتبر ہو اور اس کے لیئے نفع بخش ہو۔ ورنہ یہ ضرور کہا جاتا کہ۔ لیکن اس کو اس کا ایمان کچھ نفع نہیں پہنچائے گا۔ جس طرح آخر سورہ مومن میں

ہے:

فلما راؤ باسنا قالو آمنا باللہ وحدہ و کفرنا بما کذابہ مشرکین ○ فلم یک ینفعھم ایمانھم لمارا و اباسنا

یعنی۔ جب کفار ہمارا عذاب دیکھ لیں گے تو کہیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اکیلے خدا پر اور بیزار ہوئے ہم ان چیزوں سے جن کو اللہ کا شریک بناتے تھے تو پھر نہیں نفع پہنچائے گا ان کو ان کا ایمان، جب کہ وہ ہمارا عذاب دیکھ لیں گے۔

اسی طرح یہاں بھی یہ کہنا ضروری تھا کہ ہر اہل کتاب عیسیٰ پر ایمان تو لے آئے گا مگر اس کا ایمان اس کو کچھ نفع بخش نہ ہوگا۔ اسی سے یہ سمجھ لیا جاتا کہ وہ ایمان مرنے کے وقت کا ہوگا۔ اسی لئے نفع بخش نہ ہوگا۔ مگر یہاں جب ایسا نہیں فرمایا گیا تو یقیناً ہر اہل کتاب کو مومن ہو جانا چاہیئے۔ اور اس کے ایمان کو اس کے لئے نفع بخش ہونا چاہیئے۔

اور بعض مفسرین اس حدیث کے منشاء کے خلاف مطلب نکالنے پر مجبور ہوئے۔ تو انھوں نے موتہ کی ضمیر اہل کتاب ہی کی طرف پھیری اور پھیرنی بھی چاہیئے۔ اب ضرور یہ مطلب نکلا کہ ہر ایک اہل کتاب ضرور حضرت عیسیٰ پر یا ان کے عدم قتل و عدم تصلیب اور رفع پر اپنی موت سے پہلے ضرور ضرور ایمان لے آئے گا۔ چاہے وہ ایمان اس کو نفع بخش ہو یا نہ ہو۔ اگر مرنے سے کافی پہلے ایمان لایا ہے تو اس کا ایمان اس کو نفع پہنچائے گا۔ اور اگر ٹھیک مرنے کے وقت ایمان لایا تو اس کا ایمان اس کو نفع نہیں پہنچائے گا۔ یہ ایک معقول بات ہوئی۔

اب اس کے بعد فرمایا جاتا ہے کہ ویوم القیامہ یکون علیھم شھیدا۔ اور قیامت کے دن وہ ان لوگوں کے خلاف گواہ ہوگا۔ اب پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کون؟ مفسرین کی ایک جماعت کہتی ہے کہ

حضرت عیسیٰ گواہ ہوں گے یکون کی ضمیر انھیں کی طرف پھر رہی ہے ۔ اور قرآن میں یہ مفہوم ہے کہ ہر رسول اپنی امت کے مقابلے میں خداوندی گواہ بنا کر لائے جائیں گے ، تو اگر حضرت عیسیٰ قیامت کے دن گواہ ہو کر آئیں گے، تو یہ آیت کیا بتارہی ہے کہ وہ کس بات کے گواہ ہو کر آئیں گے ؟ ہر اہل کتاب کے ایمان لے آنے کے گواہ ہو کر آئیں گے تو وہ تو آسمان پر ہیں ، اور وہ عالم الغیب بھی نہیں ، ان کو کیا خبر کہ کون فرد اہل کتاب کا کس وقت مجھ پر ایمان لایا، اپنے مرنے کے وقت ، یا مرنے سے کچھ پہلے ، قرآن میں صاف موجود ہے کہ ان سے پوچھا جائے گا تو وہ فرمائیں گے کہ کنت علیھم شھیدا مادمت فیھم " میں ان کا نگران رہا ، یا گواہ رہا جب تک میں ان لوگوں میں رہا۔ فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم " جب تو نے مجھ کو وفات دے دی تو پھر ان کا نگہبان توہی رہا۔" دو ہی زمانوں کا وہ ذکر فرمائیں گے ۔ مادمت فیھم (جب تک میں ان میں رہا) اس کے بعد فلما توفیتنی جب تو نے مجھ کو وفات دیدی حالانکہ بقول محدثین و مفسرین و علمائے زمانہ ان کو تین زمانوں کا ذکر کرنا تھا۔ انھوں نے آسمان پر زندہ اٹھالئے جانے سے پہلے کے زمانے کا ذکر کیا ، یا نزول از آسمان کے بعد جو چند سال پھر انسانوں میں رہیں گے اس کا ذکر کیا ، اور یہ دونوں زمانے مادمت فیھم کے ہوئے یعنی "جب تک میں ان میں رہا۔" کے دونوں زمانے ہیں ۔ پھر جب وفات ہوگی تو اس کے بعد تو جلدہی قیامت آجائے گی۔ جو اصل لمبا چوڑا زمانہ آسمان پر رہنے کا ہے ، اس کا وہ مطلقاً ذکر ہی نہ کریں گے ، جب تک وہ آسمان پر رہے ، اتنے زمانے کا وہ اس لئے کوئی ذکر نہ کریں گے کہ اس زمانے کے متعلق وہ کوئی ذمہ داری نہیں لے سکتے ہیں ، نہ ان پر کوئی ذمہ داری عائد ہو سکتی ہے ۔ اس لئے یہ لاکھوں اہل کتاب جو ان کے آسمان پر

رہنے کے زمانے میں ایمان لائے اور لائیں گے ان پر حضرت عیسیٰ کس طرح گواہ ہو سکتے ہیں ؟

سب سے زیادہ غور طلب یہ ہے کہ لیومنن قطعی طور سے صیغہ مستقبل ہے ، زمانہ ماضی اس میں داخل نہیں ہو سکتا اور زمانہ حال کا بھی اس میں کوئی دخل نہیں ۔ غایت سے غایت مستقبل قریب کا وہ حصہ جو زمانہ حال سے متصل ہے اس کو اس میں داخل سمجھا جاتا ہے ۔ تو یہ آیت یہ نہیں بتاتی کہ حضرت عیسیٰ کی توفی و رفع کے بعد سے مسلسل بقول راویان احادیث ان کے نزول تک بلکہ نزول کے بعد سے ان کی موت کے قبل تک سارے اہل کتاب ایمان لے آئیں گے کیونکہ زمانہ ماضی و حال کو اس میں داخل نہیں کیا گیا ہے ۔ اس لئے ہر اہل کتاب کے ایمان لانے کا زمانہ اس آیت کے نزول کے بعد ہی سے شروع ہو سکتا ہے ، بلکہ اس آیت کے نزول کے وقت جو اہل کتاب زندہ تھے ، بظاہر وہی یہاں مراد ہو سکتے ہیں ۔ کیونکہ اس آیت میں الی یوم القیمۃ کا لفظ نہیں ہے کہ خواہ مخواہ یہ سمجھا جائے کہ قیامت تک جتنے اہل کتاب بھی ہوں گے ان کے ہر فرد کے متعلق یہ فرمایا جارہا ہے کہ وہ سب اپنے مرنے سے پہلے ایمان لے آئیں گے جس طرح کہا جائے کہ ۔ جس مسلمان سے پوچھو گے وہ یہی کہے گا کہ ہندوستان میں مسلمانوں پر سخت ظلم ہو رہا ہے ۔ تو اس کے یہ معنی نہیں کہ قیامت تک جس مسلمان سے پوچھو گے وہ یہی جواب دے گا ۔ مطلب یہ ہے کہ اس زمانے کا ہر مسلمان یہی کہے گا ۔ اور اگر اہل کتاب کے عموم لفظ کی وجہ سے قیامت تک کے اہل کتاب کو مراد لے لیجئے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے ۔ مگر اہل کتاب سے مشرکین اہل کتاب و کفار اہل کتاب مراد لینا یہاں صحیح نہیں ۔ شروع رکوع میں یسئلک اھل الکتاب ان تنزل علیھم کتبامن السماء میں بے شک عام اہل کتاب یا

اعتبار قومیت کے مراد ہیں۔ مگر یہاں بھی نصاریٰ مراد نہیں ہیں، صرف یہود مراد ہیں۔ اس لئے پورا عموم لفظ یہاں بھی معتبر نہیں ۔ اس کے بعد یہودیوں کی یمناق شکنی و اتخاذ عجل و تعدی فی السبت اور پھر رفع طور و حکم دخول فی الباب سجداً ۔ پھر ان کے قتل انبیاء بغیر حق اور ان کا قلوبنا غلف کہنا ، اور حضرت عیسیٰ کے ساتھ کفر کرتے ہوئے حضرت مریمؑ پر بہتان عظیم باندھنا، اور ان کا یہ کہنا کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریمؑ رسول اللہ کو قتل کر دیا۔ ان سب باتوں کا ذکر کرکے ان کے دعوے قتل مسیح کی تردید کی گئی کہ وما قتلوه و ماصلوبوه ولكن شبه لهم

"انھوں نے عیسیٰ کو نہ قتل کیا اور نہ انھیں سولی دی، لیکن ان کے سامنے اس کا شبیہ مہیا کر دیا گیا۔ جو لوگ اس میں اختلاف رکھتے ہیں وہ ایک شک میں پڑے ہوئے ہیں، ان کو اس کے متعلق کوئی علم یقینی اتباع ظن کے سوا حاصل نہیں ہے۔ یعنی الکل بیچورائے قائم کرنے کے سوا ان کے پاس قطعی و یقینی علم کا کوئی ذریعہ نہیں، اور بات بھی یہی ہے کہ یہودیوں نے عیسیٰ کو بالیقین قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ غلبہ اور حکمت والا ہے۔" یہاں تک فرما کر ارشاد ہوا کہ ۔

وان من اهل الكتاب الا ليومنن به قبل موته ويوم القيمه يكون عليهم شهيده

یعنی اور (جو واقعی اہل کتاب ہیں) ان میں کا ہر فرد اپنی موت سے پہلے اس پر (یعنی وماقتلوہ پر) ایمان لے آئے گا۔ اور قیامت کے دن ان (جھوٹے) اہل کتاب کے خلاف سرکاری گواہ ہوگا۔

سورہ بقرہ کے رکوع نمبر ۱۴ میں فرمایا گیا ہے۔

الذين اتينهم الكتب يتلونه حق تلاوته اوليك يومنون به

"ہم نے جن لوگوں کو کتاب دی ہے اور وہ تلاوت کرنے کی طرح اس کی تلاوت کیا کرتے ہیں، وہی لوگ اس علم پر جو تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے آیا ہے ایمان لائیں گے۔"

یا یہ کہا جائے کہ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، اور وہ اس کو اس طرح تلاوت کرتے ہیں، جو تلاوت کا حق ہے، وہی لوگ اس دی ہوئی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں۔ پہلے مفہوم کے اعتبار سے "یومنون بہ" میں جو بہ کی ضمیر ہے وہ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ کی طرف پھرتی ہے جو اس سے ماقبل کی آیت میں ہے۔ اور اس مفہوم کی ایک آیت سورہ ہود کے دوسرے رکوع میں بھی ہے افمن كان على بينه مگر دو آیتوں سے ایک ہی مفہوم مراد لینے سے تاکید کے سوا کوئی اور خاص فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اور ہر آیت سے ایک نیا مفہوم جو صراحۃً نکل رہا ہو مراد لینے سے قرآن کی افادیت کی وسعت کا پتہ ملتا ہے، اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ یہاں بھی مفہوم زیادہ قرین عقل اور زیادہ واضح ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے کتاب دی ہے اور وہ اپنے کو اہل کتاب کہتے ہیں اگر وہ اپنی کتاب کو اس طرح تلاوت کرتے ہیں جو تلاوت کا حق ہے، یعنی سمجھ بوجھ کر تلاوت کرتے ہیں اور اس کے مطابق عمل بھی کرتے ہیں اس کی آیتوں میں تحریف نہیں کرتے، اپنی خواہش کے مطابق مطلب نہیں نکالتے بلکہ اپنی خواہش کو اپنی کتاب کے احکام کے تابع رکھتے ہیں، وہی لوگ دراصل اس اللہ کی دی ہوئی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں، اس لئے درحقیقت اہل کتاب وہی لوگ ہیں۔ صرف اپنے کو یہودی کہہ دینے سے اور حضرت موسیٰ اور تورات پر ایمان کا محض زبانی دعویٰ رکھنے سے کوئی شخص صحیح معنوں میں اہل کتاب اور حضرت موسیٰ اور تورات پر ایمان رکھنے والا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح فقط اپنے کو نصاریٰ کہنے اور حضرت عیسیٰ اور انجیل پر ایمان کا

دعویٰ ظاہر کرنے سے کوئی واقعی اہل کتاب اور حضرت عیسیٰ اور انجیل پر ایمان رکھنے والا نہیں ہو سکتا۔

غرض اہل کتاب ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ جس کتاب پر ایمان رکھنے کا مدعی ہو اس کتاب کی تلاوت بھی اس طرح کیا کرتا ہو جو تلاوت کا حق ہے اور جب تک اس کتاب کی ہدایتوں پر ایمان نہ رکھے اور اس کے مطابق عمل نہ کرے اپنی خواہشوں کو اس کتاب کی تعلیمات کے تابع نہ رکھے، ضد اور ہٹ دھرمی سے بچتا نہ رہے اس وقت تک وہ تلاوت کا حق کبھی ادا نہیں کر سکتا۔ اور جب ایک یہودی تورات کی تلاوت اس طرح کرے گا کہ تلاوت کا حق ادا ہو تو وہ لامحالہ حضرت عیسیٰ اور انجیل پر بھی ضرور ایمان لے آئے گا، اور پھر اس کو اس پر بھی ایمان لانا پڑے گا۔ کہ ماقتلوہ وماصلبوہ ولکن شبہ لھم بل رفعہ اللہ الیہ اور جب کوئی عیسائی انجیل کی تلاوت اس طرح کرے گا کہ اس کی تلاوت کا حق ادا ہو تو وہ مجبور ہوگا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء وسلم پر اور قرآن پر ایمان لے آئے اور حضرت عیسیٰ کے سولی دیئے جانے کے غلط عقیدے سے توبہ کرتے ہوئے وہ حضرت عیسیٰ کے اللہ یا اللہ کے بیٹے ہونے سے بھی توبہ کرے اور ان کو عبداللہ و رسول اللہ سمجھنے پر مجبور ہو یہاں جو فرمایا گیا ہے کہ وان من اھل الکتاب الا لیومنن بہ قبل موتہ۔ اس کے یہی معنی ہیں کہ جو واقعی اہل کتاب ہیں یعنی اپنی کتاب کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں، اور اپنی کتاب پر واقعی ایمان رکھتے ہیں، ان کا ایمان ان کو مجبور کرے گا کہ وہ مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰ کے قتل و تصلیب کے عقیدے سے توبہ کر لیں اور ان کے قتل نہ کیئے جانے اور سولی نہ دیئے جانے پر ایمان لے آئیں اور اس پر ایمان رکھنے لگیں، جس طرح اللہ تعالیٰ نے اگلے انبیاء علیہم السلام کو اپنی طرف اٹھا لیا۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو وفات دی اور انھوں نے وفات پائی رفعہ اللہ الیہ موت کے معنی میں ایسا مشہور و معروف محاورہ ہے کہ ہر زبان میں اسی طرح مستعمل ہے، اردو میں بھی بولتے ہیں کہ اللہ اس کو اٹھالے۔ یا اللہ نے فلاں کو اٹھالیا۔ یعنی وہ مرگیا۔ فارسی میں بھی اسی طرح بولتے ہیں گلستان میں بھی ہے کہ کسے نوشیروان عادل راگفت کہ خدائے تعالیٰ فلاں دشمن ترا برداشت، گفت ہیچ دانی کہ مرا بگذاشت۔

ویوم القیامۃ یکون علیھم شھیدا۔ اور ان سچے اہل کتاب میں کا ہر فرد جو اپنے مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰ کے قتل نہ کیئے جانے اور سولی نہ دیئے جانے پر ایمان لے آئے گا، وہ قیامت کے دن ان جھوٹے اہل کتاب، قتل و صلیب کے دعویداروں کے خلاف شہادت دے گا کہ یہ لوگ جھوٹے تھے، ہم پر تو ہماری موت سے پہلے تلاوت کتاب اللہ کی بدولت یہ بات ظاہر ہو چکی تھی اور ہم مرنے سے پہلے اس پر ایمان لا چکے تھے کہ حضرت عیسیٰ کو نہ قتل کیا گیا نہ انھیں سولی دی گئی بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا۔

حضرت عیسیٰ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ اس لئے جس طرح ہر نبی اپنی امت جن کی طرف وہ مبعوث ہوئے تھے ان کے متعلق

قبل موتہ سے یہ مراد لینا کہ عین مرتے وقت، عجیب و غریب بات ہے، اور پھر یہ مراد لے کر اس کی بحث کرنے کے وقت کا ایمان مفید ہوگا یا نہیں، عجب بالائے عجب ہے۔ آیت کا مطلب اسی قدر ہے کہ جو واقعی اہل کتاب ہیں، یعنی مومن بالکتاب بھی ہیں ان کو مرنے سے پہلے کسی نہ کسی تلاوت کتاب کے وقت اس پر ایمان لانے کی توفیق ہو جائے گی کہ حضرت عیسیٰ کو قتل نہیں کیا گیا، سولی نہیں دی گئی۔ قتل کرنے والے شبہے میں پڑ گئے۔ ان کے لئے شبہے کا سامان مہیا کر دیا گیا۔ الخ

گواہ ہوں گے ۔ حضرت عیسیٰ بھی اسی طرح بنی اسرائیل کے متعلق گواہ
ہوں گے ، مگر وہ تو خود فرمائیں گے کہ کنت علیھم شھیدا
مادمت فیھم - جب تک ہم ان لوگوں میں رہے ، اس وقت تک کے
ہم گواہ ہیں فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم جب
تونے ہمیں وفات دے دی تو پھر تو ہی ان کا نگہبان رہا - اس آیت کے
نزول کے بعد عہد نبوی کے اہل کتاب جو ایمان لائے ان کے موافق اور
جنھوں نے کفر کیا ، ان کے خلاف گواہی دینے کا موقع حضرت عیسیٰ کو کہاں
حاصل ہوسکتا ہے ، بلکہ ہر وہ اہل کتاب جو ان کے روئے زمین پر زندہ
موجود نہ رہنے کے زمانے میں ہو ، وہ نہ اس کے موافق گواہی دے سکتے ہیں
نہ اس کے مخالف ۔

اور یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ ایمان لائیں وہ جو سچے اہل کتاب ہیں
اور گواہ ہوں ، حضرت عیسیٰ - پھر ان سچے اہل کتاب کو ایمان لانے سے کیا
فائدہ حاصل ہوا ؟ سیاق عبارت صاف بتا رہا ہے کہ لیومنن کا جو فاعل ہے
وہی یکون کا اسم ہوگا ، قاعدہ عطف اسی کا مقتضی ہے ۔
وان من اھل الکتاب میں واقعی اہل کتاب جو مومن بالکتاب ہیں
جو اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں ، وہی مراد ہیں ، جیسے کوئی کہے کہ ہر
مسلمان نماز روزہ کا پابند ہے ، اس کے یہی معنی ہوں گے کہ جو واقعی
مسلمان ہیں اور احکام قرآنی پر سچا ایمان رکھتے ہیں وہ صوم و صلوہ کے پابند
ہیں - اس کے یہ معنی کبھی نہیں ہوسکتے کہ ہر وہ شخص جو اپنے کو مسلمان
کہتا ہے وہ صوم و صلوہ کا پابند ہے - یہ آیت چونکہ ایک معرکۃ الآراء آیت
ہے اس لئے اس کی بحث کو تشنہ چھوڑ دینا مناسب نہ تھا - مجبوراً اتنی
طوالت اختیار کرنا پڑی - ماحصل یہ ہے کہ نہ اس حدیث کو اس آیت سے
کوئی سروکار ہے نہ اس آیت کو اس حدیث سے - عجمی راویوں نے اس آیت

کے مفہوم کو غتربود کرنیکے لئے خواہ مخواہ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگایا یعنی
اس آیت کریمہ کے ساتھ اپنی من گھڑت جھوٹی حدیث کا جوڑ ملا دیا ۔

حدیث کی تنقید: - یہی حدیث کافی محو و اثبات کے ساتھ حضرت ابو
ہریرہؓ ہی سے عطا بن یمنا صاحب اور ان سے سعید المقبری روایت کرتے
ہیں ، اور سعید المقبری سے وہی لیث اور لیث سے وہی قتیبہ روایت کرتے
ہیں ، جنھوں نے ابن شہاب زہری سے ترمذی والی حدیث روایت کی
تھی - یہ حدیث بھی صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۷ میں ہے کہ عطا بن یمنا نے کہا کہ
حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ -
واللہ لینزلن ابن مریم حکماعدلا فلیکسرن الصلیب
و لیقتلن الخنزیر ولیضعن الجزیۃ ولیترکن
القلاص فلا یسعٰی علیھا ولتذھبن الشحنا
والتباغض والتحاسد ولیدعون الی المال فلا یقبلہ
احد ۔

اس روایت کی ابتداء بھی قسم ہی سے ہے ، مگر وہ نفسی بیدہ نہیں ہے صرف
واللہ سے کام چلا لیا ہے مگر چھ چھ جگہ ہر فعل پر دو دو حروف تاکید لگا کر
حدیث کو پوری طرح زور دار بنانے کی کوشش کی گئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ
پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت عیسیٰ کے دوبارہ زمین پر
آنے کی خبر دی تو سننے والوں میں سے کسی کو یقین نہ آیا تو آپ نے
والذی نفسی بیدہ کہہ کر قسم کھائی اور لینزلن دو دو حروف تاکید لگا
کر نزول عیسیٰ کی خبر دی اور فرمایا کہ وہ ضرور ضرور اتریں گے - اور صلیب
کو توڑیں گے - خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ کو موقوف کریں گے - مگر
اس قسم و تاکید پر بھی سننے والے مشتبہ ہی رہے تو آپ نے پھر قسم کھائی
اور ہر فعل پر دو دو حروف تاکید لگائے اور کہا کہ تم صرف قتل خنزیر و کسر

صلیب و وضع جزیہ و افاضہ مال کا یقین نہیں کرتے تو اور سنو وہ انتہا ہی
نہیں کریں گے بلکہ وہ ایسا امن و امان پیدا کر دیں گے کہ لوگ اپنی جوان
اونٹنیوں کو بھی آزاد چھوڑ دیں گے ان کی مطلق حفاظت نہ کریں گے تو پھر
اس پر کوئی سعی نہیں کی جائے گی۔ یا یہ کہ لوگ اپنی جوان اونٹنیوں کو بھی
چھوڑ دیں گے، ان کی کوئی پرواہ نہیں کریں گے یہ مفہوم واذا العشار عطلت
سے سرقہ کیا گیا ہے۔ بعض مفسرین نے اس کے یہ معنی بھی
لئے ہیں کہ حضرت جانوروں کی زکوہ وصول کرنا موقوف کر دیں گے اور زکوہ
تحصیلنے والے جانوروں کی زکوہ کے تحصیل کی سعی نہیں کریں گے اور مرزا
صاحب کو جو حجاز ریلوے کی خبر ملی کہ اس کا انتظام ہو رہا ہے، تو انھوں نے
فرمایا کہ دیکھو میرے عیسیٰ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ میرے زمانے میں حجاز
ریلوے بن رہی ہے اور اب لوگ عرب میں اونٹ اور انٹنیوں پر سواری
نہیں کریں گے، انٹنیوں پر نہیں دوڑیں گے، حالانکہ حجاز ریلوے ابھی تک
نہ بن سکی اور ان کے وقت میں کہاں تک۔ کہ اس وقت تک اونٹ اور
اونٹنیوں کی سواری لوگوں نے نہیں چھوڑی، اسی طرح جہاد فی سبیل اللہ کو
مرزا صاحب نے موقوف ہونے کا فتویٰ دے کر وضع حرب کا بزعم خود
فریضہ ادا کیا، مگر دنیا میں حرب کا سلسلہ پہلے سے زیادہ عام ہے، فی سبیل
اللہ نہ سہی فی سبیل الوطن اور فی سبیل القوم اور فی سبیل الحریۃ ہی سہی۔
ان کے نزدیک حضرت عیسیٰ صرف حرب فی سبیل اللہ کو موقوف کر سکتے
ہیں، مگر فی سبیل غیر اللہ کو نہیں موقوف کریں گے۔ صرف قتال فی سبیل
اللہ کو موقوف کرنا، اور فی سبیل غیر اللہ کو باقی رکھنا، مسیح بن مریم رسول
اللہ کا کام تو نہیں ہو سکتا۔ مگر ہاں مسیح الدجال کا کام ضرور ہو سکتا ہے۔ مگر
افسوس کہ مرزا صاحب نے دس بیس سوروں کو قتل نہیں کیا اور نہ دس
بیس صلیب کو توڑ کر ان حدیثوں کے مصداق بننے کی کوشش کی۔ معلوم

نہیں کہ یہ کمی کیوں لگا رکھی؟۔
یہ حدیث عطاء بن یمنا صاحب سے تھی جیسا کہ میں نے اوپر لکھا۔ اور
عطاء بن یمنا کا پورا حال گذشتہ اوراق میں لکھ چکا ہوں، ایک نظر اس کو دیکھ
لیجئے کہ یہ بن ابی زباب کے غلام آزاد کردہ تھے۔ مدنی بھی تھے اور بصری
بھی تھے، اور پھر مکی بھی تھے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک اسم بلا مسمیٰ
ہیں ان کی کوئی شخصیت ہی نہ تھی۔ اور بالفرض کوئی گمنام شخص ہوں بھی تو
حضرت ابو ہریرۃ سے ان کے حدیث سننے کا کوئی قرینہ ہی نہیں۔

یہاں تک تو صحیح بخاری کی پہلی حدیث اور اس کے ہم معنی صحیح مسلم و
ترمذی میں جو حدیثیں ہیں، ان میں جس قدر تفاوت لفظی و معنوی اور جتنی
رکاکتیں ہیں ان کا بیان ہوا اب ایک حدیث اسی سلسلے کی اور بھی سن لیجئے
جو ابو داؤد میں مذکور ہے۔ جس کو ان پہلی حدیثوں سے اتنی مناسبت ہے کہ
اس میں بھی قتل خنزیر و کسر صلیب و وضع جزیہ کا ذکر ہے وہ یہ کہ حضرت
ابو ہریرۃ سے عبدالرحمن بن آدم، ان سے قتادہ، ان سے ہمام بن یحییٰ ان
سے ہدبہ بن خالد اور ان سے ابو داؤد اپنی سنن میں روایت کرتے ہیں کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اور عیسیٰ کے درمیان کوئی
نبی نہیں ہے۔ اور وہ اترنے والے ہیں، تو جب تم لوگ ان کو دیکھو تو
انھیں پہچان رکھنا، وہ ایک معتدل قامت کے مرد ہیں، رنگ سپیدی،
سرخی کے درمیان، دو ہلکے زرد رنگ کے کپڑے ہیں۔ ایسا معلوم ہوگا ان
کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک چلے، باوجودیکہ اس میں تری نہ ہوگی تو
وہ لوگوں سے اسلام پر قتال کریں گے، اور چکنا چور کر دیں گے صلیب کو،
اور قتل کریں گے خنزیر کو، اور جزیہ کو موقوف کر دیں گے، اور ان کے
زمانے میں اللہ تمام دینوں کو ختم کر دے گا، بجز اسلام کے، اور ہلاک
کر دیں گے عیسیٰ مسیح دجال کو، تو باقی رہیں گے وہ روئے زمین پر چالیس

برس تک، پھر وفات پائیں گے، تو مسلمان لوگ ان کے جنازے کی نماز پڑھیں گے۔

دیکھئے وہی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں جو عبدالرحمن بن آدم سے کیا کیا کچھ کہہ گئے باوجود اس کے کہ عبدالرحمن بن آدم ایک معمولی آدمی تھے اور سعید بن المسیب جو ایک جلیل القدر قریشی صحابی کے صاحب زادے تھے، ان سے ایک مختصر سی بات کہہ کر رہ گئے، پوری حدیث ان سے نہیں بیان کی، بلکہ الٹا کہدیا کہ یضع الحرب وہ جنگ و جدال کو موقوف کردیں گے، اور عبدالرحمن بن آدم سے کہا کہ وہ اسلام کے لئے لوگوں سے قتال کریں گے وہ تو خدا بھلا کرے کشمیہنی کا جنھوں نے یضع الحرب کو یضع الجزیہ بنا کر صحیح بخاری کا بھرم کسی قدر رکھ لیا۔

غرض عبدالرحمن بن آدم والی حدیث کو ابن شہاب زہری اور عطاء بن مینا والی حدیثوں سے بس اتنی ہی مضمونی مشارکت ہے کہ اس میں بھی کسر صلیب و قتل خنزیر و وضع جزیہ کا ذکر آگیا ہے، ورنہ اس حدیث میں ایسی ایسی باتیں ہیں، جن کا وہم بھی کبھی سعید بن المسیب عطاء بن مینا، اور زہری کو نہ ہوا ہوگا۔ عطاء بن مینا، والی روایت میں تو صرف واذا العشار عطلت سے ایک مفہوم سرقہ کرکے اس کے ساتھ دلوں سے کینہ و بغض و عداوت اور حسد کے نکال دینے کا اضافہ کیا گیا تھا، مگر ابن آدم صاحب نے دیکھا کہ عطاء بن مینا کے چبائے ہوئے نوالے کو ہم کیا کہیں گے۔ جب دل سے گھڑ کر ہی روایت کرنا ہے تو ایسی باتیں بیان کی جائیں جو اور کسی کے واہمہ میں بھی نہ آئی ہوں۔ چنانچہ اب دیکھیں کہ اس حدیث کو ان کے سوا اور کوئی بھی روایت نہیں کرتا۔ اور یہ بھی حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے اس کو روایت کر رہے ہیں۔

صحیح بخاری کی پہلی حدیث اور اس کے مختلف طرق جو صحاح کی دوسری کتابوں میں ہیں اور اس کے ہم معنی حدیثیں جو صحاح میں ہیں اور ان سب کا تماشا تو آپ دیکھ چکے، اب بخاری کی دوسری حدیث اور اس کے طرق اور اس

کے ہم معنی یا قریب المعنی حدیثیں جو صحاح میں ہیں، ان کا تماشا بھی ذرا دیکھ لیجئے۔

بخاری کی دوسری حدیث:۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ ہم سے ابن بکیر نے، ان سے لیث نے، ان سے یونس نے، ان سے ابن شہاب نے، ان سے نافع مولیٰ ابی قتادہ الانصاری نے حدیث بیان کی کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ کس طرح ہوگے جس وقت ابن مریم تم میں اتریں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا؟ اتنا کہہ کر امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی متابعت عقیل اور اوزاعی نے بھی کی ہے۔ ابن حجر فتح الباری میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عقیل اور اوزاعی نے اس حدیث میں یونس کی متابعت کی ہے یعنی یونس کی طرح عقیل اور اوزاعی بھی اس حدیث کو ابن شہاب زہری سے روایت کرتے ہیں اس متابعت سے بس صرف اسی قدر معلوم ہوا کہ ابن شہاب زہری نے یہ حدیث ضرور روایت کی ہے۔ ابن شہاب سے نافع مولیٰ ابن قتادہ نے واقعی کہا تھا یا نہیں؟ اور نافع سے حضرت ابو ہریرہؓ نے واقعی کہا تھا یا نہیں، ان باتوں پر اس متابعت سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔

صحیح مسلم میں یہ حدیث خود یونس سے بھی مروی ہے اور ابن شہاب کے بھتیجے محمد بن عبداللہ بن مسلم سے بھی مروی ہے اور ابن ابی ذئب سے بھی، لیکن امام بخاری کو ابن شہاب کے بھتیجے ابن ابی ذئب کی متابعتوں کا حال معلوم نہ تھا ورنہ وہ عقیل و اوزاعی کے ساتھ ابن ابی ذئب اور محمد بن عبداللہ بن مسلم کی متابعتوں کا ذکر بھی ضرور کرتے، ممکن ہے کہ جس وقت صحیح بخاری میں یہ حدیث داخل کی گئی تھی۔ اس وقت تک یہ دونوں متابعتیں گھڑی نہیں گئی ہوں۔

مگر ابن شہاب کے بھتیجے صاحب اپنے چچا ابن شہاب سے روایت کرتے

ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ کس طرح ہو گے، جب ابن مریم تم میں اتریں گے اور پھر تمھاری امامت کریں گے۔ اور ابن ابی ذئب کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **فامکم منکم**۔ جو در حقیقت ایک غلط اور بے معنی فقرہ ہے۔ یا تو یونس کی طرح صاف کہتے فاماکم منکم یعنی تمھارا امام تم میں سے ہوگا۔ یا ابن شہاب زہری کے بھتیجے کی طرح بیان کرتے فامکم یعنی حضرت عیسیٰؑ تمھاری امامت کریں گے۔ یہ فامکم کے بعد بے جوڑ منکم کا لفظ کیا لے آئے۔ اگر یونس کی روایت کے مطابق یہ مراد ہے کہ حضرت عیسیٰؑ امام نہ ہوں گے۔ بلکہ تمھیں میں کوئی شخص امام ہوگا تو **امکم من ھو منکم** کہنا تھا، تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ ام کے فاعل حضرت عیسیٰؑ نہیں ہیں بلکہ کوئی اور شخص ہے۔ اور اگر زہری کے بھتیجے کی روایت کے مطابق مفہوم ادا کرنا تھا تو کہنا تھا کہ **فامکم و ھو منکم** یعنی حضرت عیسیٰؑ تمھاری امامت کریں گے تمھیں میں کے ایک فرد ہو کر (یعنی امت محمدی بن کر) یہ فامکم منکم کہہ کر جو ام کے فاعل کو غائب کر دیا یا مشتبہ کر دیا منکم کا لفظ بڑھا کر کہ پتہ ہی نہیں ملتا کہ یہ منکم کس سے متعلق ہے، کچھ ابن ابی ذئب ہی کو زیب دیتا ہے۔

فامکم کے سر پر جو فائے تعقیب ہے اس کا عطف نزل پر ہے اس لئے جو نزل کا فاعل ہوگا وہی ام کا بھی فاعل ہوگا، اس لئے یہاں حضرت عیسیٰؑ کے سوا کسی دوسرے کی امامت کا مفہوم نکل ہی نہیں سکتا۔ اگر کسی دوسرے کی امامت کا مفہوم نکالنا ہو تو فائے تعقیب کو واو عطف سے پہلے بدل لیجئے۔ جس کی اب گنجائش نہیں۔ ہاں اگر ام کا فاعل کوئی دوسرا مذکور ہوتا مثلاً فامکم من ھو منکم کہا گیا ہوتا تو یہ تعقیب صحیح ہوتی۔ مطلب یہ ہوتا کہ پہلے حضرت عیسیٰؑ کا نزول ہوگا اس کے بعد نماز کی امامت کوئی دوسرا شخص کریگا جو تمھیں میں سے ہوگا۔ مگر یہاں جب فاعل مذکور نہیں ہے تو لامحالہ ام کی ضمیر فاعلی حضرت عیسیٰؑ کی

طرف پھرے گی۔ تو جب ام کے فاعل حضرت عیسیٰؑ ہوئے تو پھر منکم کا تعلق اپنے ماقبل سے ناممکن ہے، اس لئے 'ھو' کا لفظ بڑھا کر ہی منکم کا لفظ امکم کے بعد لایا جا سکتا ہے تاکہ 'ھو' مبتدا ہو اور منکم ظرف مستقر ہونے کی حیثیت سے اس کی خبر نہ ہو، اور مبتدا و خبر مل کر جملہ حالیہ ہو جس کا ذوالحال ام کی ضمیر ہو جو حضرت عیسیٰؑ کی طرف پھیری گئی ہے۔ غرض منکم سے پہلے جب تک من ھو یا ھو کا لفظ نہ بڑھایئے، یہ منکم کا لفظ کھڈے پر کبھی ٹھیک نہیں بیٹھ سکتا۔ یہ اگر کوئی کہدے کہ آپ یہاں من ھو یا ھو ادو میں سے کسی کو منکم سے پہلے محذوف کیوں نہیں مان لیتے۔ عربی عبارتوں میں تو محذوفات بہت ہوا کرتے ہیں تو اس توجیہ سرد و عذر لنگ کو سن کر کافیہ پڑھنے والا بچہ بھی ہنس دے گا۔ کیونکہ مسند الیہ جس پر جملے کی بنیاد کھڑی کی جاتی ہے، وہ محذوف نہیں ہوتا خصوصاً موقع اشتباہ میں۔ ابن ابی ذئب تو اس امکم منکم والی حدیث کو ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں مگر ابن ابی ذئب سے اس کو ولید بن مسلم روایت کرتے ہیں۔ جس وقت انھوں نے ابن ابی ذئب سے اس غلط جملے کو سنا تو فوراً ان کو اس کی غلطی محسوس ہوئی، تو ولید نے ابن ابی ذئب سے کہا کہ ہم سے اوزاعی نے یہ حدیث ابن شہاب ہی سے اور انھوں نے نافع مولیٰ ابن ابی قتادہ ہی سے روایت کی ہے کہ **واما مکم منکم** یعنی حضرت عیسیٰؑ اتریں گے اور تمھارا امام تم میں سے ہوگا۔ امام مسلم لکھتے ہیں، کہ اس کے جواب میں ابن ابی ذئب نے کہا کہ تم سمجھتے ہو کہ امکم منکم کیا ہوا؟۔۔۔ (یعنی اس کے کیا معنی ہیں؟) ولید بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ آپ ہی بتلایئے۔ تو ابن ابی ذئب نے کہا کہ حضرت عیسیٰؑ تمھاری امامت کریں گے، تمھارے رب کی کتاب اور تمھارے نبی کی سنت کے مطابق (یعنی امامت کریں گے، حضرت عیسیٰؑ ہی مگر قرآن اور سنت محمدی کے مطابق)۔ تعجب ہے کہ ولید بن مسلم یہ سن کر مطمئن کسطرح ہو گئے؟ انھوں نے ابن ابی ذئب سے یہ نہیں پوچھا کہ تم جو

مطلب بیان کر رہے ہو وہ اس جملے سے کس طرح نکل سکتا ہے؟ اگر واقعی یہ
مطلب ہوتا تو کہا جاتا کہ فامکم علی ملتکم . یا امکم علی
دینکم ۔ یا امکم و ھو منکم ہی کہتے ۔ باللہ العظیم! افصح العرب والعجم
نبی امی کی زبان مبارک سے عربی کے ایسے غلط جملے کبھی نہیں نکل سکتے تھے۔

مگر ابن ابی ذئب جن کا نام محمد بن عبدالرحمن ہے، وہ قریشی اور مدنی کہے
جاتے ہیں، اس لئے ان کی طرف اس حدیث کی اور اس غلط جملے کی اور پھر اس
کی لایعنی تاویل کی نسبت مجھ کو بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے، خود ولید بن مسلم
عجمی الاصل بنی امیہ کے غلام آزاد کردہ تھے ۔ ہو سکتا ہے کہ خود انھیں نے فامکم
منکم ایک جملہ بنایا ہو، مگر جب کسی نے اس کو غلط کہا اور اس کا مطلب پوچھا تو
ایک قصہ گھڑ کر غریب ابن ابی ذئب کے سر تھوپ دیا ہو کیوں کہ یہ مدلس تھے
بھی، امام مالکؒ سے ایسی دس حدیثیں روایت کیں، جن کی کوئی اصل نہیں
تھی ۔ (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۷۵) ۔

مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہ حدیث ولید بن مسلم کو وجادۃ کہیں ملی تھی، یعنی
انھوں نے کسی جگہ لکھی ہوئی پائی تھی ۔ کاتب نے وامامکم منکم ہی لکھنا چاہا تھا،
مگر سہواً امامکم کا میم الف کتابت سے چھوٹ گیا تھا ۔ ولید بن مسلم نے اس کو
امکم پڑھا ۔ تھے عجمی، اس لئے عربیت کی کمزوری محسوس نہ کر سکے ۔ اور مدلس
بھی تھے، روایت کرنے لگے اس کو حدثنا ابن ابی ذئب کہہ کے ۔ جب لوگوں نے
اعتراض کیا تو ایک تاویل اپنی ذہانت سے گھڑ کر انھوں نے ابن ابی ذئب
غریب کی طرف منسوب کر دی ۔ یہی بات قرین عقل معلوم ہوتی ہے ۔ واللہ
اعلم بالصواب ۔

غرض ابن شہاب زہری کے بھتیجے اور یونس بن یزید دونوں ہی اس حدیث
کو ابن شہاب ہی سے بیان کرتے ہیں، مگر دونوں کے بیان میں پورا تضاد ہے،
اور ابن ابی ذئب والی روایت جو زہری ہی سے ہے، اس میں جو مہمل تطابق کی

بدنما صورت دکھائی گئی ہے، اور جس زنگ آلود آئینے کے ذریعے اس سے آپ
اچھی طرح واقف ہو چکے ۔ اور یہ مفہوم کہ حضرت عیسیٰؑ ہی امام ہوں گے ۔ مگر
وہ قرآن و سنت محمدیؐ کے تابع ہوں گے ۔ ایک دوسری صریح حدیث کے
بالکل خلاف ہے اور وہ حدیث بھی اسی صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہؓ
کی طرف منسوب ابوالزبیر کی روایت سے ہے، جس کا ذکر حضرت ابو ہریرہؓ کی
طرف منسوب حدیثوں کی تنقید کے بعد آئے گا (انشاءاللہ) اس میں مذکور ہے کہ
حضرت عیسیٰؑ سے مسلمانوں کی یہ درخواست ہوگی کہ آپ امامت فرمایئے تو وہ
انکار کریں گے اور مسلمانوں ہی میں سے کسی کو امام و امیر ہونے کو فرمائیں
گے ۔

یہ اختلاف و تضاد ان حدیثوں میں ایسا ہے کہ جس سے محدثین کسی طرح
بھی انکار نہیں کر سکتے، اور نہ کسی تاویل سے تطابق کی کوئی صورت پیدا کر سکتے
ہیں ۔ اور خود محدثین اور شارحین حدیث کو اپنی اس چپقلش کا اعتراف کرنا پڑا
ہے ۔

تمام اہل علم کے نزدیک اذا تعارضا تساقطا کا ایک مسلمہ اصول
ہے ۔ یعنی جب دو متضاد باتیں باہم متعارض ہوں اور ان دونوں میں سے ایک
کو دوسری پر ترجیح دے کر مرجوح کو ساقط کرنے کی گنجائش نہ ہو تو دونوں باتیں
اعتبار سے ساقط ہو جائیں گی ۔ اس لئے یہ حدیثیں جو ایک دوسرے کی ضد ہیں
اور باہم متعارض ہیں، اہل علم کے متفقہ اصول کے مطابق دونوں ساقط
الاعتبار ہیں ۔ قطع نظر اس کے کہ یہ سب موضوع اور من گھڑت ہیں ۔

روایت پرست حضرات کہیں گے کہ تعارض و تضاد تو صرف حضرت عیسیٰؑ
کی امامت اور اقتدار میں ہے، ان کے دوبارہ روئے زمین پر آنے میں تو کوئی
تعارض نہیں ہے، ان سب حدیثوں میں جو متفق علیہ قدر مشترک ہے، یعنی
حضرت عیسیٰؑ کا دوبارہ زمین پر آنا، اس کو تو صحیح ماننا پڑے گا تو اس کے دو جواب

ہیں ایک تو یہ کہ تعارض امامت واقتداء میں ہے کہ حضرت عیسیٰ مسلمانوں کی
جماعت کے امام ہوں گے۔ یا امام کوئی دوسرا مسلمان ہوگا۔ اور حضرت عیسیٰ
مقتدی ہوں گے۔ تو آپ کم سے کم ان دونوں متعارض باتوں کو تو ساقط ضرور
کریں گے۔ یعنی حضرت عیسیٰ نہ امام ہوں گے اور نہ مقتدی ہوں گے۔ تو
پھر وہ کیا ہوں گے؟ کہدیجئے کہ وہ نماز ہی نہیں پڑھیں گے نہ امامت واقتدار کا
جھگڑا سامنے آئے اگر یہ نہیں کہہ سکتے تو یہی کہدیجئے کہ وہ مسلمانوں کی جماعت
سے الگ تنہا نماز پڑھیں گے۔ تو پھر جب وہ مسلمانوں کی جماعت سے الگ
رہیں گے تو مسلمانوں کو کیا؟ وہ آئے تو کیا؟ اور نہ آئے تو کیا؟۔

ابن مریم ہوا کرے کوئی   میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

ایسی صورت میں مسلمانوں کو ان کے تشریف لانے کی خوشخبری ہی سنانا
بے سود ہے۔ اس لئے بے سود کی قدر مشترک اپنے بے سود ہونے کی وجہ سے
خود بخود اعتبار سے ساقط ہو کر رہے گی

دوسرا جواب یہ ہے کہ وضاعین و کذابین کا یہ بھی اصول رہا ہے
کہ کسی غلط مفہوم کو ثابت کرنے کے لئے وہ چند حدیثیں گھڑتے ہیں، اور ان
میں اس غلط مفہوم کو بطور قدر مشترک ان سب حدیثوں میں رکھ کر اس مفہوم
کے بعض لوازمات میں تھوڑا اختلاف ان اپنی من گھڑت حدیثوں میں قصداً رکھ
کر پھر انھیں لوازمات پر ایک بحث چھیڑ دیتے ہیں، تاکہ وہ اصل مفہوم زیر
بحث ہی نہ آنے پائے اور لوگ انھیں لوزمات کے اختلاف میں الجھ کر رہ جائیں
اور کچھ دنوں بعد وہ اصل مفہوم غلط، جس کے لئے وہ حدیثیں گھڑی گئیں وہ
سب کا متفق علیہ مسئلہ ہو جائے اور بحیثیت قدر مشترک کے مسلم سمجھا جائے
اور لوازمات کے اختلاف کو غیر اہم قرار دے کر اس کی طرف سے چشم پوشی کی
جائے اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ بخوف طوالت مثالیں پیش کرنے سے

احتیاط کرتا ہوں، مگر اس سے پہلے بھی اپنی کسی تحریر میں میں نے اس کا ذکر کیا
ہے، اور وہاں شاید کچھ مثالیں بھی دی ہیں۔ مذکورہ بالا سب حدیثیں صحیح مسلم
جلد اول کتاب الایمان کی تھیں، اب جلد دوم کتاب الفتن و شرائط الساعۃ کی
حدیثوں کی تنقید بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔

امام مسلم زہیر بن حرب سے، وہ معلیٰ بن منصور سے، وہ سلیمان بن بلال
سے، وہ سہیل سے، وہ اپنے والد ابو صالح ذکوان سے اور وہ حضرت ابوہریرۃ سے
روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت نہیں
قائم ہوگی، جب تک اہل روم اعماق اور دوابق میں نہ اتریں (اعماق اور دوابق دو
مقام کے نام ہیں شام کے علاقے میں، جو حلب سے قریب ہیں) تو ان کے
مقابلے کے لئے مدینے سے ایک فوج نکلے گی جو روئے زمین پر اس وقت کے
بہترین انسانوں پر مشتمل ہوگی۔ تو جب دونوں طرف صف بندی ہو جائے گی
تو اہل روم مسلمانوں سے کہیں گے کہ تم لوگ ہمارے اور ہمارے ان لوگوں
کے درمیان راستہ چھوڑ دو، جو ہمارے لوگ اپنا دین چھوڑ بیٹھے ہیں (یعنی جن
لوگوں نے دین نصاریٰ چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا ہے، تو مسلمان کہیں گے کہ
خدا کی قسم ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ ہم تمھارے اور اپنے بھائیوں کے درمیان
راستہ نہیں دے سکتے۔ تو پھر مسلمان ان رومیوں سے قتال کریں گے، تو
ایک تہائی مسلمان بھاگ نکلیں گے، جن کی توبہ اللہ کبھی قبول نہیں کرے
گا۔ اور ایک تہائی شہید ہوں گے اور وہ اللہ کے نزدیک تمام شہیدوں سے
افضل ہوں گے۔ اور ایک تہائی ان رومیوں پر فتح یاب ہوں گے، جو پھر کسی
آزمائش میں نہیں ڈالے جائیں گے تو وہ قسطنطنیہ فتح کرلیں گے۔ تو جس وقت
وہ آپس میں مال غنیمت تقسیم کرتے ہوں گے اسی درمیان میں اپنی تلواریں
زیتوں کے درخت سے لٹکا دیں گے۔ اس وقت شیطان ان لوگوں میں آواز بلند
کرے گا کہ ان ان المسیح قد خلفکم فی اھلیکم یعنی مسیح

دجال تمھارے پیٹھ پیچھے تمھارے اہل وعیال میں پہنچا ہوا ہے تو وہ لوگ نکلیں گے اور یہ خبر غلط ہوگی۔ تو پھر جب وہ لوگ ملک شام میں آجائیں گے تو وہ نکلے گا، تو وہ لوگ قتال کے لئے سامان ہی درست کرتے ہوں گے اور صفیں ہی مرتب کر رہے ہوں گے کہ اس درمیان میں جس وقت نماز قائم کی جارہی ہوگی عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اتریں گے۔ تو جب ان کو اللہ کا دشمن دیکھے گا تو بھگنے لگے گا، جس طرح نمک پانی سے پگھلتا ہے تو اگر چھوڑ دیتے اس کو تو بالکل پگھل جاتا، یہاں تک کہ ہلاک ہوجاتا۔ لیکن اللہ اس کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے گا۔ تو مسلمانوں کو اپنے حربے میں اس کا خون دکھائے گا۔"

یہ ہے کہ جس کو حدیث رسول کہا جاتا ہے، جس کی تہمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لگائی جاتی ہے۔ " اللہ خود اپنے ہاتھ سے مسیح دجال کو قتل کرے گا اور اپنا خون آلود حربہ مسلمانوں کو دکھائے گا۔ تاکہ مسلمانوں کو یقین ہو کہ واقعی اللہ ہی نے دجال کو خود قتل کیا۔ معاذ اللہ من تلک الهفوات ماقدرو الله حق قدره۔ سبحان ربک رب العزت عمايصفون۔

اس حدیث میں جو باتیں حضرت ابوہریرہؓ نے بقول راوی، ابو صالح ذکوان سے بیان کیں، وہ باتیں نہ سعید بن المسیب سے کہیں نہ عطاء بن ینا سے، نہ عبدالرحمن بن آدم سے۔ جس طرح عبدالرحمن بن آدم سے بعض باتیں ایسی کہدی تھیں جو کسی دوسرے سے نہیں کہیں۔ اور عطاء بن ینا سے، بعض ایسی باتیں کہیں جو ان کے سوا کسی اور سے نہیں کہیں۔ خدا جانے حضرت ابوہریرہؓ ایسا کیوں کرتے تھے۔ جب ساری باتیں ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھیں تو یہ بھی جس سے کہتے پوری بات کہتے۔ یہ کیا کہ جو باتیں ایک سے کہیں وہ دوسرے سے نہیں کہیں، جو دوسرے سے کہیں وہ تیسرے سے نہیں کہیں۔ پوری بات کسی ایک سے بھی نہیں کہی۔ معلوم نہیں حضرت ابو

ہریرہؓ نے اس میں کیا مصلحت سمجھی۔ اصل یہ ہے کہ نزول عیسیٰ کے متعلق حدیثیں عیسائی غلاموں نے جو نو مسلم تھے گھڑیں، ان کی جماعت میں وہ منظم سازش نہ تھی جو ایرانی ملاحدہ کی جماعت میں تھی۔ اس لئے یہ حدیثیں بغیر باہمی مشورے کے انفرادی طور سے گھڑیں گئیں، اس لئے کسی نے بعض باتیں سوچیں اور ایک حدیث بنا کر حضرت ابوہریرہؓ کی طرف منسوب کردی کسی نے بعض دوسری باتیں گھڑیں اور حدیث بنا کر انھیں کی طرف منسوب کردی۔ یہی ہوا۔ اسی وجہ سے ان حدیثوں میں اس قدر تفاوت آپ کو نظر آرہا ہے اس کے سوا اور کوئی وجہ اتنے اختلافات کی سمجھ میں نہیں آتی۔

پھر اللہ تعالیٰ کا خود اپنے ہاتھوں سے مسیح دجال کو قتل کرنا اور مسلمانوں کو اس کے خون سے آلودہ اپنا حربہ دکھانا ایسی مضحکہ خیز باتیں ہیں جن کو وہی بیان کرسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی سبوحیت اور قدوسیت سے بالکل بے خبر ہو۔ ایک عالم بالقرآن مسلمان ایسا نہیں کہہ سکتا۔ چہ جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا فرمائیں۔ معاذ اللہ من ذالک۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس قسم کی حدیثیں تو خود دجالوں ہی کی من گھڑت ہیں۔ جن کی تہمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر باندھی گئی ہے اور حضرت ابوہریرہؓ پر اس کی روایت کا بہتان لگایا گیا ہے حضرت ابوہریرہؓ کی طرف منسوب حدیثوں کی سیر تو آپ کر چکے اب ذرا حضرت جابر بن عبداللہؓ پر جس حدیث کی تہمت لگائی ہے اس پر بھی ایک نگاہ ڈال لیجئے۔

" امام مسلم اپنے سلسلہ اسناد کے ماتحت فرماتے ہیں کہ جابر بن عبداللہؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر مخالفین پر غالب رہتے ہوئے ان سے قتال کرتی رہے گی۔ تو عیسیٰ بن مریم اتریں گے، تو مسلمانوں کا امیر ان سے کہے گا کہ

تشریف لائیے اور نماز پڑھائیے۔ تو فرمائیں گے کہ نہیں، تم میں سے بعض، بعض پر امیر ہوں گے۔ یہ ایک عزت افزائی ہے، اس امت کی اللہ کی طرف سے۔

اس حدیث کا ذکر پہلے آچکا ہے اور یہ حدیث روایت پرستوں کے نزدیک اس بات کے لئے نص قطعی ہے کہ مسلمانوں کے امیر، اور مسلمانوں کے امام حضرت عیسیٰؑ نہ ہوں گے بلکہ مسلمانوں ہی کی جماعت کا کوئی اور شخص ہوگا۔

دوسری بات اس حدیث سے یہ بھی ظاہر ہورہی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ آئیں گے تو اپنی پہلی حیثیت ہی پر وہ رہیں گے اور مسلمانوں کی جماعت کے ایک فرد نہ ہوں گے کیونکہ حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ مقتدی بن کر جماعت میں شامل ہوجائینگے ورنہ یہ تفریق کیسی کہ میں تمھارا امیر و امام نہ ہوں گا، بلکہ تمہیں میں سے کوئی امیر و امام ہوگا۔ اگر یہ بھی اپنے مخاطبین ہی کی جماعت کے ایک فرد ہوں گے تو کم سے کم یہ تو انھیں کہنا چاہیئے کہ "میرے سوا کوئی دوسرا امیر و امام ہو۔" اور پھر یہ دونوں باتیں صحیح مسلم کی اس دوسری حدیث کے بالکل خلاف ہیں، جیساکہ اوپر میں نے بیان کیا۔ ابن جوزی نے ایک بات نکالی ہے جو روایت پرستی کے نقطہ نگاہ سے بہت معقول سمجھی جاتی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ امامت و امارت سے اس لئے انکار کریں گے کہ مقتدی بن کر عام مسلمانوں کے ساتھ ایک مسلمان کے پیچھے نماز پڑھنے سے یہ بات ثابت ہوجائے گی کہ وہ نبی بن کر نہیں آئے بلکہ امت محمدی کے ایک فرد بن کر آئے ہیں۔ نبوت تو ختم ہوچکی لانبی بعدی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے اعلانوں کے بعد، اب کوئی نبی، نبی کی حیثیت سے آہی نہیں سکتا۔ ہاں ایسا شخص آسکتا ہے جو کبھی نبی تھا۔ مگر اب وہ نبی کی حیثیت میں نہیں ہے بلکہ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک امتی ہے۔ مگر مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فتح الملہم شرح صحیح مسلم میں مولانا انور شاہ

کشمیری رحمہ اللہ کے حوالے سے اسی پر زور دیتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ آئیں گے تو امامت وہی کریں گے۔ اور مسلمانوں کے امیر و امام وہی ہوں گے۔ لیکن صحیح مسلم کی اس حدیث کو غلط بھی نہیں کہتے۔ ہمارے علما، بھی حدیثوں کے تخالف و تضاد کے وقت عجیب کشمکش میں مبتلا ہوتے ہیں، مگر اپنے قلبی کشمکش کو ظاہر بھی نہیں کرسکتے۔

ابن جوزی کی تاویل بھی الفاظ حدیث سے باہر ہے، حدیث میں ایسا کوئی لفظ نہیں، جس سے یہ ظاہر ہو کہ مسلمانوں ہی میں سے کوئی امام ہوگا، اور حضرت عیسیٰؑ مقتدی بن کر جماعت میں شامل ہوجائیں گے، بخوبی ممکن ہے کہ اس وقت حضرت عیسیٰؑ مسلمانوں کی جماعت سے الگ تنہا اپنی نماز ادا کرلیں۔ حدیث کی عبارت میں ان دونوں باتوں کا احتمال ہے۔ واذا جاء الا حتمال بطل الاستدلال یعنی جب مخالف احتمال بھی موجود ہے تو پھر موافق پہلو ہی کو پیش کرکے دلیل میں پیش کرنا اور مخالف پہلو سے چشم پوشی کرنا صحت استدلال کو باقی نہیں رکھتا۔

لیکن ابن جوزی نے ان متضاد حدیثوں کے تضاد کو مٹانے کی پھر بھی کوئی صورت نہیں نکالی، اور وہ بے چارے کیا نکالتے، کوئی صورت نکل بھی تو سکتی ہو۔

جس طرح یہ عبداللہ بن جابر والی حدیث صرف صحیح مسلم میں ہے، اسی طرح ایک حدیث عبداللہ بن عمرو بن العاص کی طرف منسوب بھی صرف صحیح مسلم میں مروی ہے، جس کو حضرت ممدوح سے یعقوب بن عاصم بن عروہ بن مسعود الثقفی روایت کرتے ہیں۔ جو صحیح مسلم میں ایک تحویل کے ساتھ مذکور ہے۔ اگرچہ اس کو تحویل نہیں قرار دیا ہے بلکہ دو حدیثیں ہی امام مسلم نے بنا دی ہیں۔ حالانکہ وہ محض ایک تحویل ہے، کیونکہ صرف امام مسلم کے شیخ اور شیخ کے شیخ بدلے ہوئے ہیں، باقی سب رواۃ دونوں طرق کے ایک ہی ہیں۔

پہلی حدیث امام مسلم، عبیداللہ بن معاذ العنبری سے اور وہ اپنے والد معاذ العنبری سے، روایت کرتے ہیں، اور دوسری حدیث کو امام مسلم محمد بشار سے وہ محمد بن جعفر سے روایت کرتے ہیں اور معاذ العنبری اور محمد بن جعفر دونوں ہی شعبہ سے وہ نعمان بن سالم سے اور وہ یعقوب بن عاصم بن عروہ بن مسعود الثقفی سے روایت کرتے ہیں - اس لئے یہ متابعت شعبہ کے بعد سے چلتی ہے، اس لئے نفس حدیث پر اس متابعت کا کوئی اثر تقویت نہیں پڑتا - بس اتنا معلوم ہوا کہ شعبہ نے اس کو روایت کیا ہے، جس کو دو شخص بیان کر رہے ہیں، مگر شعبہ جن سے روایت کر رہے ہیں، یعنی نعمان بن سالم وہ تو ایک مجہول الحال شخص ہیں، جس کی تفصیل گذشتہ اوراق میں گذر چکی ہے -

بہر حال نفس حدیث یہ ہے کہ " یعقوب بن عاصم بن عروہ بن مسعود الثقفی کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرو سے سنا، ان کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ وہ کیا حدیث ہے جس کو آپ بیان کرتے ہیں کہ قیامت قائم ہوگی ایسے ایسے وقت تک - تو انھوں نے کہا کہ سبحان اللہ یا لا الٰہ الا اللہ یا اسی طرح کا کوئی اور کلمہ ادا کیا (جتنی عبارت پر خط کھینچا ہے وہ تحویل یعنی دوسری حدیث میں نہیں ہے -) میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ اب کسی سے کوئی حدیث نہیں بیان کروں گا - میں نے تو یہی کہا تھا کہ تم لوگ عنقریب تھوڑے ہی زمانے کے بعد ایک بہت بڑی بات دیکھو گے - خانہ کعبہ میں آگ لگے گی، اور یوں ہوگا، ووں ہوگا، (دوسری حدیث میں ہے کہ میں نے کہا تھا کہ تم لوگ دیکھو گے تھوڑے ہی زمانے کے بعد ایک بڑی بات، تو ہوئی خانہ کعبہ کی آتش زدگی "- شعبہ نے کہا کہ یہی یا اس کے مانند یعنی بات انھوں نے کہی یا کچھ اسی طرح کی) پھر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں دجال نکلے گا تو چالیس تک ٹھہرے گا - میں نہیں جانتا کہ چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس برس - تو اللہ تعالیٰ مبعوث کرے گا عیسیٰ بن مریمؑ کو،

گویا وہ عروہ بن مسعود ہوں گے تو وہ دجال کو ڈھونڈھیں گے اور اس کو ہلاک کریں گے، پھر لوگ سات برس تک اس طرح رہیں گے کہ ان کے درمیان کسی قسم کی عداوت نہ ہوگی پھر اللہ تعالیٰ ایک ٹھنڈی ہوا شام کی طرف سے اٹھائے گا - تو پھر ایسا شخص بھی روئے زمین پر زندہ باقی نہیں رہے گا - جس کے دل میں ایک ذرے کے برابر بھی بھلائی ہو، مگر اس کو موت آکر رہے گی - یہاں تک کہ اگر تم میں کوئی شخص بیچ پہاڑ میں بھی داخل ہو جائے گا تو اس میں بھی وہ ہوا داخل ہو کر رہے گی، اور اس کو مار کر رہے گی - انھوں نے کہا کہ میں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے - کہا کہ باقی رہ جائیں گے پھر برے لوگ جو پرندوں کی طرح ہلکے پھلکے برائیوں کی فضا میں تیز پرواز ہوں گے - اور درندوں کی طرح ہوشیار اور چوکنا ہوں گے، نہ وہ کسی اچھے کام کو اچھا کام سمجھیں گے نہ برے کام کو برا کام جانیں گے، تو شیطان ان کے سامنے انسانی صورت میں آکھڑا ہوگا - اور کہے گا کہ کیا تم میری بات نہیں مانو گے! تو وہ لوگ کہیں گے کہ کیا ارشاد ہوتا ہے؟ تو وہ ان لوگوں سے کہے گا بت پرستی کے لئے، اور وہ لوگ رزق کی بہتات اور اچھے سامان عیش میں ہوں گے - پھر صور پھونکا جائے گا تو اس کو نہیں سنے گا کوئی مگر یہ جھکائے ایک طرف گردن اور اٹھائے دوسری طرف (دور کی پست آواز سننے کے لئے یا بہرے لوگ سر ایک طرف جھکا کر ایک طرف کا کان اوپر کرتے ہیں اور دوسرا کان نیچے کرکے سننے کی کوشش کرتے ہیں - غالباً یہاں یہی مراد ہے) - حدیث کی اصل عبارت یوں ہے فلا یسمعہ احد الا اصغی لیتا و رفع لیتا (لیت بالکسر صفحہ گردن کو کہتے ہیں - اور اصغی کے معنی ہیں امال یعنی جھکایا) اور پہلا شخص جو اس کو سنے گا وہ ایک شخص ہوگا جو اپنے اونٹ کے حوض کو لیپ پوت کر رہا ہوگا - تو وہ چیخ اٹھے گا اور چیخ اٹھیں گے سب لوگ - پھر بھیجے گا اللہ! یا انھوں نے کہا کہ اتارے گا اللہ بارش گویا کہ وہ شبنم ہوگی (یعنی پھوہار کی طرح ہلکی ہلکی

بارش ہوگی) یا سایہ ہوگا (یعنی ابر سائبان کی طرح ہر طرف چھایا ہوا ہوگا) شک
کرنے والے نعمان ہیں (یعنی نعمان بن سالم جو اس حدیث کو یعقوب بن عاصم
بن عروہ سے روایت کر رہے ہیں انھیں یہ شک پیدا ہوا کہ یعقوب نے طل
طائے مہمل سے بمعنی شبنم کہا یا ظل ظائے معجمہ سے بمعنی سائبان کہا) تو اس
بارش سے لوگوں کے جسم اُگنے لگیں گے۔ پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو سب
لوگ کھڑے (ادھر ادھر) دیکھتے ہوں گے۔ پھر کہا جائے گا اے لوگوں! چلے چلو
اپنے رب کی طرف اور ٹھہراؤ ان کو، یہ لوگ پوچھے جانے والوں میں ہیں۔ پھر
کہا جائے گا (یعنی فرشتوں کو) نکالو ان لوگوں کو جو دوزخ کی طرف بھیجے گئے ہیں۔
تو پوچھا جائے گا، کتنے میں سے کتنے؟ تو کہا جائے گا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے۔
تو کہا جائے گا کہ یہی وہ دن ہے کہ جو بچوں کو بوڑھا بنادے گا۔ اور یہی وہ دن ہے
جس دن حقیقتیں واضح ہو جائیں گی۔

یہ حدیث جن دو طرق سے مروی ہے جن میں سے ایک کو دوسرے کی
تحویل کہہ سکتے ہیں۔ ان دونوں میں نفس حدیث بالکل ایک ہی ہے۔ تھوڑا
فرق جو مذکور ہوا وہ محض تمہید میں ہے۔ اس لئے طل اور ظل کا شک جو نعمان
بن سالم کو پیدا ہوا کہ یعقوب نے طل کہا یا ظل کہا یہ شک انھیں ہرگز پیدا نہ
ہوتا اگر وہ واقعی یعقوب بن عاصم بن عروہ سے یہ حدیث سنے ہوئے ہوتے۔
یقیناً یہ حدیث ان کو کہیں لکھی ہوئی ملی، اور کاتب نے نقطہ نہیں دیا تھا، مگر
بے جگہ اس لئے پڑھنے میں نعمان بن سالم کو یہ شک پیدا ہوا۔ کیوں کہ دونوں
لفظوں میں تجنیس خطی ہے، تجنیس لفظی نہیں ہے۔ وضاعین حدیث جھوٹی
جھوٹی حدیثیں بنا بنا کر محدثین کے ذخیرہ احادیث میں داخل کر دیا کرتے تھے
ان کی کتابوں میں لکھدیا کرتے تھے، اور وہ پھر ان کو پڑھکر حدثنا فلاں کہکر
روایت کیا کرتے تھے، اپنا لکھا ہوا ہو تو یاد رہے، دوسروں کا لکھا ہوا بعض جگہ
مشتبہ ہو جاتا تھا تو اس قسم کا شک ان کو پیدا ہو جاتا تھا، جس کو وہ اس لئے

بھی ظاہر کر دیتے تھے کہ کسی دوسرے کے پاس بھی یہ حدیث ہوئی تو معلوم
نہیں وہ کس طرح اس کو روایت کرے گا۔ جو لفظ دو طرح پڑھا جاتا ہے اس کو
دونوں طرح اپنا شک ظاہر کر کے بیان کر دو دوسرا شخص ان میں سے جس
طرح بھی روایت کرے گا، میری حدیث کی متابعت ایک طریقے سے تو ہو
جائے گی۔ اور پھر اس طرح میری دیانت داری بھی ثابت ہو جائے گی۔

اور ایک بات اور بھی اس حدیث میں قابل غور ہے جو کسی دوسری حدیث
میں نہیں ہے۔ وہ یہ کہ یعقوب بن عاصم بن عروہ بن مسعود الثقفی کو جو
حدیث عبداللہ بن عمرو بن العاص سے ملی اس میں اس کا ذکر ہے کہ حضرت
عیسیٰؑ جو دوبارہ زمین پر آئیں گے تو وہ ان کے دادا عروہ بن مسعود الثقفی کی
صورۃً مشابہ ہوں گے۔ اس طرح راوی نے حضرت عیسیٰؑ ہی کے آنے کی خبر
نہیں دی۔ بلکہ اپنے دادا کے نہیں تو ان کے ایک ہم شکل کے آنے کی بھی خبر
دے دی۔ اور ضمناً اپنے دادا کی اہمیت بھی قائم کر دی کہ حضرت عیسیٰؑ جو آئیں
گے تو یعقوب بن عاصم کے دادا عروہ بن مسعود کے ہم شکل ہوں گے۔ گویا کہ
وہی ہوں گے۔ پھر پوتے صاحب اس پر جتنا بھی فخر کریں کم ہے۔ یہ حدیث
صرف یعقوب بن عاصم، عروہ بن مسعود کے پوتے کو ملنی بھی چاہیئے تھی۔ اسی
لیئے اور کسی دوسرے سے اس حدیث کی روایت نہیں ملتی۔

اب ابو سریحہ ابو الطفیل والی حدیثوں کو بھی ملاحظہ فرمایئے، جن میں سے
صرف ایک حدیث سنن ابی داؤد میں ہے۔ باقی ساری حدیثیں صرف صحیح
مسلم میں آپ کو ملیں گی۔ یعنی دوسرے محدثین کی کتابوں میں ان کو داخل
کرنے کا موقع یاروں کو نہ مل سکا، بہر حال۔ یہ تو میں لکھ چکا ہوں کہ ابو سریحہ کی
ساری حدیثیں صرف ابو الطفیل سے مروی ہیں۔ اور یہ حدیثیں ابو الطفیل
سے صرف فرات القزاز یا عبدالعزیز بن رفیع بھی روایت کرتے ہیں بجز ایک
شخص کے جس کا نام شعبہ نے کسی مصلحت سے ...

شخص اس حدیث کو صرف ابو سریحہ ہی تک رکھتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچاتا۔ اور غالباً یہی شخص اس حدیث میں نزول عیسیٰ کا ذکر بھی نہیں کرتا۔ بلکہ نزول عیسیٰ کی جگہ ایک تیز ہوا چلنے کا ذکر آتا ہے، جو لوگوں کو دریا میں ڈال دے گی۔ اس لئے اس نامعلوم شخص کی روایت نزول عیسیٰ کے متعلق ہے بھی کہ نہیں، کچھ نہیں کہا جاسکتا اس لئے نزول عیسیٰ کے متعلق جو حدیثیں بواسطہ ابوالطفیل ابو سریحہ سے مروی ہیں، وہ صرف فرات القزاز یا عبدالعزیز بن رفیع ہی روایت کرتے ہیں۔ یہ عبدالعزیز والی روایتیں صرف صحیح مسلم میں ہیں۔ اور فرات والی صرف ایک روایت ایک تحویل کے ساتھ ابو داؤد میں اور تین تحویلوں کے ساتھ صحیح مسلم میں ملتی ہیں۔ فرات القزاز سے سفیان بن عیینہ روایت کرتے ہیں کہ "ہم لوگ آپس میں مذاکرہ کر رہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کے پاس تشریف لائے، اور پوچھا کہ تم لوگ کس بات کا ذکر کر رہے ہو؟ تو لوگوں نے کہا کہ ہم لوگ قیامت کا ذکر کر رہے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ وہ کبھی قائم نہ ہوگی جب تک اس سے پہلے تم لوگ دس نشانیاں نہ دیکھ لو۔ پھر آپ نے فرمایا، دخان (دھوئیں) کا اور دجال کا، اور دابّے کا اور جانب مغرب سے طلوع آفتاب کا اور نزول عیسیٰ بن مریمؑ کا اور یاجوج و ماجوج کا، اور تین خسوف کا ایک خسف مشرق میں، ایک خسف مغرب میں اور ایک خسف جزیرہ عرب میں (خسف چندر گہن کو بھی کہتے ہیں اور زمین کے دھنس جانے کو بھی معلوم نہیں کیا مراد ہے؟) اور آخری علامت آگ ہوگی جو یمن سے نکلے گی لوگوں کو ہنکا کر محشر کی طرف لے جائے گی۔"

اور اسی حدیث کو ابوالطفیل سے بقول شعبہ عبدالعزیز بن رفیع نے بھی روایت کیا ہے۔ مگر وہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہیں کرتے (تو پھر معلوم نہیں عبدالعزیز بن رفیع نے ان باتوں کو ابوالطفیل کی طرف منسوب کیا یا ابو سریحہ کی طرف) پھر امام مسلم کہتے ہیں (یا شعبہ کا قول نقل

کرتے ہیں) کہ دونوں میں سے ایک نے (یعنی فرات القزاز اور عبدالعزیز بن رفیع میں سے ایک نے) دسویں علامت نزول عیسیٰ بن مریم کو بتایا اور دوسرے نے کہا کہ وہ ایک ہوا ہوگی جو لوگوں کو دریا میں ڈال دے گی (یہ دوسرے بظاہر عبدالعزیز بن رفیع ہی ہوسکتے ہیں۔ کیونکہ فرات القزاز سے جتنی روایتیں ہیں وہ نزول مسیح ہی کے متعلق ہیں۔)

پھر امام مسلم محمد بن بشار سے وہ شعبہ سے وہ فرات القزاز سے وہ ابوالطفیل سے اور وہ ابو سریحہ سے روایت کرتے ہیں کہ "ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دریچے میں بیٹھے تھے اور اس دریچے کے نیچے ہم لوگ باتیں کر رہے تھے، اور اسی حدیث کے مانند حدیث بیان کر رہے تھے تو شعبہ نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں (یا گمان کرتا ہوں) کہ انھوں نے (فرات القزاز نے) کہا کہ وہ (ہوا) اترے گی ان کے ساتھ. جہاں لوگ اتریں گے۔ اور دوپہر کو آرام کرے گی۔ جہاں لوگ آرام کریں گے۔ اور شعبہ نے کہا کہ ایک شخص نے (جس کا نام نہیں بتایا) مجھ سے ابوالطفیل سے اور ابوالطفیل نے ابو سریحہ سے حدیث بیان کی۔ اور اس کو مرفوع نہیں کیا (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچایا) کہا ان دونوں شخصوں میں سے ایک نے نزول عیسیٰ بن مریمؑ اور دوسرے نے کہا ایک ہوا جو لوگوں کو دریا میں ڈال دے گی (اس کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے، وہاں دو شخصوں سے مراد فرات القزاز اور عبدالعزیز بن رفیع ہیں۔ یہاں بھی انھیں دونوں کو مراد ہونا چاہیئے۔ مگر یہاں فرات القزاز اور رجل یعنی ایک شخص کا ذکر ہے۔ اس سے ظاہر ہوگیا کہ وہ ایک شخص عبدالعزیز بن رفیع ہی ہیں۔)

اور پھر امام مسلم سے محمد بن المثنیٰ ان سے ابوالنعمان الحکم بن عبداللہ العجلی، ان سے شعبہ فرات القزاز ہی سے روایت کرتے ہیں، ابوالطفیل سے، اور وہ ابو سریحہ سے کہ ہم لوگ باتیں کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم ہم لوگوں کے سامنے تشریف لائے اور معاذ و ابن ابی جعفر جیسی حدیث بیان کی۔ (اس روایت سے پہلے یا بعد کو بھی ابن ابی جعفر کی روایت سے کوئی حدیث مروی نہیں ہے۔ نہ مذکورہ روایت میں سے کسی راوی کی کنیت ابو جعفر ہے۔ میرے پاس صحیح مسلم کا ایک قلمی قدیم نسخہ بھی ہے۔ شرح نواوی کے ساتھ اس میں بھی ابن ابی جعفر ہی لکھا ہوا ہے۔ اس لئے اس کو طباعت یا کتابت کی غلطی نہیں کہہ سکتے غالباً یہ امام مسلم ہی کی سبقت قلم سے غلطی رہ گئی۔ یا جس نے صحیح مسلم میں اس حدیث کو داخل کیا ہے، جلدی میں اسی کے قلم سے ابن ابی عمر کی جگہ ابن ابی جعفر لکھا گیا اس سے پہلے معاذ العنبری کی حدیث اور اس سے پہلے ابن ابی عمر المکی کی حدیث ضرور گزر چکی ہے معاذ العنبری نے شعبہ سے اور وہ فرات القزاز سے۔ اور ابن ابی عمر المکی نے اسحاق بن ابراہیم کے ساتھ سفیان بن عیینہ سے اور سفیان نے فرات القزاز سے جس کو روایت کیا ہے، جس کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں۔)

اور ابن مثنیٰ نے کہا کہ ہم سے ابو النعمان حکم بن عبداللہ نے بیان کیا شعبہ سے انھوں نے عبدالعزیز بن رفیع سے انھوں نے ابوالطفیل سے، انھوں نے ابو سریحہ سے اسی طرح دسویں علامت نزول عیسیٰ بن مریم کو بیان کیا (مگر شعبہ نے کہا کہ عبدالعزیز نے اس کو مرفوع نہیں کہا۔ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچایا۔)

اب آپ ان سب حدیثوں کی بھول بھلیاں اور شعبہ کی روایتوں کے گورکھ دھندے پر غور کیجئے اور کوشش کیجئے کہ ان حدیثوں سے کوئی اور ایسا مفہوم نکالیں، جس سے سب روایتوں کی چول صحیح طور سے بیٹھ جائے، اور ایک بات سمجھ میں آجائے کہ اصل حدیث یہ ہو سکتی ہے۔

مگر پہلے ایک اور حدیث جو ابوداؤد میں ہے اس کو بھی سن لیجئے۔ اور پھر سب کو پیش نظر رکھ کر غور فرمایئے۔ ابو داؤد ہناد اور مسدد سے اور وہ دونوں

ابوالاحوص سے وہ فرات القزاز سے وہ ابوالطفیل سے اور وہ ابو سریحہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دریچے کے سایہ میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ تو ہم لوگوں نے اپنی آوازوں کو بلند کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (گھری میں بیٹھے بیٹھے، کیونکہ آپ کے باہر تشریف لانے کا ذکر اس روایت میں نہیں ہے) فرمایا کہ کبھی قائم نہ ہوگی (یعنی قیامت) یا کبھی نہ ہوگی جب تک اس سے پہلے دس علامتیں ظاہر نہ ہولیں۔ مغرب کی طرف سے طلوع آفتاب، دابہ کا نکلنا، یاجوج و ماجوج کا نکلنا، دجال اور عیسیٰ بن مریم، اور دھواں، اور تین خسوف، ایک خسف مغرب میں، ایک خسف مشرق میں، اور ایک خسف جزیرہ العرب میں اور آخری نشانی یمن کی طرف سے آگ کا ظاہر ہونا۔ جو عدن کی کسی پست ترین حصہ زمین سے نکلے گی، لوگوں کو ہنکا کر محشر کی طرف لے جائے گی۔

یہ حدیثیں جو تعدد طرق قائم کر کے متعدد بنائی گئی ہیں، در حقیقت ایک ہی حدیث ہے جو حضرت، ابو سریحہ کی طرف منسوب کی گئی ہے، اور اس کی روایت کا سہرا صرف حضرت ابوالطفیل کے سر باندھا گیا ہے جن سے فرات القزاز روایت کر رہے ہیں عبدالعزیز بن رفیع کو بھی فرات کا شریک روایت بنایا گیا ہے۔ اور پھر ایک رجل کو بھی جس کا نام نہیں بتایا گیا۔ مگر میں نے بتا دیا کہ وہ کوئی تیسرے شخص نہیں ہیں، وہی عبدالعزیز بن رفیع ہیں۔ عبدالعزیز بن رفیع اور اس رجل کی روایت کو بمثلہ اور بنحوہ کہہ کر فرات القزاز ہی کی روایت کے مطابق بھی ظاہر کیا گیا ہے، اور پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ عبدالعزیز نے اپنی روایت میں اس حدیث کو مرفوع نہیں کہا۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچایا۔ بلکہ امام مسلم صاف طور سے یہ بھی لکھ رہے ہیں کہ لا یذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی عبدالعزیز بن رفیع جو روایت ابوالطفیل کے واسطے سے ابو سریحہ سے روایت کرتے ہیں

اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہیں کرتے ہیں اسی طرح وہ رجل کو بھی جو دراصل عبدالعزیز ہی ہیں، اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچاتے۔ تو پھر عبدالعزیز رفیع اور اس رجل کی روایت فرات القزاز کی روایت کے مانند کس طرح ہوئی؟۔ اگر یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچائی گئی اور آپ کا ذکر اس میں نہیں آیا تو پھر قیامت سے پہلے ان دس علامتوں کا ظہور کس سے ابو سریحہ اور ان کے ساتھیوں کو بتایا آخر عبدالعزیز بن رفیع نے اس حدیث کو کس طرح روایت کیا، بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کئے یہ حدیث فرات القزاز کی حدیث کے مانند کس طرح روایت کی جاسکتی ہے؟ کوئی صاحب اس حدیث کو جو فرات القزاز سے مروی ہے، اس میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نکال کر دیکھیں کہ پھر اس حدیث کی کیا شکل ہو جاتی ہے۔ اگر یہ حدیث مرفوع نہ ہو، یعنی اس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہ پہنچائی جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت ابو الطفیل سے حضرت ابو سریحہ نے کہا کہ قیامت کے آنے سے پہلے ان دس علامتوں کا ظہور ضروری ہے اور انھوں نے اس کا ذکر نہیں کیا کہ ہم لوگ آنحضرتؐ کے دریچے کے نیچے بیٹھے باہم مذاکرہ کر رہے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کے پاس تشریف لائے وغیرہ ذالک۔ اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے ان دس علامتوں کا ظہور ضروری ہے۔ یہ سب ابوالطفیل نے عبدالعزیز سے بالکل نہیں کہا۔ بلکہ اتنا بھی نہیں کہا کہ ابو سریحہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ قیامت سے پہلے ان دس علامتوں کا ظہور ضروری ہے۔ لم یرفعہ اور لایذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تو معنی ہی یہ ہوئے کہ بقول عبدالعزیز بن رفیع، ابوالطفیل کو ابو سریحہ نے یہ بتایا کہ قیامت سے پہلے ان دس علامتوں کا ظہور ضروری ہے۔ اس لئے امام مسلم کا ان جگہوں میں

بمثلہ اور بنحوہ کہنا بالکل خلاف عقل ہے۔ عبدالعزیز کی حدیثیں کبھی فرات کی حدیثوں کے مانند نہیں ہو سکتیں۔

اس کے علاوہ ان سب حدیثوں میں جو دس علامتیں بیان کی گئی ہیں، ان کے بیان کا اندازہ بھی ہے کہ جو علامت پہلے ظاہر ہوگی، اس کا ذکر پہلے کیا ہے، پھر اس کے بعد والی کا، پھر اس کے بعد والی کا۔ یہاں تک کہ دسویں علامت حضرت عیسیٰ بن مریم کے نزول کو قرار دیا ہے۔ ابو داؤد میں ترتیب یوں ہے۔

مغرب سے طلوع آفتاب، دابہ کا نکلنا، یاجوج و ماجوج کا نکلنا، دجال، عیسیٰ بن مریم، دھواں، تین خسوف، خسف مغرب، خسف مشرق، جزیرہ العرب اور آخری دسویں علامت یمن کی طرف سے آگ کا ظہور، جو لوگوں کو محشر کی طرف لے جائے گی اور صحیح مسلم میں ترتیب یوں ہے، دھواں، دجال، دابہ، طلوع شمس من المغرب۔ نزول عیسیٰ۔ یاجوج و ماجوج، خسف مغرب، خسف مشرق، خسف جزیرہ العرب اور آخری علامت وہ آگ جو یمن کی طرف سے ظاہر ہوگی۔ اور لوگوں کو محشر کی طرف لے جائے گی۔

یہ ترتیب ابن عیینہ کی روایت میں ہے جو فرات سے مروی ہے، مگر فرات ہی سے شعبہ اس ترتیب سے بیان کرتے ہیں۔

خسف بالمغرب، خسف بالمشرق، خسف فی جزیرہ العرب، دخان، دجال، دابہ، یاجوج و ماجوج، طلوع شمس من المغرب اور آگ جو قعر عدن سے ظاہر ہوگی۔ ان نو علامتوں کے بعد شعبہ فرماتے ہیں کہ (فرات القزاز اور عبدالعزیز بن رفیع۔) دونوں میں سے ایک نے کہا دسویں علامت کے متعلق کہ وہ نزول عیسیٰ بن مریم ہے، اور دوسرے نے کہا کہ وہ ہوا ہے۔ جو لوگوں کو دریا میں ڈال دے گی۔

محمد بن المثنی جو ابو النعمان حکم بن عبداللہ سے اور وہ شعبہ سے اور وہ فرات القزاز سے اور وہ ابوالطفیل سے اور وہ ابو سریحہ سے روایت کرتے

ہیں۔ اس کے متعلق بنحو حدیث معاذ و ابن ابی جعفر لکھا
ہے۔ ابن ابی جعفر تو غلط ہے۔ ابن ابی عمر ہی سہی تو پہلی ترتیب ابن ابی عمر کی
حدیث میں ہے، جس کو ابن ابی عمر ابن عیینہ سے اور وہ فرات سے روایت
کرتے ہیں، اور دوسری ترتیب معاذ العنبری سے ہے جس کو وہ شعبہ سے ہی اور
وہ فرات ہی سے روایت کر رہے ہیں، اور دونوں کی ترتیب میں اختلاف ہے۔
اس لئے محمد بن مثنیٰ والی روایت دونوں کے مانند کس طرح ہو سکتی ہے؟ اگر یہ
کہا جائے کہ علامتیں یہی دس محمد بن مثنیٰ والی روایت میں بھی مذکور ہیں، چاہے
ترتیب ان میں سے کسی کے بھی موافق ہو۔ تو یہ بھی ممکن ہے کہ محمد بن مثنیٰ
کی روایت میں ان دونوں کی روایتوں سے مختلف کوئی تیسری ترتیب ہو۔ اس
لئے ان کی روایت کو بھی لکھ دینا تھا۔ اور اگر بخیال اختصار اس کو ترک کیا تو
پھر معاذ والی روایت میں بھی بمثلہ لکھدینا کیوں کافی نہ سمجھا۔ علامتیں تو سب
میں ایک ہی جیسی ہیں۔ یقیناً اختلاف ترتیب ہی کی وجہ سے دونوں کی روایتیں
لکھدیں، اور بنحوہ لکھ کر اختصار سے کام نہیں لیا۔ اسی طرح یہاں بھی محمد بن
مثنیٰ کی روایت لکھدینا تھی تاکہ معلوم ہو کہ ان کی روایت معاذ کے بیان کے
مطابق ترتیب رکھتی ہے یا ابن ابی عمر کے بیان کے مطابق یا ان دونوں کی بیان
کردہ ترتیب سے مختلف ایک مختلف تیسری ترتیب بتا رہے ہیں۔ غرض دو
مختلف بیانوں کے مثل کسی ایک بیان کو قرار دینا ایک عجیب بات ہے۔

اگر علامتوں کے ذکر میں جو علامت آخر میں مذکور ہے، اس کو آخری علامت
یا دسویں علامت نہ کہا جاتا تو سمجھا جا سکتا تھا کہ یہاں ترتیب تقدم و تاخر ان
علامتوں کے ظہور میں ظاہر کرنا مقصود نہیں ہے۔ مگر سب سے آخر میں جس کو
بیان کیا ہے۔ اس کو آخری علامت اور کسی جگہ دسویں علامت کہہ کر یہ ثابت
کر دیا ہے کہ جس ترتیب سے علامتوں کا ذکر کیا ہے اسی ترتیب سے ایک کے بعد
دوسری علامت ظاہر ہوگی۔ بہرحال۔ تینوں ترتیب آپ کے سامنے ہیں ایک

تو ابو داؤد والی، اور دو صحیح مسلم والی۔ ابو داؤد اور مسلم والی پہلی ترتیب کی رو
سے حضرت عیسیٰ کا نزول پانچویں علامت ہے۔ اور صحیح مسلم کی دوسری
ترتیب کے اعتبار سے حضرت عیسیٰ کا نزول آخری دسویں علامت
ٹھہرتا ہے ان تینوں ترتیبوں کی رو سے مغرب کی طرف سے جب تک آفتاب
طلوع نہ ہو، اس وقت تک حضرت عیسیٰ کا نزول ہو نہیں سکتا۔ اس لئے اس
وقت تک جتنے مسیح موعود ہونے کے مدعی ہوئے۔ قرآن مبین کے خلاف تو
ان کا دعویٰ ہے ہی، لیکن ان من گھڑت حدیثوں کے رو سے بھی ان کا دعویٰ
غلط ہی ٹھہرتا ہے۔ اور ان تنکوں کا سہارا بھی انھیں گرداب ضلالت میں
سہارے کا کام نہیں دے سکتا۔

اس کے بعد ان تینوں ترتیبوں پر ایک مفصل بحث ہو سکتی ہے۔ خصوصاً
دوسری حدیثوں سے تعارض و تضاد وغیرہ دکھا کر مگر مضمون بہت طویل ہو چکا
ہے اسی لئے اسی قدر پر اکتفا کرتا ہوں۔ درخانہ اگر کس است حرفے بس
است۔

اب ایک من گھڑت صحابی نواس بن سمعان کے سر جو حدیثیں تھوپی گئی
ہیں، ذرا ان کی سیر کر لیجئے۔ صحیح مسلم میں ان کی ایک لمبی چوڑی حدیث
مروی ہے، اسی کو اصل قرار دے کر باقی صحاح کی حدیثوں کا اسی سے مقابلہ
کر کے تنقید کی جائے تو بہتر ہے۔ صحیح مسلم میں ایک تحویل کے ساتھ یہ
حدیث مذکور ہے، اس کو تحویل نہ کہئے بلکہ یوں سمجھئے کہ امام مسلم اس حدیث
کو دو شیوخ سے روایت کر رہے ——— کیونکہ امام مسلم اس کو زہیر بن
حرب سے بھی روایت کرتے ہیں اور محمد بن مہران سے بھی اور وہ دونوں ولید
بن مسلم سے وہ عبدالرحمن بن یزید بن جابر سے، وہ یحییٰ بن جابر الطائی سے وہ
عبدالرحمن بن جبیر بن نفیر سے وہ اپنے باپ جبیر بن نفیر سے، اور وہ نواس بن
سمعان سے سو انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کل رات

دجال کا ذکر فرمایا تو اپنی آواز بہت پست کی، اور کافی بلند کی، یہاں تک کہ ہم لوگوں نے گمان کیا کہ ان کھجوروں کے جھنڈ میں وہ موجود ہے تو جب صبح کو ہم لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ہم لوگوں میں اس خوف وہراس کو محسوس فرمایا تو پوچھا کہ تم لوگوں کا کیا حال ہے۔ ہم لوگوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! حضور نے جورات دجال کا ذکر فرمایا اور آواز پست و بلند فرمائی یہاں تک کہ ہم لوگوں نے گمان کیا کہ وہ ان کھجوروں کے جھنڈ میں موجود ہے تو آپ نے فرمایا کہ مجھ کو تم لوگوں کے متعلق دجال کے سوا دوسری بات ڈرا رہی ہے، وہ یہ کہ وہ نکلے اور میں تم میں موجود رہوں تو میں اس سے مقابلہ کرنے والا ہوں گا، تمہارے سوا۔ اور اگر وہ نکلا اور میں تم لوگوں میں موجود نہ ہوا تو ہر شخص اپنی ذات سے اس کا مقابلہ کرنے والا ہوگا۔ اور اللہ میرے پیٹھ پیچھے ہر مسلم کا مددگار ہے۔ وہ دجال جوان ہوگا، کڑے کڑے بالوں کے جوڑے والا، ایک آنکھ کی پھولی والا، عبدالعزیٰ ابن قطن کے مشابہ تو تم میں جو شخص اس کو پائے تو چاہیئے کہ اس پر پڑھے سورہ کہف کے ابتدائی حصے وہ نکلنے والا ہے۔ شام و عراق کے درمیانی راستے سے۔ پھر داہنے بائیں ہر طرف فتنہ و فساد پھیلانے والا ہوگا۔ اے اللہ کے بندو! اس وقت ثابت قدم رہنا۔ تو ہم لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کب تک روئے زمین پر رہے گا؟ تو آپ نے فرمایا کہ چالیس دن ایک دن ایک سال کے برابر، ایک دن ایک مہینے کے برابر، ایک دن ایک جمعہ (ہفتہ) کے برابر، اور اس کے باقی سب دن تم لوگوں کے دنوں کے برابر ہوں گے۔ (یعنی ۴۳۴ دنوں تک وہ روئے زمین پر فساد پھیلاتا رہے گا۔) تو ہم لوگوں نے عرض کیا کہ تو وہ دن جو سال بھر کے برابر ہوگا کیا ہم لوگوں کو اس میں ایک دن کی نماز کافی ہوگی؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ اندازہ قائم کیجیو، اس کے اندازے کے مطابق۔ ہم لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس کی تیز رفتاری زمین پر کیسی ہوگی؟ آپ نے فرمایا بارش باراں کی طرح جس

کے پیچھے ہوا ہو، تو وہ آئے گا قوم کے پاس اور ان کو دعوت دے گا، تو لوگ اس کی دعوت قبول کر لیں گے، اور اس پر ایمان لے آئیں گے، تو وہ آسمان کو حکم دے گا تو بارش ہونے لگے گی اور زمین کو حکم دے گا تو وہ اگانے لگے گی اور ان کے مویشی چراگاہ کی طرف جائیں گے، لمبے لمبے بھرپور تھن والے اور تنے ہوئے پاکھوں والے۔ پھر وہ قوم کے پاس آئے گا تو لوگ اس کو دھتکار دیں گے اور اس کی بات کو رد کر دیں گے۔ تو وہ لوگ صبح کریں گے، ایسی حالت میں کہ مکر و کید میں مبتلا ہوں گے، ان کے ہاتھوں میں ان کے مال میں سے کچھ بھی نہ ہوگا۔ اور وہ (دجال) جائے گا ویرانوں میں اور کہے گا، نکال اپنے خزانوں کو! تو خزانے اس کے پیچھے چلیں گے، جیسے مدھ مکھیوں کا شہد۔ پھر وہ بلائے گا ایک مرد کو جو کڑیل جوان ہوگا، تو اس کو تلوار سے مارے گا اور دو ٹکڑے کر دے گا، کہ دونوں ٹکڑے الگ الگ پھینکے جائیں گے۔ ایسا کہ دونوں کے درمیان ایک تیر کا فاصلہ ہوگا۔ پھر وہ اس کو بلائے گا تو اس کے سامنے وہ (مقتول) آ کھڑا ہوگا اور بشاش ہو جائے گا اس کا چہرہ اور ہنسنے لگے گا وہ اسی حالت میں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ مسیح بن مریم کو اسی درمیان میں مبعوث کرے گا۔ تو وہ اتریں گے۔ منارہ البیضاء کے پاس دمشق کے مشرقی حصہ میں، دو زعفرانی کپڑوں میں، اپنی دونوں ہتھیلیاں دو فرشتوں کے مونڈھوں پر رکھے ہوئے، جب وہ سر جھکائیں گے تو قطرے ٹپکنے لگیں گے۔ اور جب سر اٹھائیں گے تو بکھریں گے ان کے سر سے چاندی کے سے قطرے موتیوں جیسے۔ تو کسی کافر کے لئے یہ ممکن نہ ہوگا کہ وہ ان کے سانس کی ہوا محسوس کرے اور نہ مر جائے۔ اور ان کا سانس وہاں تک پہنچے گا، جہاں تک ان کی نظر جائے گی۔ تو وہ دجال کو ڈھونڈیں گے، یہاں تک کہ اس کو پائیں گے قریہ لد کے دروازے پر (لد بیت المقدس کے قریب ایک قریہ تھا) تو اس کو مار ڈالیں گے۔ پھر عیسیٰ آئیں گے، اس قوم کے پاس جن کو اللہ نے اس کے مکر سے محفوظ رکھا تھا۔ تو عیسیٰ ان کے

چہروں سے گرد ملال پونچھیں گے۔ اور جنت میں ان کے لئے کیسے کیسے
درجے ہیں اس کے متعلق ان سے بات کریں گے۔ تو وہ اسی حالت میں ہوں
گے کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام پر وحی کرے گا۔ کہ میں نے نکالا ہے
اپنے کچھ بندوں کو، کسی کے دو ہاتھ ایسے نہیں کہ ان سے قتال کرے۔ (دو ہاتھ
ایسے نہیں، یعنی اتنی قوت نہیں) تو جمع کر میرے بندوں کو اس پہاڑ کی طرف۔
اور اللہ مبعوث کرے گا یاجوج و ماجوج کو، اور وہ ہر سوراخ سے نکلنے لگیں گے
تو ان کے پہلے لوگ گذریں گے بحیرہ طبریہ پر، تو پی جائیں گے وہ لوگ جو کچھ اس
میں ہوگا۔ تو پھر ان کی دوسری جماعت اس جگہ گذرے گی اور کہے گی کہ اس
میں ایک بار تو پانی تھا۔ اور عیسیٰ نبی اللہ اور ان کے ساتھی ان کے گھیرے میں
گھر جائیں گے، یہاں تک کہ ایک گائے کا سر ان کے لئے بہتر ہوگا اس سے جتنا
کہ آج تمہارے لئے سو اشرفیاں بہتر ہیں تو راغب ہوں گے (اللہ کی طرف) نبی
اللہ عیسیٰ اور ان کے اصحاب تو بھیجے گا اللہ ان پر (یاجوج ماجوج کی قوم پر) (وہ)
کیڑے (جو اونٹ اور بھیڑ بکری کی ناک میں پیدا ہوتے ہیں، اور مویشی اس سے
مرجاتے ہیں) تو صبح کو وہ سب کے سب مردہ ہوں گے، جیسے ایک شخص کی
موت ہوتی ہے۔ (یعنی پوری قوم اس طرح مرے گی جیسے ایک انسان مرتا ہے
تو اس کے سارے اعضاء مردہ ہوتے ہیں) پھر نبی اللہ عیسیٰ اور ان کے
اصحاب پہاڑ سے نیچے اتریں گے تو زمین پر بالشت بھر بھی جگہ ایسی نہ پائیں
گے جہاں ان کے گلے سڑے جسم اور ان کی بدبو نہ ہو، تو نبی اللہ عیسیٰ علیہ
السلام اور ان کے اصحاب اللہ کی طرف راغب ہوں گے۔ تو اللہ کچھ پرندوں کو
بھیج دے گا۔ اعناق البخت کی طرح، تو لاد کر لے جائیں گے ان کو اور پھینک
دیں گے جہاں چاہے گا اللہ۔ پھر بھیجے گا اللہ بارش باراں کو جس سے نہ کوئی مٹی
کا مکان پوشیدہ رہے گا اور نہ اونی خیمہ۔ تو وہ بارش کا پانی دھو دے گا روئے
زمین کو یہاں تک کہ بنا دے گا اس کو صاف مثل آئینے کے۔ پھر کہا جائے گا

زمین کو اپنے پھل اگا، اور اپنی برکتوں کو واپس لا۔ تو پھر اس دن کھائے گی ایک
جماعت ایک انار سے، اور اس کے چھلکے کی چھتری بنائے گی (یعنی اتنے بڑے
بڑے انار ہوں گے کہ ایک انار سے ایک جماعت کا پیٹ بھر جائے گا اور اس
کے چھلکوں کی لوگ چھتریاں بنائیں گے) اور مویشیوں کے دودھ میں برکت دی
جائے گی۔ یہاں تک کہ جو اونٹنی ابھی بچہ جنی ہے۔ (اس کا دودھ) انسانوں کی
ایک بڑی جماعت کے لئے کافی ہوگا۔ اور جو گائے ابھی بچہ جنی ہے (اس کا دودھ
ایک پورے قبیلے کے لئے کافی ہوگا۔ اور جو بھیڑ ابھی بچہ جنی ہے۔ وہ ایک
خاندان کے لئے کافی ہو جائے گا تو لوگ اسی حالت میں ہوں گے کہ اللہ بھیجے گا
ایک خوشگوار ہوا تو وہ لے لیگی ان لوگوں کو اپنی بغلوں کے نیچے، اور ہر مومن و
مسلم کی روح پر قبضہ کرلے گی اور باقی رہ جائیں گے برے لوگ، جو علانیہ بے
حیائیاں کریں گے گدھوں کی طرح، تو بس انھیں لوگوں پر قیامت آئے گی۔
نواس بن سمعان ایک خود ساختہ صحابی کی طرف یہ حدیث منسوب کی گئی ہے،
اور ایک ہی سلسلہ اسناد سے مسلم، ترمذی، ابوداؤد، اور ابن ماجہ میں مروی
ہے۔ یعنی نواس بن سمعان سے صرف جبیر بن نفیر، ان سے صرف ان کے بیٹے
عبدالرحمن بن جبیر بن نفیر، ان سے یحییٰ بن جابر الطائی، ان سے عبدالرحمن
بن یزید بن جابر، ان سے ولید بن مسلم۔ یہاں تک سب کے سب متحد ہیں۔
ولید بن مسلم کے بعد فرق چلتا ہے۔ ولید بن مسلم سے زہیر بن حرب، ان سے
امام مسلم اور ولید بن مسلم سے علی بن حجر، ان سے ترمذی، اور ولید بن مسلم
سے صفوان بن صالح الدمشقی، ان سے ابوداؤد، غرض مسلم، ترمذی، ابوداؤد،
ان تینوں کے صرف شیخ الگ الگ مختلف ہیں۔ شیخ کے شیخ اور پھر ان کے
اوپر کے سارے نام ایک ہی ہیں۔ لیکن ابن ماجہ ہشام بن عمار سے، ا،ر وہ یحییٰ
بن حمزہ سے اور وہ عبدالرحمن بن یزید بن جابر سے، روایت کرتے ہیں، یعنی
ابن ماجہ کے شیخ بھی ان مسلم و ترمذی و ابوداؤد کی طرح ایک دوسرے سے

مختلف تو ہیں ہی۔ شیخ کے شیخ جو ان تینوں میں ایک ہی شخص ہیں یعنی ولید بن مسلم، یہاں وہ بھی بدلے ہوئے ہیں، ان کی جگہ ابن ماجہ کے شیخ الشیخ یحییٰ بن حمزہ ہیں ان کے بعد پھر سارے نام متحد ہیں۔ غرض مسلم، ترمذی ابوداؤد اور ابن ماجہ، یہ چاروں بڑے بڑے محدثین اس کے گواہ ہیں کہ اس حدیث کے ذمہ دار تنہا اور صرف عبدالرحمن بن یزید بن جابر ہیں۔ اسی لئے ترمذی نے یہ حدیث نقل کر کے صاف لکھدیا کہ " اس حدیث کو ہم نہیں جانتے بجز عبدالرحمن بن یزید بن جابر کی حدیث ہونے کی حیثیت سے۔"

مگر باوجود اس کے یہ حدیث ایک ہی سلسلہ اسناد سے سارے محدثین کو صرف عبدالرحمن بن یزید بن جابر ہی سے ملی۔ ہر کتاب کے متن حدیث میں دوسری کے متن حدیث سے کچھ الفاظ کا فرق یا کمی بیشی موجود ہے۔ مثلاً۔

صحیح مسلم (1)	ترمذی (2)	ابن ماجہ (3)
فلمارحنااليہ	قال ثم انصرفنا من عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم رحنا اليہ	فلمارحنااليہ
اخوفنی عليكم	آخوف لی عليكم	اخوفنی عليكم
كانی اشبهُ	شبيهٌ	كانی اشبهُ
فمن ادرك منكم	فمن راه منكم	فمن راه منكم
فاثبتوا	فالبثوا	فاثبتوا

مسلم و ترمذی کے صرف شیخ بدلے ہوئے ہیں۔ شیخ کے بعد سارے راوی ایک ہی ہیں، اس لئے ان دونوں میں اختلاف کا ہونا تعجب خیز ہے۔ ابن ماجہ کے شیخ

کے شیخ بھی دوسرے ہیں، مگر تعجب ہے کہ مسلم و ابن ماجہ میں اتنا اختلاف نہیں جتنا مسلم و ترمذی میں ہے۔ واللہ اعلم بالتحقیق۔

ابوداؤد (۴)

ابوداؤد میں یہ ساری عبارتیں جن میں وہ تینوں باہم مختلف ہیں موجود ہی نہیں ابوداؤد کی حدیث ہی شروع ہوئی ہے، وہاں سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ " اگر وہ نکلا اور میں تم میں موجود رہا تو میں تمہاری طرف سے اس کا مد مقابل ہوں گا......" البتہ ایک اضافہ مختصر سا ابوداؤد میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اوائل سورہ کہف کے بارے میں فرمایا کہ " یہ تمھارے لئے اس کے فتنے سے ایک امان ہے۔" یہ عبارت ابوداؤد کے سوا اور کسی دوسری کتاب میں نہیں ہے، یہ چند اختلافات مثالاً پیش کئے گئے۔ ورنہ ان چاروں کتابوں میں جزئی باہمی اختلافات اور بھی ہیں۔

خیر یہ نقشہ تو محض لفظی اختلافات کا ہے، مفہوم سب کا ایک ہی ہے۔ بعض جگہ مفہوم میں کمی تھی، جس کی تکمیل کی گئی ہے جیسے پہلے اختلاف میں ہے۔ مسلم اور ابن ماجہ میں صرف فلمارحنااليہ ہے۔ ترمذی نے اس کو مکمل کر دیا ہے کہ ثم انصرفنا من عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم رحنا اليہ۔ پہلے انصراف کا ذکر ضروری تھا ابو سریحہ اور ان کے ساتھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی باتیں سن ہی رہے تھے۔ اور وہاں پر موجود ہی تھے۔ پھر یہ کہنا کہ " تو جب ہم لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے" چہ معنی دارد؟۔ ترمذی نے اس کو صاف کر دیا کہ ابو سریحہ نے کہا کہ اتنی باتیں سن کر ہم لوگ آپ کے پاس سے چلے گئے۔ پھر جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے یہ یہ فرمایا اس اصلاح کی شدید ضرورت تھی۔ مگر بعض جگہ مضمون میں ایسا اختلاف ہے جس کو تضاد کہا

جاسکتا ہے، مثلاً مسلم اور ابن ماجہ میں ہے کہ دجال آئے گا تو لوگ پہلے ہی دن اس کی دعوت قبول کرلیں گے، اور اس پر ایمان لے آئیں گے مگر دوسرے دن اس کی دعوت رد کردیں گے۔ تب وہ اپنے خرق عادت دکھائے گا اور لوگ اسکی دعوت قبول کرلیں گے اور اس پر ایمان لے آئیں گے، لیکن ترمذی میں ہے کہ پہلے دن جو وہ لوگوں کے سامنے اپنی دعوت پیش کرے گا تو لوگ اس کو جھٹلائیں گے۔ اور اسکی بات نہیں مانینگے۔ تب وہ اپنے خرق عادت دکھلائے گا۔ اور لوگوں کے دل خود بخود اس کی طرف کھنچ جائیں گے۔ اور لوگ بے مال کے مفلس و قلاش ہوجائیں گے تب اس پر ایمان لے آئیں گے۔

مسلم و ابن ماجہ میں یہ بات خلاف عقل سی تھی کہ پہلے دن بغیر کسی خرق عادت کے دیکھے صرف دعوت پر تو لوگ اس کے سامنے سر تسلیم خم کردیں گے، مگر جب وہ اپنے خرق عادت دکھائے گا تو دوسرے ہی دن لوگ اس سے پھر جائیں گے اور اس کی دعوت رد کردیں گے آخر یہ انقلاب لوگوں کے ذہنوں میں کیوں پیدا ہوجائے گا، اس کو بیان کرنا ضروری تھا ترمذی نے اس کی بھی اصلاح کی اور اس کو یوں بنادیا کہ لوگ پہلے دن اس کی دعوت کو رد کردیں گے، مگر جب وہ خرق عادت دکھائے گا تو دوسرے دن اس کی دعوت قبول کرلینگے اور اس پر ایمان لے آئینگے، غرض مسلم اور ابن ماجہ کی حدیث میں مفہوم کے اعتبار سے جو غلطیاں تھیں ترمذی نے ان کی اصلاح ضرور کی ہے۔ ترمذی کے شیخ مسلم و ابن ماجہ کے شیخ سے زیادہ نکتہ سنج آدمی معلوم ہوتے ہیں۔

اسی طرح مسلم اور ابن ماجہ میں ہے کہ دجال کی دعوت جب دوسرے دن رد کردیں گے تو وہ لوگوں کے پاس سے چلا جائے گا اس کے جانے کے بعد سب لوگ مفلس و قلاش ہوجائیں گے۔ ان کے اموال میں سے کچھ بھی ان کے قبضے میں نہ رہے گا۔ یہ نہیں بتایا کہ آخر ان کے سارے اموال ان کے پاس سے کیا

ہوجائیں گے، ترمذی کے شیخ نے اس رکاکت کو بھی محسوس کیا۔ اور کچھ الفاظ بڑھا کر مضمون کو درست کردیا اور لکھا کہ جب پہلے دن لوگ اس کی دعوت کو جھٹلائیں گے تو وہ ان لوگوں کے پاس سے چلا جائے گا اور اس کے جانے کے وقت لوگوں کے اموال اس کے پیچھے پیچھے کھنچے چلے جائیں گے، یہاں تک کہ جب دوسرا دن ہوگا تو لوگ ایسی حالت میں صبح کریں گے کہ سب کے سب مفلس و قلاش ہوں گے۔ ان کے قبضہ میں کچھ نہ ہوگا۔ اس اصلاح کے بعد لوگوں کے مفلس و قلاش ہوجانے کی وجہ ظاہر ہوگئی ان اصلاحوں کی بھی اہمیت پہلی اصلاحوں سے کم نہیں ہے۔

ان اصلاحوں کے پیش نظر، یہ بات ضرور سمجھ میں آجاتی ہے کہ مسلم کی حدیث ابن ماجہ میں صرف نقل کرلی گئی۔ اور ترمذی میں دونوں کی یا صرف مسلم کی حدیث پیش نظر رکھ کر، اس کے نظم عبارت و مضامین پر غور کرنے کے بعد پہلے مناسب محو و اثبات سے بقدر ضرورت کام لیا گیا۔ اس کے بعد وہ اصلاح شدہ حدیث اسمیں داخل کی گئی۔ اسی لئے مسلم و ابن ماجہ میں باوجود اس کے کہ دونوں کے شیخ اور شیخ کے شیخ بھی بدلے ہوئے ہیں، صرف ایک ہی لفظ میں محض معمولی سا فرق معلوم ہوتا ہے، یعنی مسلم میں "فمن ادرک منکم" ہے اور ابن ماجہ میں "فمن راہ منکم" ہے، یہاں بھی ترمذی نے ان دونوں میں سے جو بلیغ لفظ تھا اسی کو اختیار کیا فمن راہ منکم ہی لکھا۔ ایک تو یہ کہ یہ محل ضمیر مفعول کے حذف کے لئے مناسب نہیں، صاف کہنا تھا فمن ادرک منکم۔ دوسرے یہ کہ ادرک سے مراد اس کے خروج کا زمانہ پالینا بھی ہوسکتا ہے۔ جو یہاں مقصود نہیں۔ اور فمن راہ منکم نہایت صاف اور واضح مفہوم کو ادا کررہا ہے، اسی لئے ابن ماجہ میں اس حدیث کو داخل کرنے والے نے بھی یہاں "ادرک" کی جگہ "راہ" بنالیا۔

مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے کہ دجال کے مکر و فریب اور قتل و غارت

گرمی سے جو لوگ بچ رہے ہوں گے، وہ لوگ حضرت عیسیٰ کے پاس آئیں گے
اور ترمذی ابن ماجہ میں یہ ہے کہ ان لوگوں کے پاس خود حضرت عیسیٰ پہنچیں
گے۔ ولکل وجھۃ"

لیکن ترمذی میں ایک عجیب اضافہ اس حدیث کے اندر ہے، جو مسلم میں
اس حدیث کے اندر تو نہیں مگر اس حدیث کے باہر ضرور ہے، لیکن ابن ماجہ
میں یہ اضافہ اس حدیث کے اندر ہے نہ باہر۔ وہ یہ کہ دجال کے آنے اور پھر
حضرت عیسیٰ کے دوبارہ مبعوث ہونے، اور دجال کو قتل کرنے کے ذکر کے
بعد یاجوج ماجوج کا ذکر ہے کہ وہ قوم بیت المقدس کے پاس پہنچے گی تو اس
وقت کہے گی کہ ہم لوگوں نے ان سب کو تو قتل کر دیا جو لوگ زمین پر تھے۔
اب آؤ ان سبھوں کو بھی قتل کر دیں جو آسمان پر ہیں۔ تو وہ اپنے تیر آسمان کی
طرف پھینکیں گے۔ اللہ ان کے تیروں کو اوپر سے نیچے کی طرف خون آلود
واپس کرے گا۔

اس مضمون کو صحیح مسلم میں زہیر بن حرب عن ولید بن مسلم عن
عبدالرحمن بن یزید بن جابر والی روایت سے الگ نئے عنعنہ سے عن علی بن حجر
عن عبداللہ بن عبدالرحمن بن یزید بن جابر عن ابیہ کر کے روایت کیا ہے۔
ترمذی میں روایت ہے علی بن حجر ہی سے مگر وہ ولید بن مسلم سے روایت کرتے
ہیں۔ عبدالرحمن بن یزید بن جابر کے بیٹے عبداللہ سے روایت نہیں کر رہے
ہیں تو اگر ولید بن مسلم نے اس مضمون کو اس حدیث میں داخل کر کے علی
بن حجر سے بیان کیا تھا تو پھر انھیں ولید بن مسلم نے تو یہ حدیث زہیر بن حرب
سے بیان کی تھی اور زہیر سے امام مسلم نے سنی تو ولید بن مسلم نے اس
مضمون کو زہیر بن حرب سے اس حدیث میں کیوں نہیں بیان کیا؟ اور جب
سب کے سب عبدالرحمن بن جابر ہی سے اس حدیث کو روایت کر رہے ہیں تو
ابن ماجہ اس مضمون سے کیوں خالی ہے۔ یہ گتھی ایسی ہے جس کو کوئی محدث

نہیں سلجھا سکتا۔ بات یہ ہے کہ صحیح مسلم ہی میں یہ حدیث پہلے داخل کی گئی۔
اور اس مضمون کو الگ ایک حدیث کی صورت میں رکھنا ہی اس وقت
مناسب معلوم ہوا۔ مگر ابن ماجہ میں جس نے داخل کیا اس نے اس مضمون کو
کچھ مناسب نہیں محسوس کیا۔ اس لئے بالکل ہی اس مضمون کو اڑا پھینکا اور
ترمذی میں داخل کرنے والے نے دیکھا کہ جس طرح اور مضامین اس حدیث
کے ہیں، اسی طرح یہ بھی تو ہے۔ تو پھر الگ ایک حدیث کی شکل میں کیوں
رہے۔ دونوں کو ایک کر دیا، امیر حمزہ کی داستان سے عمرو عیار کا قصہ الگ کیوں
رہے۔ یہ حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں تو ہو نہیں سکتیں۔
امیر حمزہ کی داستان یا طلسم ہوش ربا کا ایک باب ضرور ہو سکتی ہیں۔

امام مسلم اور ترمذی نے یہ بھی لکھا ہے کہ علی بن حجر نے کہا کہ عبدالرحمن
بن یزید بن جابر کے بیٹے عبداللہ اور ان کے شاگرد ولید بن مسلم دونوں کی
حدیثیں خلط ملط ہو گئیں ایک کی حدیث دوسرے کی حدیث میں داخل ہو گئی۔
تو اب ایسا ترمذی میں ضرور ہوا کیوں کہ ترمذی میں علی بن حجر دونوں سے یعنی
عبدالرحمن بن یزید بن جابر کے بیٹے عبداللہ اور شاگرد ولید بن مسلم سے یکجائی
روایت ہے۔ اور دونوں کی حدیثوں کو یکجائی طور سے علی بن حجر نے ترمذی سے
روایت کیا ہے، اس لئے ترمذی میں دونوں کی حدیثوں کے خلط ملط ہو جانے کا
امکان ضرور ہے مگر مسلم میں تو ولید بن مسلم کی روایت علی بن حجر سے ہے ہی
نہیں، بلکہ زہیر بن حرب سے ہے اور عبداللہ بن عبدالرحمن بن یزید بن جابر کی
حدیث الگ ہے، جو علی بن حجر سے ہے تو یہاں ولید کی حدیث علی بن حجر
روایت ہی نہیں کر رہے ہیں۔ اس لئے صحیح مسلم میں ولید و عبداللہ کی حدیثوں
کے خلط ملط کا ذکر بالکل لایعنی ہے۔ بہر حال صحیح مسلم کے طریق روایت سے یہ
بات واضح ہے کہ یہ اضافہ صرف عبداللہ کی روایت میں ہے یعنی بیٹے نے باپ
کی روایت پر اتنا اضافہ کر دیا کہ اگر پدر نتواند پسر تمام کند، اگر کوئی اس کو نہ سمجھے

تو یہ تجاہل عارفانہ ہے۔

واضح رہے کہ بعض محدثین کا اس طرح اپنی کسی کمزوری کا اظہار کہیں اپنا شک ظاہر کر دینا کہ شیخ نے یہ لفظ کہا یا یہ لفظ، ان کی غایت دیانت داری کا ثبوت قرار دیا جاتا ہے مگر یہ ویسا ہی ہے۔ جیسے کوئی مولانا قسم کے حضرت کسی مجلس میں آئیں اور بالکل صف نعال کے پاس اس لئے بیٹھیں کہ دیکھنے والوں میں جو جانے پہچانے ہیں وہ شور مچائیں کہ مولانا ادھر تشریف لایئے ادھر تشریف لایئے تاکہ جو نہیں پہچانتے ہیں وہ بھی پوچھنے لگیں کہ یہ کون بزرگ ہیں اور پھر ان کا غائیت انکسار بھی ثابت ہو، حالانکہ یہ ان کے غایت استکبار کی دلیل ہے غرض یہ بھی محدثین کی ایک قسم کی تدلیس ہی ہے، اس سے دھوکا نہیں کھانا چاہیئے۔

یہ ساری بحثیں تو مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ کی حدیثوں کے متعلق ہوئیں ابو داؤد کی حدیث کے متعلق آپ کے نقشے میں اتنا معلوم ہو چکا کہ انھوں نے حدیث کو بالکل مختصر کر دیا۔ انھوں نے خود مختصر کیا یا ان کو مختصر ہی ملی۔ وہ بیک واسطہ مسلم اور ترمذی کی طرح ولید بن مسلم ہی سے روایت کر رہے ہیں ابو داؤد کے شیخ اس حدیث میں صفوان بن صالح الدمشقی ہیں۔ معلوم نہیں ولید بن مسلم نے زہیر بن حرب امام مسلم کے شیخ کو اور علی بن حجر ترمذی کے شیخ کو تو پوری حدیث سنائی، ابو داؤد کے شیخ صفوان کو کاٹ چھانٹ کر کیوں سنائی۔ ابتدائی واقعات بھی غائب اور پھر یہ اضافہ بھی غائب۔ یہ اضافہ تو عبداللہ بن عبدالرحمن بن یزید بن جابر کی طرف سے ہے اور ان سے یہ حدیث ابو داؤد میں مروی ہی نہیں۔ نہ علی بن حجر سے مروی ہے۔ اس لئے نہ یہ اضافہ ابو داؤد میں ہے، نہ اس کا اظہار کہ دونوں کی حدیثوں میں خلط ملط ہو گیا۔ اتنا تو سمجھ میں آیا۔ مگر ابتدائی باتیں جو مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ سب میں ہیں وہ ابو داؤد میں کیوں نہیں ہیں یہ بالکل سمجھ میں نہیں آیا نہ آسکتا ہے۔

صحاح کی کتابوں میں سے نسائی میں تو نزول عیسیٰ بن مریم علیہما السلام یا آمد مہدی کے متعلق کوئی حدیث مروی ہی نہیں ہے۔ بخاری و مسلم و ترمذی اور ابو داؤد کی سب حدیثوں کی تنقید ہو چکی۔ ابن ماجہ میں سے بھی نواس بن سمعان خود ساختہ صحابی کی طرف منسوب حدیث پر ناقدانہ بحث مسلم و ترمذی کی حدیث کے ساتھ گذر چکی مگر ابن ماجہ میں بھی حضرت ابو ہریرہؓ کی طرف منسوب ایک حدیث ہے۔ جس کو ابن ماجہ ابو بکر بن شیبہ سے وہ سفیان بن عیینہ سے، وہ زہری سے، وہ سعید بن المسیب سے اور وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ یہ حدیث بالکل اسی اسناد سے صحیح مسلم میں بھی مروی ہے۔ وہاں امام مسلم عبدالاعلیٰ بن حماد، اور زہیر بن حرب کے ساتھ ابو بکر بن شیبہ سے یعنی ان تینوں سے اس کو سنتے ہیں اور یہاں ابن ماجہ تنہا ابو بکر بن شیبہ سے سننا بیان کرتے ہیں۔ مگر پھر بھی الفاظ حدیث میں تقدیم و تاخیر کا کچھ فرق موجود ہے۔ مثلاً مسلم میں ہے۔ اماما مقسطا و حکما عدلا۔ اور ابن ماجہ میں ہے حکما مقسطا و اماما عدلا یقیناً اتنا فرق امام مسلم اور ابن ماجہ کے حافظہ کے فرق کی وجہ سے ہے، ورنہ دونوں ہی تو ابو بکر بن شیبہ ہی سے روایت کر رہے ہیں۔ اس حدیث پر پوری بحث صحیح بخاری کی حدیث سے مقابلہ کرتے ہوئے گذر چکی ہے۔ ولا فائدہ فی الاعادہ۔ اس کے رجال بھی وہی ہیں جو مسلم کے رجال ہیں، جن کی تنقید ہو چکی ہے اس لئے یہاں رجال کی بھی بحث کا اعادہ فضول ہے۔

ایک نئی حدیث ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی مروی ہے جو صحاح کی کسی دوسری کتاب میں مذکور نہیں۔ اس کو ابن ماجہ محمد بن بشار سے وہ یزید بن ہارون سے، وہ عوام بن حوشب سے، وہ جبلہ بن سحیم سے، وہ موثر بن عفازہ سے اور وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ جب ہوئی وہ رات جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیر کرائی

گئی یعنی شب معراج) تو آپ نے ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ (علیہم السلام) سے ملاقات کی تو ان سب لوگوں نے باہم قیامت کا مذاکرہ کیا تو ابتدا کی ابراہیم سے، تو سبھوں نے ان سے پوچھا تو ان کے پاس اس کے متعلق کوئی علم نہ تھا۔ پھر پوچھا موسیٰ سے، ان کے پاس بھی ان کے متعلق کوئی علم نہ تھا تو سبھوں نے اس سوال کو عیسیٰ کے پاس پیش کیا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھ کو ذمہ دار بنایا گیا ہے ان باتوں کا جو قیامت کے قریب ہوں گی۔ لیکن اس کے وقوع کا علم اللہ کے سوا اور کسی کو نہیں، پھر عیسیٰ نے ذکر کیا خروج دجال کا اور کہا کہ پھر میں اتروں گا اور اس کو قتل کر دونگا۔ پھر لوگ اپنے اپنے شہروں کی طرف لوٹ جائیں گے، تو پھر ان کے سامنے آئیں گے یاجوج و ماجوج اور وہ ہر ٹیلے سے نکلنے لگیں گے۔ تو وہ جس پانی کے پاس بھی گذریں گے، اس کو پی جائیں گے اور جس چیز کے پاس پہنچیں گے اس کو تہس نہس کر ڈالیں گے۔ تو لوگ اللہ کے آگے گڑگڑائیں گے تو میں اللہ سے دعا کروں گا کہ ان (یاجوج و ماجوج کی قوم) کو موت دے دے، تو (جب وہ سب مرجائیں گے) زمین میں بدبو ہوجائے گی، ان کی (لاشوں کی) مہک سے، تو (پھر) لوگ اللہ کے سامنے گڑگڑانے لگیں گے تو میں اللہ سے دعا کروں گا تو بھیجے گا اللہ بدلی کو پانی کے ساتھ تو (وہ پانی) بہالے جائے گا، (ان کی لاشوں) کو، پھر ڈال دے گا ان کو دریا میں پھر پہاڑ چکنا چور ہو جائیں گے، اور کھینچی جائے گی زمین جس طرح کھال کھینچی تانی جاتی ہے۔ تو مجھ کو راز دار بنایا ہے اسکا کہ جب یہ سب باتیں ہو جائیں گی تو قیامت لوگوں کیلئے اس حاملہ عورت کی طرح ہوگی (جس کے نو مہینے پورے ہو چکے ہوں) کہ اس کو لوگ نہیں جانتے کہ کس وقت وہ اچانک جن دے گی۔

اس حدیث کے راویوں میں سب سے پہلے جن کا نام آتا ہے، وہ محمد بن بشار ہیں۔ جن کا لقب بندار مشہور ہے، جن سے ابن ماجہ اس حدیث کو روایت کرتے ہیں۔ ان کا ذکر ابو سریحہ کی طرف جو حدیث منسوب کی گئی ہے، اس کے

راویوں کی تنقید میں آچکا ہے۔ اس لئے ان کے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ اسی قدر کافی ہے کہ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۷۱، میں ابن حجر لکھتے ہیں کہ عمرو بن علی الباہلی (جو بخاری و مسلم کے متفق علیہ شیخ ہیں) قسم کھا کر کہتے تھے کہ بندار (یہ محمد بن بشار کا لقب تھا) کاذب ہیں، ان حدیثوں میں جن کو وہ یحییٰ سے روایت کرتے ہیں۔ تو جب ایک شیخ کی حدیث میں ان کا کذب ثابت ہو چکا تو دوسرے شیوخ کی حدیثوں کے متعلق ان کا کیا اعتبار رہا؟ پھر علی بن المدینی نے بھی ان کی ایک حدیث کو جسے یہ عبدالرحمن بن مہدی سے روایت کرتے تھے، سن کر کہا کہ هذا كذب اور نہایت سختی کے ساتھ اس روایت سے انکار کیا۔ اور یحییٰ بن معین اور قواریری بھی ان کو ضعیف قرار دیتے تھے۔ اور انھیں قابل اعتنا نہیں سمجھتے تھے۔ اس کے بعد اس حدیث کے بقیہ رجال کے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی۔ مگر اتنا لکھدینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جبلہ بن سحیم اور موثر بن عفازہ یہ دونوں کوفی تھے اور انھیں دونوں سے یہ حدیث چلتی ہے۔ موثر کا سال وفات ہماری کتابوں میں مذکور نہیں۔ شیعوں کی کتاب رجال الرجال الکبیر میں ان کا نام ہے اور سال وفات ۱۲۲ھ ہے، اور جبلہ کا سال وفات تہذیب التہذیب میں ۱۲۵ھ لکھا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی وفات ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں ہے یعنی موثر کی وفات سے تقریباً نوے برس پہلے۔ معلوم نہیں کس عمر میں موثر بن عفازہ نے یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے سنی تھی۔ غالباً انھیں وجوہ کی بنا پر صحاح کے دوسرے جامعین نے اس حدیث کو اپنی کتاب میں داخل نہیں کیا۔

اور ایک بڑی لمبی چوڑی حدیث ابن ماجہ میں اور ہے۔ جس کو ابن ماجہ علی بن محمد بن اسحاق الکوفی سے جو ابوالحسن الطنافسی کے نام سے بھی پکارے جاتے تھے، روایت کرتے ہیں اور انھوں نے ابو محمد عبدالرحمن المحاربی سے، انھوں نے اسمعیل بن رافع سے، جن کی کنیت ابو رافع تھی، انھوں نے ابو زرعہ

الشیبانی سے جن کا نام یحییٰ بن ابی عمرو تھا۔ اور انھوں نے حضرت ابو امامہ الباہلیؓ سے روایت کی کہ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا ہم لوگوں کے سامنے۔ اور آپ کا اکثر خطبہ ایسا ہی ہوتا تھا۔ جس میں آپ ہم لوگوں سے دجال کے متعلق باتیں بیان فرماتے تھے، اور ہم لوگوں کو اس سے ڈراتے تھے۔ تو آپ کی باتوں میں سے ایک بات یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب سے اللہ نے زمین پر آدم کی اولاد کو پھیلایا اس وقت سے کوئی فتنہ دجال کے فتنے سے بڑا زمین پر نہ ہوگا۔ اور یہ کہ اللہ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں فرمایا، مگر اس نے اپنی امت کو دجال (کے فتنے) سے ڈرایا۔ اور میں آخری نبی ہوں، اور تم لوگ آخری امت ہو اور وہ لامحالہ تمھیں لوگوں میں نکلنے والا ہے۔ اور اگر وہ نکلے اور میں تم لوگوں کے درمیان موجود رہوں تو میں طرف دار ہوں گا ہر مسلم کا اور اگر وہ میرے بعد نکلا تو ہر شخص اپنا حمایتی خود ہے، اور اللہ میری غیبت میں ہر مسلم کے لئے میرا کام بنانے والا ہے۔ اور وہ نکلے گا شام و عراق کے درمیانی راستے سے، پھر داہنے بائیں فتنہ و فساد پھیلاتا رہے گا۔ اے اللہ کے بندو! تم ثابت قدم رہنا۔ لو میں اس کی ایسی صفتیں بیان کیئے دیتا ہوں جن کو کسی نبی نے مجھ سے پہلے نہیں بیان کیا ہے۔ وہ شروع کرے گا اس قول سے کہ میں نبی ہوں، حالانکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ پھر دہرائے گا اور کہے گا میں تم لوگوں کا رب ہوں، حالانکہ تم نہیں دیکھ سکتے اپنے رب کو جب تک مر نہ لو اور یہ کہ وہ کانا ہوگا، اور تمھارا رب کانا نہیں ہے۔ اور یہ کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان "کافر" لکھا ہوا ہوگا۔ جس کو ہر پڑھا لکھا اور ان پڑھ مومن پڑھ لے گا اور اس کے فتنوں میں سے ایک فتنہ یہ ہوگا کہ اس کے ساتھ جنت و دوزخ ہوں گے، تو اس کا دوزخ جنت ہوگا، اور اس کی جنت دوزخ ہوگی۔ تو جو شخص اس کے دوزخ میں مبتلا کیا جائے اس کو چاہیئے کہ اپنے رب سے مدد مانگے اور اوائل سورہ کہف کی آیتیں پڑھے۔ تو وہ آگ اس کے لئے برد

و سلام (ٹھنڈک و سلامتی) ہو جائے گی۔ جس طرح ابراہیمؑ کے لئے ہو گئی تھی۔ اور اس کے فتنوں میں سے ایک فتنہ یہ ہوگا کہ ایک اعرابی سے کہے گا کہ کیا تو مناسب سمجھتا ہے کہ میں تیرے ماں باپ کو زندہ اٹھا دوں جب تو تو گواہی دے گا کہ میں تیرا رب ہوں؟ تو وہ کہے گا کہ ہاں۔ تو دو شیطان اس کے باپ ماں کی شکل میں آکر کھڑے ہو جائیں گے اور کہیں گے کہ اے میرے پیارے بیٹے اس کی پیروی کر، یہ تیرا رب ہے۔ اور اس کے فتنوں میں سے ایک فتنہ یہ ہوگا کہ کسی ایک شخص کو پکڑے گا اور اس کو قتل کر دے گا، اور اس کو آرے سے چیر کر دو ٹکڑے کر دے گا۔ اور (لوگوں سے) کہے گا، دیکھو! میرے اس بندے کی طرف میں اس کو ابھی زندہ کر کے اٹھاتا ہوں۔ پھر بھی یہ اسی بدگمانی میں رہتا ہے کہ میرے سوا اس کا کوئی دوسرا رب ہے تو اللہ اس (دو ٹکڑے لاش) کو زندہ کر دے گا، تو پوچھے گا اس سے وہ خبیث، کہ تیرا رب کون ہے؟ تو وہ کہے گا کہ میرا رب اللہ ہے اور تو اللہ کا دشمن ہے، تو دجال ہے۔ اللہ کی قسم آج پہلے سے زیادہ مجھ کو تیرے متعلق بصیرت حاصل ہے۔ ابو الحسن الطنافسی (ابن ماجہ کے شیخ جن سے یہ حدیث وہ روایت کر رہے ہیں) نے کہا کہ مجھ سے بیان کیا محمد المحاربی نے (کتابت کی غلطی سے "ابو" کا لفظ چھوٹ گیا ہے، صحیح ابو محمد المحاربی ہے، جن سے یہ حدیث ابو الحسن الطنافسی روایت کر رہے ہیں۔ ان کا پورا نام عبدالرحمن بن محمد بن زیاد ہے۔ ابو محمد کنیت ہے) اور محمد المحاربی نے کہا کہ ہم سے بیان کیا عبیداللہ بن الولید الوصافی نے۔ انہوں نے عطیہ (العوفی) سے، انہوں نے ابو سعید سے کہ ابو سعید نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شخص (جس نے دجال کو کھری کھری سنائی) میری امت میں سے جنت کے سب سے بلند درجے والا ہوگا (عطیہ نے) کہا کہ ابو سعید نے کہا کہ اللہ کی قسم ہم لوگ اس شخص کے بارے میں سمجھتے تھے کہ وہ عمر بن الخطابؓ کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ پھر وہ اپنی راہ سے لگے گا۔

(ابو محمد) المحاربی نے کہا (اتنا جملہ معترضہ بیان کر کے) ہم پھر ابو رافع کی حدیث کی طرف لوٹتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اور اس کے فتنوں میں سے ایک فتنہ یہ ہوگا کہ وہ حکم دے گا بدلیوں کو کہ برسیں تو برسنے لگیں گی اور حکم دے گا زمین کو کہ اگائے تو وہ اگانے لگے گی۔ اور اس کے فتنوں میں سے ایک فتنہ یہ ہوگا کہ وہ گزرے گا ایک قبیلے کے پاس تو وہ لوگ اس کو جھٹلائینگے تو ان کے سارے مویشی مر جائینگے اور اس کے فتنوں میں سے ایک فتنہ یہ ہوگا کہ وہ گذرے گا ایک قبیلے کے پاس تو وہ لوگ اس کی تصدیق کریں گے تو وہ حکم دے گا بدلیوں کو کہ برسیں تو وہ برسنے لگیں گی، اور حکم دے گا زمین کو کہ اگائے تو وہ اگانے لگے گی، یہاں تک کہ چلیں گے ان کے مویشی اس دن سے جس قدر تھے اس سے کہیں زیادہ فربہ، تیار بڑے بڑے پاکھے والے اور دودھ سے بھرے بھرے تھن والے اور زمین کا کوئی حصہ ایسا نہ ہوگا جس کو وہ پامال نہ کرے گا۔ اور اس پر غالب نہ آئے گا سوائے مکہ اور مدینہ کے۔ ان دونوں کے دروں (پہاڑی راستوں) میں سے کسی درے سے بھی وہ گذرنا چاہے گا تو تلواریں تولے ہوئے فرشتے اس کو ملیں گے۔ یہاں تک کہ وہ اترے گا ضریب احمر کے قریب منقطع سبخہ کے نزدیک (ضریب احمر سے مراد تاریکیِ شب۔ محشی لکھتے ہیں اور بعضوں نے کہا کہ وہ ایک پہاڑی ہے جو زمین پر پھیلی ہوئی ہے سبخہ بنجر زمین ناقابل کاشت کو کہتے ہیں۔ محشی "منقطع السبخۃ" سے مراد لکھتے ہیں وہ سرزمین جو مدینے سے باہر ہے) تو زلزلے میں آجائے گا، مدینہ اپنے لوگوں سمیت تین بار۔ تو کوئی منافق مرد، یا عورت، ایسا نہ ہوگا، جو اسی کی طرف نکل نہ جائے گا۔ تو خباثت مدینے سے نکل جائے گی، جیسے لوہار کی انگیٹھی لوہے کی خباثت (زنگ) کو دور کر دیتی ہے اور یہ دن یوم الخلاص کے نام سے پکارا جائے گا، تو پوچھا ام شریک بنت ابی العکر نے، یارسول اللہ! اس دن یہ سارے عرب کہاں ہوں گے آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ اس دن تھوڑے ہوں گے۔ اور وہ سب کے سب

بیت المقدس میں ہوں گے اور ان کا امام ایک مرد صالح ہوگا۔ تو ان کا امام صبح کی نماز پڑھانے کے لئے بڑھا ہی ہوگا کہ اسی درمیان میں عیسیٰ بن مریمؑ صبح کو اچانک اتر آئیں گے۔ تو یہ امام اپنی جگہ سے پچھلے پاؤں پیچھے چلا آئے گا۔ تاکہ عیسیٰ آگے بڑھ کر نماز پڑھائیں۔ تو عیسیٰ اس کے دونوں شانوں کے درمیان اپنا ہاتھ رکھ کر کہیں گے کہ تم آگے بڑھو کیوں کہ یہ جماعت تمہارے ہی لئے کھڑی ہوئی ہے تو ان کا امام نماز پڑھائے گا۔ تو جب وہ فارغ ہوگا عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کھولو دروازہ تو کھولا جائے گا۔ اور اس کے پیچھے ستر ہزار یہودیوں کے ساتھ دجال ہوگا، اور سب تلوار اور ساز و سامان سے لیس ہوں گے، تو جب دیکھے گا ان (عیسیٰ) کی طرف دجال پگھلنے لگے گا۔ جس طرح نمک پگھلتا ہے پانی میں۔ اور ٹل جائے گا بھاگتا ہوا۔ اور کہیں گے عیسیٰ کہ میرے پاس تیرے متعلق ایک ضرب ہے، جس سے سبقت لے جاکر تو مجھ سے نہیں نکل سکتا۔ تو پکڑیں گے اس کو دروازہ لد کے پاس جو مشرق کی طرف ہے، اور قتل کریں گے اس کو۔ پھر شکست دے گا اللہ یہود کو۔ تو اللہ نے جتنی چیزیں پیدا کی ہیں ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہ ہوگی۔ جس کے پیچھے کوئی یہودی جاکے چھپے اور اس کو اللہ گویائی کی طاقت نہ دے دے کہ وہ بتادے چاہے وہ شجر ہو یا حجر، دیوار ہو یا کوئی جانور بجز درخت غرقد کے (یہ بڑا درخت متعاور مدینے کے اطراف میں ہوتا ہے۔ مقبرہ بقیع میں پہلے اس کے متعدد درخت تھے۔ اسی لئے اس مقبرے کو بقیع الغرقد کہتے تھے)۔ کیونکہ وہ انھیں کا درخت ہے۔ اس لئے وہ کچھ نہ بولے گا اس کے سوا ہر چیز پکار کر کہے گی کہ اے اللہ کے بندے مسلم! یہ یہودی ہے، آؤ اس کو قتل کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس (دجال) کے ایام چالیس برس ہوں گے۔ ایک سال نصف سال کے برابر اور ایک سال ایک مہینے کے برابر اور ایک مہینہ ایک جمعہ (یعنی ایک ہفتہ) کے برابر اور اس کے آخر ایام مثل شرر کے ہوں گے (یعنی

بقدر فرصت یک شرر) تم میں کا ایک شخص مدینے کے دروازے پر صبح کرے گا تو دوسرے دروازے تک پہنچتے پہنچتے شام ہو جائے گی۔ تو آپ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اتنے چھوٹے دنوں میں کس طرح نماز پڑھیں گے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اندازہ مقرر کر لیں گے۔ آج کل کے بڑے دنوں کے اندازے کے مانند اور (اسی اندازے کے مطابق) نماز پڑھو گے۔ (پھر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہوں گے عیسیٰ بن مریمؑ میری امت میں حاکم عادل، اور امام منصف۔ چکنا چور کریں گے صلیب کو اور ذبح کریں گے خنزیر کو، اور موقوف کریں گے جزیہ کو۔ اور چھوڑ دیں گے صدقہ کو پس نہیں سعی کریں گے (زکوٰۃ تحصیلنے والے) کسی بکری یا اونٹ پر (اس کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے) اور عداوت اور بغض اٹھا لیا جائے گا، اور زہر ہر زہریلی چیز سے کھینچ لیا جائے گا۔ یہاں تک کہ ایک بچہ سانپ کے منہ میں ہاتھ دے دے گا اور اس کو وہ کچھ ضرر نہیں پہنچائے گا۔ ایک بچی شیر کا منہ چیر کر اس کے دانت دیکھے گی۔ اور وہ اسے نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اور بھیڑیا بھیڑ کے لئے ایسا ہو گا گویا کہ وہ اس کا کتا ہے، اور بھر جائے گی زمین مسلمانوں سے جس طرح برتن پانی سے بھر جاتا ہے، تو ایک ہی کلمہ رہے گا، اور اللہ کے سوا کوئی پوجا نہیں جائے گا! اور جنگ اپنے ہتھیار رکھ دے گی اور سلب کر لیں گے قریش اپنے ملک کو، اور ہو جائے گی زمین چاندی کے طشت کی طرح، اگائے گی اپنے پودوں کو مثل زمانہ آدمؑ کے، یہاں تک کہ انگور کے ایک گچھے پر ایک جماعت مجتمع ہو گی تو وہ ایک گچھا ان سبھوں کو سیر کر دے گا۔ اور ایک جماعت ایک انار پر مجتمع ہو گی اور وہ ان سبھوں کو سیر کر دے گا، اور گائے اتنے اتنے مال پر ملے گی اور گھوڑا چند چھوٹے سکوں پر۔ لوگوں نے کہا کہ کون سی بات گھوڑے کو سستا کر دے گی؟ آپ نے فرمایا کہ گھوڑا نہیں چڑھا جائے گا لڑائی میں کبھی، پھر کہا گیا آپؐ سے کہ کون سی بات مہنگی کر دے گی گائے کو؟ آپ نے فرمایا کہ وہ جوت ڈالے گی

ساری زمین۔ اور بے شک خروج دجال سے پہلے تین برس بہت سخت گذریں گے جن میں لوگ سخت فاقہ کشی کی مصیبت اٹھائیں گے پہلے سال میں اللہ آسمان کو حکم دے گا کہ ایک تہائی بارش روک دے، اور زمین کو حکم دے گا کہ ایک تہائی نباتات کو روک دے۔ پھر حکم دے گا کہ دوسرے سال آسمان کو کہ دو تہائی بارش کو روک دے اور حکم دے گا زمین کو کہ دو تہائی نباتات کو روک دے پھر حکم دے گا تیسرے سال آسمان کو تو وہ کل بارش کو روک دے گا، اور زمین کو تو وہ کل نباتات روک دے گی۔ تو کوئی سبز گھانس زمین پر نہ اگے گی، کوئی کھروالا جانور ایسا نہ ہو گا جو ہلاک نہ ہو جائے۔ مگر جس کو اللہ چاہے تو پوچھا گیا کہ کونسی چیز انسان کو اس زمانے میں زندہ رکھے گی؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ تہلیل و تکبیر و تسبیح و تحمید۔ اور یہی چیزیں ان کے لئے غذا کی قائم مقام ہوں گی۔

ابو عبداللہ نے کہا کہ میں نے ابو الحسن الطنافسی سے سنا کہ وہ کہتے تھے کہ میں نے عبدالرحمن المحاربی کو یہ کہتے سنا کہ چاہیئے یہ حدیث معلمین کو دی جائے کہ لڑکوں کو اس کی تعلیم دیں کتاب میں۔ یہ سنن ابو عبداللہ بن ماجہ کی اس حدیث کا ترجمہ ہوا، جس کو ابو امامہ باہلی کی طرف منسوب کر کے ابو رافع اسماعیل بن رافع قاضی مدنی نے عبدالرحمن المحاربی سے بیان کیا اور انہوں نے علی بن محمد ابو الحسن الطنافسی سے بیان کیا اور انہوں نے ابن ماجہ صاحب السنن سے بیان کیا۔ یہ حدیث بھی عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث کی طرح صحاح کی کسی اور کتاب میں نہیں ہے۔ صرف اسی ابن ماجہ میں ہے۔ اس حدیث کے اصل راوی۔ اسماعیل بن رافع ابو رافع القاضی المدنی ہیں، جن کو عمرو بن علی الباہلی جو بخاری و مسلم کے متفق علیہ شیخ ہیں۔ منکر الحدیث کہتے ہیں۔ اسی طرح ابو حاتم نے بھی انکو منکر الحدیث کہا ہے۔ ابن معین ان کو لیس بشئ کہتے ہیں یعنی یہ کچھ بھی نہیں ہیں۔ ترمذی لکھتے ہیں کہ بعض اہل علم نے ان کو

ضعیف قرار دیا ہے۔ نسائی نے ان کو ایک بار ضعیف کہا۔ دوسری بار لیس بشیٔ کہا۔ تیسری بار متروک الحدیث کہا اور چوتھی بار لیس بثقہ کہا۔ ابن خراش اور دار قطنی نے بھی ان کو متروک کہا، ابن عدی نے کہا کہ ان کی ہر حدیث محل تامل ہے۔ بہر حال ضعفا کے زمرے میں ان کی حدیث لکھ لی جائے۔ ابن سعد نے کہا کہ کثیر الحدیث ہیں، ضعیف ہیں عجلی نے ضعیف الحدیث کہا۔ حاکم نے کہا کہ محدثین کے نزدیک یہ قوی نہیں ہیں۔ علی بن الجنید نے کہا کہ متروک ہیں۔ یعقوب بن سفیان نے ان کا ذکر ان لوگوں میں کیا ہے، جن لوگوں سے روایت کرنے سے اعراض کرنا چاہیئے۔ بزاز نے کہا کہ نہ یہ ثقہ نہ حجت۔ ابو حاتم، عقیلی، ابو العرب، محمد بن احمد المقدمی محمد بن عبداللہ بن عمار، ابن الجارود، ابن عبد البر ابن حزم اور خطیب وغیرہم نے بھی ان کو ضعیف الحدیث قرار دیا ہے۔ ابن حبان نے کہا کہ آدمی تھے تو صالح مگر حدیثوں کو اس طرح الٹ پلٹ کر دیا کرتے تھے کہ ان کی حدیثوں میں غلبہ منکرات ہی کا رہتا ہے۔ اس حد تک کہ دل یہ کہتا ہے کہ یہ قصداً ایسا کرتے تھے۔ اور آجری نے بھی ان کو لیس بشیٔ کہا ہے، یعنی یہ کچھ بھی نہیں ہیں۔ انھوں نے زہری سے کچھ حدیثیں سنی تھیں، مگر ان کی کتاب ضائع ہوگئی تو جب کوئی کتاب دیکھی تو کہدیا کرتے تھے کہ ہم نے اس کو سنا ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۱: ص ۲۹۵: ۲۹۶) ان چوبیس ائمہ رجال کی ایسی کھلی کھلی دہری تہری جرحوں کے بعد ان کی کیا حیثیت باقی رہتی ہے اور ان کی روایت کردہ جو صرف انہیں کی روایت کردہ حدیث ہو اس حدیث کی کیا حیثیت رہتی ہے۔ اہل انصاف خود ٹھنڈے دل سے سوچ کر بیان فرمائیں۔ ؎ ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

مضامین حدیث، نگاہ بازگشت

مضامین حدیث پر بھی ایک نگاہ ڈال لیجئے۔ حدیث کا ہے کو ہے داستان

امیر حمزہ ہے۔ مدینے میں تین بار زلزلہ آئے گا، اور سارے منافقین مرد و عورت سب کے سب مدینے سے نکل جائیں گے۔ اور مدینہ خباثتوں سے پاک ہو جائے گا۔ یعنی صرف سچے مومنین ہی وہاں رہ جائیں گے۔ مگر ام شریک بنت ابی العکر کے پوچھنے پر فرمایا جاتا ہے کہ سارے اہل عرب (سچے مومنین) بیت المقدس (شام) میں ہوں گے۔ شاید اس وقت مدینے پر صرف عجمی مومنین کا قبضہ ہوگا۔ اور سارے اہل عرب مومنین کو وہ اہل عجم مومنین مدینے سے نکال دیں گے۔ کیا یہ ممکن ہے؟ کیا اس کا تصور بھی کیا جاسکتا ہے؟ کیا سچے مومنین کی یہی شان ہے؟ ورنہ یہ کہنا تھا کہ مدینہ میں زلزلے آئیں گے تو سارے اہل مدینہ مومنین والمنافقین مرد و عورت سب کے سب مدینہ چھوڑ کر باہر نکل جائیں گے۔ منافقین تو دجال کے ساتھ ہو جائیں گے اور مومنین صادقین شام میں پہنچ کر بیت المقدس کے پاس پناہ گزیں ہو جائیں گے۔ مگر یہ تو کہا نہیں گیا۔ کہا گیا مدینے سے صرف منافقین کے نکل جانے کے متعلق، تو پھر مومنین مدینے میں ہوں گے یا بیت المقدس کے پاس شام میں۔!

آغاز حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر خطبہ ایسا ہوتا تھا جس میں دجال کا ذکر ہوتا تھا۔ خطبات نبویہ کے مطبوعہ نسخے چھپے ہوئے ملتے ہیں، جس کا جی چاہے دیکھ لے اور اس قول کے صدق و کذب کا امتحان کرلے۔

ہر نبی نے اپنی امت کو دجال سے ڈرایا اور پھر خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بقول راویان حدیث اپنی امت کو ڈرایا اور بہت ڈرایا اور بار بار ڈرایا۔ جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے۔ مگر کسی نبی نے اپنے جی سے تو ڈرایا نہ ہوگا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی وحی کے مطابق ہی ڈرایا تھا، اور ہر نبی کو بذریعہ وحی کتاب اللہ ہی ملی تھی، لیکن کسی کتاب میں بھی دجال کا ذکر نہیں۔ اگلی کتابوں کے صحیح نسخے ملتے کہاں ہیں۔ اگر اگلی کتابوں میں سے کسی کتاب میں کسی بات کا

ذکر ہو تو گمان ہو سکتا ہے کہ یہ مضمون اس کتاب میں داخل کر دیا گیا، اگر کوئی مضمون نہ ملے تو کہا جا سکتا ہے کہ اصل کتاب میں یہ مضمون ضرور تھا، بعد کو لوگوں نے نکال دیا۔ مگر قرآن مجید تو ہر طرح کی کمی بیشی سے محفوظ موجود ہے۔

آخر اس میں دجال کے آنے کا کیوں ذکر نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو حکم تھا کہ۔

وذکر بالقرآن من یخاف وعید (آخر سورہ قاف)

اس قرآن کے ذریعے ان لوگوں کو نصیحت کرو جو میری وعید سے ڈرتے ہیں۔

اور اواخر سورہ مریم میں فرمایا گیا۔

فانما یسرنہ بلسانک لتبشر بہ المتقین و تنذر بہ قوما لدا

میں نے اس (کتاب قرآن) کو تمھاری زبان میں آسان بنا دیا ہے تاکہ تم اس کے ذریعے متقین کو خوشخبری سناؤ اور اس کے ذریعے جھگڑالو قوم کو ڈراتے رہو۔

غرض تذکیر، تبشیر، اور تنذیر یہی تین کام نبی و رسول کے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تین کاموں میں قرآن کا پابند فرمایا گیا ہے کہ جو کچھ کرو اسی قرآن سے کرو جو بات قرآن میں اشارۃً کنایۃً کسی طرح بھی مذکور نہیں اس کا ذکر آپ اپنے جی سے کس طرح فرما سکتے تھے۔ یقیناً یہ ساری حدیثیں لوگوں کی من گھڑت ہیں، جن کے بہتان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر باندھے گئے۔ معاذ اللہ من تلک الھفوات۔

آگے چل کے اس حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ مسلمانوں ہی کا ایک مرد صالح امام ہوگا۔ اور آخر وہی امامت کرے گا۔ اور وہی نماز پڑھائے گا۔ اس کا مطلق ذکر نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اس جماعت میں شریک ہو کر اس امام کے مقتدی بنیں گے یا نہیں۔ یا وہ جماعت سے الگ اپنی نماز تنہا ادا کریں گے؟ اور پھر جس حدیث میں حضرت عیسیٰ ہی کی امامت کا ذکر ہے اس

سے تعارض الگ ہے۔

اس حدیث میں ہے کہ دجال کا زمانہ چالیس برس تک رہے گا۔ جس میں سے پہلا سال نصف سال کے برابر یعنی چھ مہینوں کا ہوگا۔ اور باقی سارے ایام بقدر فرصت یک شرر، وہ ایک ہی لمحے کے برابر ہونگے

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کی طرف منسوب کردہ جو حدیث مسلم میں ہے جو پہلے بیان ہو چکی، اس میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میری امت میں دجال آئے گا، تو چالیس تک ٹھہرے گا۔ میں نہیں جانتا کہ چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس برس۔"

اور نواس بن سمعان ایک خود ساختہ صحابی کی طرف جو حدیث منسوب کی گئی ہے جو صحیح مسلم، ترمذی، ابو داؤد اور سنن ابن ماجہ یعنی صحاح کی چار چار کتابوں میں ہے، جس کی تنقید اوپر گذر چکی۔ اس میں ہے کہ نواس بن سمعان کہتے ہیں کہ "ہم لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ (دجال) کب تک زمین پر رہے گا؟ تو آپ نے فرمایا کہ چالیس دن۔ ایک دن ایک سال کے برابر ایک دن مہینے کے برابر، ایک دن ایک جمعہ (ہفتہ) کے برابر ہوگا اور اس کے باقی دن تم لوگوں کے دنوں کے برابر ہوں گے۔ اس حساب سے روئے زمین پر دجال کی اقامت ۴۳۴ دن یعنی چودہ مہینے اور چودہ دنوں تک تقریباً رہے گی۔

مگر اس حدیث میں اس کا الٹا ہے یعنی نواس بن سمعان دجال کی مدت اقامت صرف چالیس دن بتاتے ہیں جن میں سے صرف تین دن غیر معمولی لمبے ہوں گے، پہلا دن ایک سال کا، دوسرا ایک ماہ کا، اور تیسرا صرف ایک ہفتہ کا اور باقی سب دن دستور زمانہ کے مطابق رہیں گے، اور ابو رافع قاضی مدینہ حضرت ابو امامہ باہلیؓ کے شانہ مبارک پر روایت کی بندوق رکھ کر بزعم خود جو حدیث کی فیر کرتے ہیں اس میں دجال کی مدت اقامت چالیس برس بتائی ہے، وہاں دن لمبے کئے گئے ہیں تو یہاں برس چھوٹے کئے گئے ہیں۔ چالیس برس میں

پہلا سال چھ ماہ کا ہوگا اور دوسرا ایک ماہ کے برابر اور تیسرا ایک ہفتہ کے برابر وہاں چالیس دنوں میں سے تین دن تو کم و بیش لمبے لمبے ہوں گے۔ باقی سب دن عام دنوں کے برابر ہوں گے اور یہاں چالیس برسوں میں سے تین برس تو کم و بیش چھوٹے چھوٹے ہونگے اور باقی برسوں کے دن چنگاری کی طرح اڑتے ہوئے نظر آئیں گے۔ اس قدر مختصر ہو جائیں گے۔ ان کے حساب سے دجال کی مدت اقامت کہنے کو تو چالیس برس تک ہوگی، مگر وہ عام مروجہ حساب کے مطابق صرف ساڑھے ستائیس مہینے سولہ دن تیس منٹ ہوگی۔ اگر پہلے سال کو چھ مہینے کے برابر اور دوسرے سال کو ایک ماہ کے برابر اور تیسرے سال کو ایک ہفتہ کے برابر قرار دے کر باقی ۳۷ برس گیارہ مہینے کے دنوں کو بقدر فرصت یک شرر قرار دینے کے لئے صرف ایک منٹ کا ایک دن تسلیم کر لیجئے۔ اب کوئی روایت پرستوں سے پوچھے کہ ان میں سے کون سا بیان صحیح ہے؟ اور کس کے بیان کے مطابق دجال کی مدت اقامت پر روایت پرستانہ ایمان لایا جائے۔ بینوا توجروا۔

کہا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ تشریف لائیں گے تو زمین چاندی کے طشت کی طرح ہو جائے گی، اور اپنے پودے اگانے لگے گی۔ حضرت آدمؑ کے زمانے کی طرح غالباً اس سے مراد یہ ہے کہ صبح کو لوگ بوئیں گے اور شام سے پہلے ہی کاٹ لیں گے، اور رات کو پکا کر کھائیں گے۔ مگر پھر زمین چاندی کے طشت کی طرح تو نہ ہوگی، سبزوں کے رنگ کی مناسبت سے فیروزے کا طشت، پکھراج کا طشت یا یشب کا طشت کہنا تھا۔

غرض ہر حدیث کا دجال اور ہر حدیث کے عیسیٰ بن مریمؑ ایک دوسرے سے مختلف معلوم ہوتے ہیں، البتہ چونکہ ہر حدیث کا دجال آخر دجال ہی ہے اور ہر حدیث کے عیسیٰ آخر عیسیٰ ہی ہیں، اس لئے بہت سی باتوں میں سب

دجالوں کے درمیان اور سب عیساؤں کے درمیان کہیں باہمی اتحاد کہیں باہمی مشابہت اور کہیں ادنیٰ ملابست ضرور معلوم ہوتی ہے۔ غرض ولو کان من عند غیر اللہ لوجد وا فیہ اختلا فا کثیرا (اگر یہ قرآن اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت اختلافات لوگ پاتے)۔ یہ آیت اس کی شاہد عادل ہے کہ یہ باتیں عیسیٰ بن مریمؑ اور خروج دجال کے متعلق یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی شدہ نہیں ہیں، اسی لئے ان میں اس قدر اختلاف اور خلاف درایت باتیں ہیں اور جب اللہ کی طرف سے وحی شدہ نہیں ہیں تو یقیناً یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بھی نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ آپ اپنے جی سے بغیر وحی الہیٰ کے کوئی پیشین گوئی نہیں فرما سکتے تھے۔ آپ تبلیغ و تبشیر و تذکیر و تحذیر تمام دینی خدمات مفوضہ میں قرآن مجید کے پابند تھے۔ قرآن مبین سے باہر دین کی کوئی بات آپ نے کبھی بیان نہیں فرمائی۔ اور نہ آپ اس کے مجاز تھے۔

اس حدیث کے درمیان میں ایک قول بطور جملہ معترضہ کے منقول ہے جو بروایت عطیہ العوفی ابو سعید سے مروی ہے۔ سلسلہ روایت تقریباً وہی ہے جو اس حدیث کا ہے، ابن ماجہ کے شیخ اس میں بھی وہی ابو الحسن الطنافسی ہیں، جن کا نام علی بن محمد ہے اور ان کے شیخ بھی وہی ہیں ابو محمد عبدالرحمن المحاربی۔ ان کے بعد ابو رافع اسماعیل بن رافع کے عوض عبیداللہ بن الولید الوصافی کا نام آتا ہے جو ابو رافع کے بدل الکل ہیں۔ ابو رافع کو جو ۲۴ ماہرین رجال ائمہ حدیث سے سند ملی تھی، اس کو تو آپ دیکھ چکے، اب ان وصافی صاحب کو ائمہ رجال سے جو سندیں ملی ہیں انکو بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔ حافظ ابن حجر تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۵۵ میں عبداللہ بن الولید الوصافی ابو اسماعیل الکوفی کا ترجمہ لکھتے ہیں، اس میں تحریر فرماتے ہیں کہ " ابو

طالب نے امام احمد بن حنبل سے روایت کی کہ انھوں نے ان کے متعلق فرمایا کہ یہ مضبوط حدیث والے نہیں ہیں۔ ان کی حدیث محض شناخت کے لئے لکھ لی جائے ابن معین، ابو زرعہ اور ابو حاتم نے کہا کہ یہ ضعیف الحدیث ہیں اور ابن معین نے ان کے متعلق ایک بار کہا کہ لیس بشئی یہ کچھ بھی نہیں ہیں۔ اور عمرا ابن علی اور نسائی نے کہا کہ یہ متروک الحدیث ہیں اور نسائی نے ایک بار کہا کہ لیس بثقہ یہ ثقہ نہیں ہیں ان کی حدیث نہ لکھی جائے۔ عقیلی نے کہا کہ ان کی حدیث میں ایسی منکر باتیں ہیں جن کی متابعت نہیں ملتی۔ (یعنی ان کے سوا کوئی دوسرا اس قسم کی حدیثیں روایت نہیں کرتا) حرب بن اسماعیل نے امام احمد سے پوچھا کہ ان کی حدیثیں کیسی ہیں، تو انھوں نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ وہ کیسی ہیں، ابن عدی نے ان کی کچھ حدیثیں جنھیں انھوں نے محارب بن وثار السدوسی سے روایت کی تھیں لکھ کر لکھا ہے کہ یہ وصافی کی حدیثیں ہیں جن کو وصافی کے سوا کوئی بھی روایت نہیں کرتا اور دوسری جگہ لکھا ہے کہ یہ یقینی ضعیف ہیں ان کی حدیثوں ہی سے ضعف ظاہر ہو رہا ہے۔ حاکم نے کہا کہ یہ محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہیں، انھوں نے محارب سے موضوع حدیثیں روایت کی ہیں۔ ساجی نے کہا کہ ان کے پاس منکر حدیثیں بہت ہیں۔ یہ یقیناً ضعیف الحدیث ہیں، ان سے ابو نعیم روایت تو کرتے ہیں مگر باوجود اس کے فرماتے ہیں کہ یہ محرب سے منکر حدیثیں روایت کرتے ہیں۔ یہ کچھ بھی نہیں ہیں اور ابن حبان صاف کھل کر لکھتے ہیں کہ یہ ثقہ لوگوں سے ایسی حدیثیں روایت کرتے ہیں جو معتبر لوگوں کی حدیثوں سے ملتی جلتی نہیں۔ یہاں تک کہ دل پر یہ بات گذرتی ہے کہ یہ قصداً ایسا کرتے ہیں اس لئے اس کے مستحق ہیں کہ ان کی حدیثیں ترک کردی جائیں۔

اب آپ وصافی صاحب کو ابو رافع قاضی سے ملا کر دیکھیں یہ کس بات میں قاضی صاحب سے کم ہیں؟ اس لئے جس سلسلہ اسناد میں قاضی صاحب ممدوح نہ ہوں تو ان کی جانشینی کیلئے ان سے بہتر کونسا آدمی مل سکتا ہے؟ اور سب سے بڑی سند ان کے پاس یہی ہے جو قاضی صاحب کو حاصل نہ تھی کہ یہ عطیہ بن جنادۃ العوفی کے شاگرد ہیں۔ ہم تنقید رجال کی بحث میں لکھ چکے ہیں کہ عطیہ کلبی کذاب کوفی کی من گھڑت حدیثوں کو حدثنا ابو سعید کہہ کر روایت کیا کرتا ہے تاکہ لوگ سمجھیں کہ یہ حدیث حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ مشہور صحابی سے روایت کر رہا ہے، حالانکہ وہ روایت ہوتی ہے کلبی خبیث سے۔ کلبی کی کنیت خود اپنی طرف سے "ابو سعید" اس نے رکھدی تھی۔ حالانکہ یہ کلبی کی کنیت نہ تھی تو یہ حضرت ابو امامہ الباہلی کی حدیث کے درمیان میں عطیہ کے ذریعے کلبی کوفی کا قول پیش کرکے ابو الحسن الطنافسی صاحب نے اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ اس حدیث کو عطیہ العوفی بھی کلبی کوفی سے حدثنا ابو سعید کہہ کر روایت کیا کرتا تھا۔ گویا اس طرح متابعت بھی اس حدیث کی ضمناً پیش کر دی گئی۔ لیکن چور کا گواہ گرہ کٹ اگر ہو تو اس کی گواہی سے چور کا دعویٰ کبھی ثابت نہیں ہو سکتا۔ یہاں در حقیقت ابو رافع کی تائید ان کے جانشین عبیداللہ بن الولید الوصافی نے کی ہے۔ اور دونوں جیسے اسناد یافتہ راوی ہیں آپ کو معلوم ہو چکا۔

سر چڑھ کر بولنے والا جادو: آخر حدیث میں سلسلہ اسناد کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے کہ "ابو عبداللہ نے کہا کہ میں نے ابو الحسن الطنافسی سے سنا کہ وہ کہتے تھے کہ میں نے عبدالرحمن المحاربی کو کہتے سنا کہ چاہیئے کہ یہ حدیث معلمین کو دی جائے کہ لڑکوں کو اس کی تعلیم دیں کتاب میں" حدیث کے سلسلہ اسناد میں ابن ماجہ فرماتے ہیں کہ حدثنا علی بن محمد یعنی ابو الحسن

الطنافسی تو خود ابن ماجہ کے شیخ ہیں - یہاں یہ بات بلاواسطہ ابو الحسن الطنافسی سے ان کو نہیں پہنچی، بلکہ کسی ابو عبداللہ کے واسطے سے پہنچی، تو وہ ابو عبداللہ کون ہیں، اس کا پتا لگانا ضروری ہوگیا۔

جہاں تک کتب رجال کی چھان بین کیجئے آپ کو ایسا کوئی شخص نہیں ملے گا جس کی کنیت ابو عبداللہ ہو، اور وہ ابو الحسن الطنافسی سے روایت کرتا ہو اور اس سے ابن ماجہ روایت کرتے ہوں۔ تو پھر یہ صاحب کون ہیں جن کی کنیت ابو عبداللہ ہے - جن سے ابن ماجہ روایت کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ ابو عبداللہ خود حضرت ابن ماجہ ہی ہیں۔ ان کا پورا نام محمد بن یزید بن عبداللہ بن ماجہ القزوینی ہے - ابو عبداللہ ان کی کنیت ہے - ربیعہ بن عبداللہ کے غلام آزاد کردہ تھے - ۲۰۷ یا ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۷۳ یا ۲۷۵ھ میں وفات پائی، تو یہاں ابن ماجہ خود اپنی ذات سے روایت کر رہے ہیں۔

آپ کو تعجب ہوگا کہ کوئی محدث خود اپنی ذات سے کس طرح روایت کرے گا؟ بات یہ ہے کہ محدثین کی کتابوں میں ان کے تلامذہ کے مسودات بھی بعد کو داخل کر دیئے گئے - بعض جگہ تو اس محدث کا نام حذف کیا جاسکا اور بعض جگہ رہ گیا۔ چنانچہ آپ سنن ابن ماجہ میں متعدد حدیثوں کی ابتداء حدثنا ابو عبداللہ سے دیکھیں گے - ابتدائے کتاب ہی میں دوسری ہی حدیث حدثنا ابو عبداللہ سے شروع ہوئی ہے - پھر ساتویں حدیث پھر آٹھویں حدیث بھی - اور یہ صرف ابن ماجہ ہی کی کتاب میں نہیں ہے آپ کو صحیح بخاری میں بھی اس کی مثال ملے گی۔ چنانچہ کتاب العیدین کے گیارہویں باب کی دوسری حدیث ملاحظہ فرمایئے - ص ۱۳۲ مطبوعہ مطبع احمدی میرٹھ - لکھتے ہیں "حدثنا محمد" اور بعض نسخوں میں صاف ہے "حدثنا محمد البخاری" چنانچہ حاشیہ پر یہ نسخہ بھی چھپا ہوا موجود ہے۔ محشی صاحب

اور شارحین میں اکثروں نے تو یہ کہدیا کہ ہاں اس نسخے میں ایسا ہے، مگر دوسرے نسخوں میں "محمد" کا لفظ نہیں ہے - امام بخاری کے شیخ عمر بن حفص ہی کے نام سے دوسرے نسخوں میں یہ حدیث شروع ہوئی ہے اور کرمانی نے کہدیا کہ یہاں محمد سے مراد محمد بن یحییٰ الذہلی ہیں۔ مگر جس نسخے میں "حدثنا محمد البخاری" صاف ہے اس کو محمد بن یحییٰ الذہلی کس طرح قرار دیں گے؟ پھر اسی جلد اول کے ص ۵۴ کتاب الصلوہ کے اٹھارہویں باب کے آغاز میں فرماتے ہیں "قال ابو عبداللہ" جس طرح وہاں صرف محمد یا محمد البخاری سے خود امام بخاری کی ذات ہی مراد ہے، اسی طرح یہاں اس ابو عبداللہ کنیت سے بھی خود امام بخاری ہی کی ذات مراد ہے، جس کا اعتراف شارحین کو بھی کرنا پڑا - اگرچہ تاویلات کی کوشش کی ہے۔ مگر رائیگاں - خیر، ان سب کو جانے دیجئے - دوسری جلد کے آخر ص ۵۹۶ کو دیکھئے باب حدیث الافک کی تیسری حدیث۔ فرماتے ہیں "حدثنا ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرہ الجعفی رحمہ اللہ علیہ"؎ اس کا جواب محشی اور شارحین کے پاس اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ دوسرے نسخوں میں اتنی عبارت نہیں ہے، اس کا جواب الجواب یہ ہے کہ دوسرے نسخوں میں سے یاران طریقت نے اس عبارت کو اڑا پھینکا اسی لئے دوسرے نسخوں میں اب نہیں ہے، مگر تھا۔ مگر یہاں حاشیہ پر کوئی دوسرا نسخہ بتایا نہیں ہے۔ یہاں تو کنیت، نام، کئی پشت تک کی ولدیتیں، پھر نسبت اور آخر میں "رحمہ اللہ علیہ" بھی موجود ہے۔ اس کے بعد تو یہ شک نہیں ہوسکتا کہ شاید یہ کوئی

؎ "رحمہ اللہ علیہ" عجمیوں کی زبان ہے۔ اہل عرب رحمہ، اللہ کہتے ہیں۔ رحمہ، صحیح اور فصیح ہے رحم علیہ عجمی ایجاد ہے، رحمۃ اللہ و برکاتہ، علیکم اہل البیت میں برکات کی وجہ سے علیٰ آیا ہے نہ کہ رحمۃ کی وجہ سے صرف رحمۃ بصلۃ علیٰ عرب عرباء کی زبان نہیں۔ (تمنا عمادی)

اور صاحب ہوں، اور اس طرح کی مثالیں اور کتابوں میں بھی ملیں گی ، تلاش اور جستجو کی ضرورت ہے ۔ اور یوں تو بخاری و ابن ماجہ کے سوا صحاح کی باقی چاروں کتابیں مسلم ترمذی ، ابو داؤد اور نسائی ہر ایک کی ابتداء قال الفلاں کہہ کر اس طرح ہوتی ہے ۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا جامع کوئی اور ہے، اصل محدث جن کی طرف یہ کتاب منسوب ہے وہ جامع نہیں ہیں۔ بلکہ ان سے ان حدیثوں کی یا اس مجموعہ احادیث کی جو روایت کر رہا ہے وہ اس مجموعہ کا جامع ہے ۔ یا وہی تنہا اس کا راوی ہے اور وہی اس کتاب کا ذمہ دار ہے کہ اس کی نسبت اصل شیخ الحدیث کی طرف صحیح ہے یا غلط ۔ مگر اس قال کہنے والے کا نام و نشان مذکور نہیں بعد والوں کے سلسلہ اسناد سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ اس قال کے قائل فلاں ہوں گے ۔ مگر یہ احتمال استدلال کے لئے کافی نہیں۔

مختصر یہ ہے کہ متن کتاب میں محدث کا خود اپنی ہی ذات سے روایت کرنا اس کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ یہ روایت اس محدث کی نہیں بلکہ اس کے کسی شاگرد کی ہے ۔ اور جب تک اس کا پورا تعارف نہ ہو، اس حدیث کی صحت مشتبہ رہتی ہے ۔ اور جہاں پورا مجموعہ کسی غیر متیقن شخص کے ذریعے پہنچتا ہو، وہاں کا کیا پوچھنا ہے ۔ اس لئے پھر میں یہ کہوں گا کہ ۔

کرتا ہے ہر خبر پہ تمنا یقین کیوں
ناداں ! نوید دوست فریب عدو نہ ہو

قاضی، اور مدینہ طیبہ: میرے ایک محترم بھائی جو بہت ذی علم ہیں ، اس مسودے کی تحریر کے وقت حسن اتفاق سے تشریف لے آئے کچھ رسمی باتوں کے بعد میں ان کے لئے چائے میں ناشتے کے سامان میں لگا اور وہ میرا مسودہ اٹھا کر دیکھنے لگے ۔ ابو رافع المدنی القاضی کا حال دیکھ کر انھیں

بہت تعجب ہوا ۔ چائے پینے کے وقت فرمانے لگے کہ ابو رافع ایک تو قاضی تھے ، یہی ان کے ثقہ ہونے کی ضمانت ہے ۔ پھر وہ مدنی ہیں ۔ میں اہل مدینہ سے کسی طرح کا سوء ظن رکھنا گناہ سمجھتا ہوں، چہ جائے کہ ان کو کاذب و متروک الحدیث وغیرہ سمجھوں ۔ آپ تو ان کے متعلق عجیب عجیب باتیں لکھ گئے ہیں۔ جس کے دیکھنے سے میرا ایمان لرز اٹھا۔

میں نے مدینہ طیبہ کے ساتھ ان کا یہ شغف دیکھ کر کہا کہ حبک الشئی یعمی ویصم کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا بہرا بنا دیتی ہے۔ یہ مثل مشہور ضرور ہے، مگر دین میں ایسے شغف کو حرام قرار دیا گیا ہے قل یا اهل الکتاب لاتغلوافی دینکم کہدو اے رسول کہ اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو نہ کرو (مائدہ نمبر ۱۰) دین میں غلو کرنے سے اہل کتاب کو منع کیا جائے ۔ اور مسلمانوں کو اس کے لئے اجازت دی جائے ، کیا یہ ممکن ہے ؟ میں نے ابو رافع مدنی کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس میں ایک حرف بھی اپنی طرف سے نہیں لکھا ہے ۔ ۲۴ بڑے بڑے ائمہ رجال و حدیث کے اقوال نقل کر دیئے ہیں ۔ آپ کو جو کچھ کہنا ہے ان ۲۴ بڑے بڑے ائمہ رجال و حدیث کو کہیے، اور پھر امام ذہبی اور ابن حجر کو کہیے۔ جنھوں نے ان اقوال کو جمع کر دیا۔ میں نے تو صرف ابن حجر کی کتاب کا ترجمہ کر دیا ہے، حوالہ جلد و صفحہ و نام کے ساتھ ۔

آپ انھیں ایک مدنی کا حال پڑھ کر خفا ہیں ۔ تہذیب التہذیب ج ۹: ص ۳۶۷ ترجمہ واقدی میں ابن حجر لکھتے ہیں۔ حکی ابوالعرب عن الشافعی قال کان بالمدینہ سبع رجال یضعون الاسانید احدهم الواقدی: یعنی ابو العرب امام شافعی سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ مدینے میں سات آدمی

تھے جو حدیثوں کی سندیں گھڑا کرتے تھے ۔ ان میں ایک واقدی تھے ۔ اور اس سے پہلے ص ۳۶۶ میں ہے کہ امام نسائی نے اپنی کتاب الضعفاء میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ لگانے والے مشہور کذاب چار تھے ۔ مدینہ میں واقدی ، خراسان میں مقاتل، شام میں محمد بن سعید المصلوب ۔ (جس کو سولی دی گئی) مگر چوتھے کا ذکر یہاں نہیں کیا۔ لیکن ج ۱۰: ص ۲۸۴ ترجمہ مقاتل میں اس چوتھے کا نام لکھدیا ہے ۔ ابراہم بن ابی یحییٰ جو مکی تھے ۔ مگر ج ۹ ص ۲۸۵ ترجمہ محمد بن سعید المصلوب میں لکھا ہے کہ محمد بن سعید المصلوب شام میں مقاتل خراسان میں ، واقدی بغداد میں اور ابراہیم بن ابی یحییٰ مدینہ میں ۔ لیکن ابراہیم بن ابی یحییٰ جن کو ابن ابی حیۃ بھی کہتے ہیں ۔ ان کے ترجمے میں ان کو لسان المیزان ج ۱: ص ۱۲۴ اور اس سے پہلے ص ۵۲ میں ان کو مکی لکھا ہے، اور ان کی اقامت مدینہ کا کوئی ذکر کہیں نہیں ملتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ سبقت قلم سے مکہ کی جگہ مدینہ لکھ گئے ۔ باقی رہا واقدی کو ایک جگہ مدینے کی طرف منسوب کیا ہے، دوسری جگہ بغداد کی طرف ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ۱۸۰ھ میں مدینے سے بغداد چلے گئے تھے ۔ ان کی ولادت ۱۳۰ھ کی ہے ۔ خلیفہ مامون نے ان کو بغداد کا قاضی بنادیا تھا ۔ اور مرتے دم تک یہ بغداد کے قاضی رہے ۔ دیکھئے واقدی جیسے مشہور کذاب ، پھر مدنی اور پھر قاضی اور دارالخلافہ کے قاضی ۔ تہذیب التہذیب میں جلد ۹ ص ۳۶۳ سے ص ۳۶۹ تک ان کی مدح و قدح سب پڑھ لیجئے اور بغداد بھی توکذابوں کا ایک مرکز تھا ۔ چنانچہ ابن حجر تہذیب التہذیب ج ۱: ص ۲۵۶ میں لکھتے ہیں کہ کان ببغداد قوم یضعون الحدیث منهم اسحاق بن نجیع الملطی (ملطیہ روم کا ایک شہر تھا) یعنی بغداد میں ایک قوم ہی ایسی تھی جو حدیثیں

گھڑا کرتی تھی ۔ انھیں میں سے ایک اسحاق بن نجیح الملطی تھے ۔

غرض ان وضاعین و کذابین نے مکہ مدینہ کسی مقدس سے مقدس شہر کو بھی نہیں چھوڑا ۔ مکہ مدینہ کا احترام اپنی جگہ پر ہے ۔ ان وضاعین و کذابین کے وجود سے مکہ و مدینہ کے احترام میں کوئی فرق نہیں آتا۔

باقی رہا قاضی ہونا تو کسی کے معتبر و مستند ہونے کی ضمانت نہیں ۔ ابھی آپ نے واقدی جیسے مشہور و کذاب کے متعلق سنا کہ وہ مدنی بھی تھے اور قاضی بھی تھے اور تادم مرگ قاضی رہے، مگر کذاب اور مشہور و معروف کذاب بھی تھے ۔

اصل یہ ہے کہ کتنے اہل تقویٰ نے منصب قضا قبول نہ کیا، جن میں سے کتنوں کے نام مشہور و معروف ہیں اور کتنوں کا ذکر متعلقہ کتابوں میں آج تک موجود ہے تو جب مستحقین نے اس منصب سے انکار کیا تو لامحالہ غیر مستحقین نے ان کی جگہ لے لی۔ اگر آپ دیکھیں گے تو قاضیوں کی جماعت میں دوسری ہی صدی سے غیر مستحقین کی تعداد کافی نظر آئے گی ۔ مثال کے طور پر میں اپنی کتاب "الرواۃ من القضاء" کے مسودے سے دوسری ہی صدی کے قضاۃ میں سے کچھ نام اور ان پر ائمہ رجال کی جرحوں کا خلاصہ بخیال اختصار یہاں پیش کئے دیتا ہوں تاکہ معلوم ہوجائے کہ کیسے کیسے لوگ اس منصب اہم پر فائز تھے ۔ خصوصاً جب کہ ان میں تابعین یا اتباع تابعین ہی تھے ۔

ع: قیاس کن زگلستان من بہار مرا

دوسری صدی ہجری کے قضاۃ: (۱) ابراہیم بن بیطار قاضی خوارزم ضعیف منکر الحدیث راوی المکذوبات مات قبل ۲۰۰ھ

(۲) ابراہیم بن عثمان ابو شیبہ الکوفی قاضی واسط ۔ کذبہ شعبہ ۔ ضعیف ،

لیس بثقہ، متروک الحدیث مات ۱۶۹ھ -

(۳) اسد بن عمرو بن عامر ابو المنذر قاضی واسط - لیس بثقہ - لیس بشئی - کذوب لایحل الاخذ عنہ مات ۱۹۰ھ -

(۴) حارث بن عبیدہ قاضی حمص - ضعیف، لیس بقوی مات ۱۸۶ھ -

(۵) حفص بن عمر قاضی حلب - ضعیف - منکر الحدیث، یروی عن الثقات الموضوعات لایحل الاحتجاج بہ مات ۱۴۸ھ -

(۶) حکم بن عبداللہ قاضی بلخ کان مرحبا کذابا یضع الحدیث مات ۱۹۹ھ -

(۷) شہر بن حوشب قاضی شام تابعی تھے - متعدد صحابہ اور بعض امہات المومنین رضی اللہ عنہم اجمعین سے روایت کرتے تھے - بیت المال سے دراہم سے بھری ایک تھیلی چرالی تھی - جس پر ایک شاعر نے کہا -

لقد باع شهر دينه بخريطة

فمن يامن القراء بعدك ياشهر

یعنی "شہر" نے ایک تھیلی پر اپنا دین بیچ ڈالا تو اب اے شہر! تمھارے بعد کون حفاظ قرآن پر بھروسا کرے گا؟

عباد بن منصور کے ساتھ یہ سفر حج میں تھے تو ان کا عیبہ (سوٹ کیس) چرالیا تھا - روایت میں اکثر ثقہ لوگوں سے الٹ پلٹ کر حدیثیں روایت کیا کرتے تھے غرض لا یحتج بہ کے پورے مصداق تھے -

(۸) عبداللہ بن الحسین قاضی بجستان منکر الحدیث تھے - رجعت کا عقیدہ رکھتے تھے، جو شیعوں کا مشہور عقیدہ ہے - غیر ثقہ تھے مات قبل ۲۰۰ھ -

(۹) عمرو بن الازہر العتکی قاضی جرجان - لیس بشئی - غیر ثقہ، متروک الحدیث، کان کذابا - مات ۲۰۰ھ -

(۱۰) عمرو بن حمید قاضی دینور - کان یضع الحدیث مات ۱۷۵ھ -

(۱۱) سعید بن عمرو بن اشرع الہمدانی الکوفی - قاضی کوفی - بدمذہب تھے اور تشیع میں غلو رکھتے تھے - مات ۱۲۰ھ -

(۱۲) محارب بن دسار قاضی کوفہ - کوفی تابعی - لوگوں نے توثیق تو کی ہے، مگر یہ بھی اقرار کیا ہے کہ یہ مدلس تھے - مرجیہ تھے - ان کے پاس ایسی حدیثیں تھیں، جن سے لوگ احتجاج نہیں کرتے تھے، یعنی سند نہیں سمجھتے تھے مات ۱۱۶، اور بعضوں نے ۲۲۰ھ لکھا ہے -

(۱۳) محمد بن عبداللہ بن علاثہ الحرانی یہ منصور و مہدی دونوں خلیفوں کے قاضی مشہور تھے - موضوع حدیثیں روایت کرتے تھے - ان سے احتجاج جائز نہیں - مات ۱۶۴ھ

(۱۴) یحییٰ بن سعید التیمی المدنی قاضی شیراز - ثقہ لوگوں سے موضوع حدیثیں روایت کرتے تھے - مات ۲۰۰ھ سے پہلے -

(۱۵) یحییٰ بن سعید المازنی الاسطخری قاضی شیراز موضوعات کے راوی تھے - وفات قریب ۲۰۰ھ کے -

(۱۶) یحییٰ بن سعید بن قیس قاضی مدینہ و حیرہ - تابعی تھے اس لئے ثقہ تھے، مگر مدلس تھے - ۱۴۳ یا ۱۴۴ھ میں وفات پائی -

(۱۷) یحییٰ بن یعقوب ابو طالب قاضی کوفہ منکر الحدیث تھے - ۲۰۰ سے پہلے وفات پائی -

(۱۸) یوسف بن بحر قاضی حمص - ثقہ لوگوں سے منکر حدیثیں روایت کیا کرتے تھے، جن کی کوئی دوسرا متابعت نہیں کرتا تھا مات ۱۸۳ھ میں نے ان قاضیوں کے نام قصداً یہاں نقل نہیں کئے ہیں جو کسی فرقے کے بہت بڑے امام ہیں یا محدثین میں جن کا پایہ بہت بلند ہے باوجود اس کے ان پر بھی ائمہ رجال کی جرحیں ان مذکورین سے کسی طرح کم نہیں ہیں بلکہ کتنوں سے زیادہ ہیں -

اسی طرح تیسری صدی میں بھی آپ دیکھیں تو ایسے کتنے مجروح قاضی و مفتی ملیں گے۔ مثلاً، داؤد بن ابراہیم قاضی قزوین متروک الحدیث کان یکذب مات بعد ٢٠٠ھ سلیمان بن عامر قاضی بخارا لیس بالقویٰ ترکوہ مات ٢١٠ھ سلام بن زرین قاضی الطاکیہ غیر معروف تھے، ان کی حدیثیں باطل ہیں۔ شعیب بن اسماعیل، قاضی بغداد۔ اہل سنت سے بغض اور علانیہ جہمیہ مذہب رکھتے تھے۔ مات ٢٤٠۔ عبداللہ بن بجیر الصغانی عجیب و غریب حدیثیں روایت کیا کرتے تھے۔ ان سے احتجاج جائز نہیں۔ مات قبل ٢٠٠ھ عبداللہ بن محمد بن جعفر ابو القاسم قاضی قزوین مشہور کتب حدیث میں من گھڑت حدیثیں داخل کیں اور ذلیل و رسوا ہوئے، منکر الحدیث تھے، مگر قاضی رہے ٢١٥ھ میں وفات پائی۔ ان کے جنازے میں محدثین نے شرکت نہیں کی، یہ اسناد میں شیوخ کے نام بھی بدل دیا کرتے تھے محمد بن موسیٰ ابو غزیہ قاضی مدینہ ثقہ لوگوں سے موضوع حدیثیں روایت کرتے تھے، خود بھی حدیثیں گھڑتے تھے مات ٢٠٧ھ وہب بن وہب بن کثیر قاضی بغداد۔ پھر قاضی مدینہ بھی رہے اور والی و امام بھی۔ کذاب تھے۔ بعض محدثین نے کہا ہے کہ قیامت کے دن یہ دجال کی حیثیت میں اٹھائے جائیں گے۔ حدیثیں گھڑا کرتے تھے۔ یہ قاضی القضاہ بھی بنائے گئے تھے۔ ان کی وفات ٢٠٠ھ کے بعد یا کچھ قبل ہوئی۔ احمد بن ابی داؤد خلیفہ معتصم و خلیفہ واثق کے خاص مقرر کیئے ہوئے بصرہ کے قاضی تھے۔ جہمیہ مذہب میں غلو اور اہل سنت سے سخت بغض رکھتے تھے۔ امام احمد بن حنبل نے ان پر کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ ان کے بعض شعروں سے بھی ملحدانہ خیالات کا ظہور ہوتا ہے۔ مات ٢٤٠ھ۔ اسماعیل بن زیاد قاضی موصل۔ ان کو ابن ابی زیاد بھی کہتے ہیں۔ منکر الحدیث تھے۔ ابن حجر لکھتے ہیں دجالؒ ان کا ذکر ہی

کتابوں میں جائز نہیں، مگر یہ کہ ان پر قدح و جرح کی جائے۔ کذاب تھے، حدیثیں گھڑا کرتے تھے۔ مات ٢٤٧ھ۔ یحییٰ بن اکثم بن محمد بن قطن۔ کذاب تھے۔ دجال تھے۔ ثقہ لوگوں سے عجیب عجیب حدیثیں روایت کیا کرتے تھے۔ جن کی متابعت نہیں مل سکتی کسی مسئلہ پر بولتے وقت کوئی خوشرو چھوکرا ان کے سامنے جہاں آگیا، اور ان کی نظر پڑگئی تو ان کی گفتگو خبط ربط ہو جاتی تھی۔ ایک بار سلیمان بن حرب مصری سے انہوں نے کہا کہ بعض مشائخ مصر جھوٹی حدیثیں روایت کیا کرتے ہیں، تو سلیمان بن حرب نے کہا کہ بعض قاضی ایسا فعل کیا کرتے ہیں، جس فعل پر اللہ نے ایک قوم پر عذاب نازل کیا تھا تو سر جھکا کر چپ ہو رہے، ٢٤٢ھ میں وفات پائی۔ ان ناموں کے علاوہ بھی نام ہیں، طوالت کی وجہ سے ترک کرتا ہوں۔

اسی طرح چوتھی صدی میں بھی اس قسم کے بہت سے قاضی گزرے ہیں۔ مثلاً عبداللہ بن احمد بن راشد جن کو "ابن اخت ولید" لوگ کہتے تھے دمشق کے قاضی تھے۔ اکثر رشوت لے کر فیصلے کیا کرتے تھے۔ بغدادی تھے۔ مات ٣٦٩ھ خلف بن یحییٰ الخراسانی قاضی رے۔ ابو حاتم نے ان کو کاذب قرار دیا ہے ٢٠٠ھ سے پہلے وفات پائی۔ عبداللہ بن احمد بن ربیعہ یہ بھی قاضی تھے۔ ان کو غیر ثقہ۔ کذاب لکھا ہے ٣٢٩ھ میں وفات پائی۔ عباداللہ بن معاویہ قاضی عسقلان۔ لیس بشئی۔ یہ حدیث میں کچھ بھی نہ تھے، ان سے احتجاج جائز نہیں۔ مات فی حدود ٣٢٠ھ۔ عبدالرحمن بن محمد بن علویہ الابری قاضی طوس۔ متون احادیث پر نئی نئی شخصیتوں کے نام چڑھایا کرتے تھے۔ غیر ثقہ راویوں کی جگہ ثقہ راویوں کے نام رکھدیا کرتے تھے، اور موضوع حدیثیں روایت کیا کرتے تھے۔ حاکم نے ان کی متعدد

حدیثیں لکھ کر لکھا ہے کہ یہ سب موضوع ہیں اور انہیں کی من گھڑت ہیں،
یہ کذاب تھے۔ ۳۴۲ھ۔ میں وفات پائی۔ علی بن محمد بن ابی الفہم، ابو
القاسم التنوخی قاضی اہواز، ادیب تھے، شاعر تھے، نجومی تھے، اور شراب
کے مداوم تھے۔ کبھی اس سے پرہیز کی طرف مائل نہ ہوئے۔ ۳۴۲ھ میں
وفات پائی۔ محمد بن الحسن بن علی الاشنانی القاضی۔ دار قطنی نے ان کو
ضعیف اور کاذب قرار دیا ہے۔ ابن حجر لکھتے ہیں کہ بہت سی بلائیں ان
کے ساتھ ہیں اور یہ کاذب غیر ثقہ تھے۔ ۳۳۷ھ۔ میں وفات پائی۔ محمد
بن بدر القاضی۔ مصر کے قاضی تھے۔ اور رشوت لیا کرتے تھے، جب رشوت
دینے والے کے موافق فیصلہ دیا کرتے تھے۔ مات ۳۳۰ھ۔ ابو بکر محمد بن
عمر بن محمد التمیمی قاضی موصل شیعہ تھے۔ اور ابن العمید کی مجلس میں
اس کے ساتھ شراب پیا کرتے تھے۔ ۴۰۰ھ۔ سے پہلے ان کی وفات ہے۔
محمد بن العثمان بن الحسن النصیبی قاضی کرخ۔ شیعہ تھے۔ کذاب تھے،
شیعوں کے موافق منکر حدیثیں روایت کیا کرتے تھے اور خود بھی حدیثیں
گھڑتے تھے، مات بعد ۳۵۰ھ۔ بکر بن عبداللہ بن محمد القاضی۔ منکر الحدیث
تھے۔ حاکم نے ان کی وہ حدیثیں جنھیں انھوں نے نیشاپور میں روایت کیا
تھا۔ تمثیلاً اس لئے نقل کی ہیں، تاکہ اہل علم سمجھ لیں کہ یہ حدیثیں من
گھڑت ہیں۔ ۴۰۰ھ۔ سے کچھ پہلے یا بعد کو وفات پائی ان کے علاوہ بھی
چوتھی صدی میں کچھ قاضی اس قسم کے گذرے ہیں۔

اب لیجئے پانچویں صدی کے بھی چند قاضیوں کا حال سن لیجئے۔ سعد بن
علی القاضی، ابو الوفاء، راوی صحیح بخاری۔ یعنی ایک شخص کے واسطے سے
یہ فربری سے صحیح بخاری کی روایت کرتے تھے، مگر متہم بکذب تھے۔ ایک
عجیب قیامت تو انہوں نے یہ کی کہ حضرت علیؑ سے بلا واسطہ حدیث سننے

کے مدعی تھے۔ بعضوں نے ان کا نام میم رکھا ہے، اور ان کا نام محمد بن
احمد بن علیجہ ظاہر کیا ہے، ۴۷۵ھ۔ میں وفات پائی۔ عبدالجبار بن احمد
الہمدانی قاضی رے۔ بہت بدنام تھے۔ منصب قضا کے ذریعے اس قدر مال
حاصل کیا کہ قارون وقت سمجھے جاتے تھے۔ بد باطن اور خبیث العقیدہ تھے
مات ۴۱۵ھ۔ محمد بن احمد بن حامد قاضی حلب۔ عبدالوہاب الانماطی نے
ان کو کذاب لکھا ہے۔ معتزلہ تھے۔ اور لوگوں کو اعتزال کی طرف دعوت
دیا کرتے تھے۔ محمد بن علی بن ودعان ابو النصر، قاضی موصل، کذاب تھے۔
مات ۴۹۴ھ۔ ہجیم بن محمد بن طاہر قاضی طبرستان، ان کا دعویٰ تھا کہ یہ
حضرت ابو بکرؓ کی خلافت میں پیدا ہوئے تھے۔ اور اپنے باپ کے ساتھ
حضرت علیؑ کی لڑائیوں میں ان کی طرف سے شریک ہوئے اور ۴۷۶ھ۔
تک زندہ رہے۔ عجیب و غریب حدیثیں روایت کیا کرتے تھے۔ احمد بن محمد
بن احمد قاضی بسطام خطیب نے کہا کہ یہ بعض مکروہ باتوں میں مبتلا تھے۔
ابن حجر لکھتے ہیں کہ امام مالکؒ سے ایک باطل حدیث بھی روایت کرتے
تھے۔ مات قبل ۵۰۰ھ۔ عبدالرحیم بن محمود بن الحسن بن ہبۃ اللہ القاضی
غیر ثقہ تھے۔ بعض رذیل خصلتیں ان میں تھیں۔ ۶۰۰ھ سے پہلے وفات
پائی اور ان کا سال وفات ۶۳۱ھ بھی لکھا ہے۔ محمود بن محمد القاضی، ایک
موضوع حدیث ایک خود ساختہ جن صحابی سے روایت کرتے تھے اور کہتے
تھے حدثنا عبدالنور الجنی الصحابی ۶۰۰ھ سے کچھ پہلے یا بعد کو وفات پائی۔ محمد
بن احمد بن حامد بن عبید ابو جعفر قاضی بخارا۔ غیر ثقہ۔ لا یحتج بہ تھے مات
۴۸۰ھ۔ محمد بن علی ابو یعلیٰ قاضی واسط۔ مسلسل بالخذال کی حدیث
انھیں کی من گھڑت ہے۔ خطیب نے اس کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان
کے اصول مضطرب تھے۔ ان کی کتاب میں متعدد جگہ محو واثبات کے

نشانات تھے۔ اسناد میں رد و بدل کیا کرتے تھے، اور بھی بعض باتیں خطیب نے لکھی ہیں جو ان کو سبک اور ہلکا ثابت کرتی ہیں۔

میں دوسری صدی سے لے کر آٹھویں صدی تک کے متعدد نام مذکورہ اسماء کے علاوہ پیش کر سکتا ہوں۔ جو ضعیف الحدیث ، منکر الحدیث یا وضاع و کذاب وغیرہ تھے۔ یا جو رشوت یا دوسرے خصائل ذمیمہ میں مبتلا تھے، مگر مقصود اسلاف کی معائب چینی یا ان کی توہین و تذلیل نہیں ہے۔ معاذ اللہ من ذالک۔ میرا مقصد یہ ہے کہ صرف کسی کے اہل مدینہ یا اہل مکہ ہونے سے یا کسی کے قاضی یا مفتی ہونے سے اس کو ثقہ و حجت نہ سمجھ لیا جائے۔ ھم رجال و نحن رجال وہ بھی آدمی ہی تھے ہم لوگ بھی آدمی ہیں۔ اصل سند و حجت صرف قرآن مبین ہے۔ حدیثیں جو ہمارے پاس چند راویوں کے ذریعے پہنچتی ہیں ۔ اور یہ معلوم ہے کہ راویوں میں وضاعین و کذابین کی ایک بڑی جماعت تھی اور منافقین و ملاحدہ کی ایک زبردست سازش ان روایتوں کی ٹٹی کے پیچھے بیٹھ کر اسلام کے خلاف صدیوں تک اپنا کام کرتی رہی، اور طرح طرح کے محاذ سے اسلام اور قرآن پر جھوٹی جھوٹی حدیثوں کی گولہ باری کرتی رہی۔ اس لئے جب کوئی حدیث ہمارے سامنے آئے تو ہمارا فرض ہے کہ اذا جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا جب کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی کرید کرو، تحقیق کرو کہ یہ خبر صحیح ہے یا غلط (حجرات ۱۰) اس حکم قرآنی کے مطابق ہمیں ہر حدیث کے متعلق تحقیق کرنی چاہئے جس کا سب سے بڑا اور سب سے پہلا طریقہ یہی ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ یہ حدیث قرآن مبین کے خلاف تو نہیں ہے؟ اگر قرآن مبین کے خلاف ہو تو فوراً اس کو رد کر دیں کہ یہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے اور پھر درایت کا

بھی تقاضا یہی ہے اور ایمان و دیانت کا مقتضا بھی یہی ہے، اگر قرآن کے مطابق ہو تو اس کے رجال کو دیکھیں اگر رجال اسناد ثقہ ہیں تو اس حدیث کو صحیح سمجھیں ۔ رجال غیر ثقہ یا ضعیف بھی ہوں تو سمجھیں کہ ممکن ہے کہ یہ حدیث صحیح ہی ہو، کیونکہ قرآن مجید کے بالکل مطابق ہے ۔ اور غیر ثقہ یا کذاب شخص بھی کبھی سچی بات بول دیتا ہے۔

آخر میں عرض ہے کہ قاضیوں کے متعلق میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی کتابیں تہذیب التہذیب، لسان المیزان سے اور امام ذہبی کی کتابیں تذکرہ الحفاظ اور میزان الاعتدال سے ماخوذ ہے، جس کا جی چاہے ملا کر دیکھ لے ۔ اسی طرح حدیثوں کے رجال کی تنقید میں بھی میرا اصل ماخذ یہی چاروں کتابیں ہیں ۔ بعض مضامین تقریب یا طبقات ابن سعد سے بھی ماخوذ ہو سکتے ہیں۔ جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے حوالے کہیں بھی چھوڑے نہیں ہیں۔

میں نے ان حدیثوں کی تنقید صرف روایت پرستوں کے لئے لکھی ہے کہ تابدر باید رسانید۔ ورنہ جو لوگ قرآن مجید کو کامل و مکمل سمجھتے ہیں اور ما فرطنا فی الکتاب من شئی اور نزلنا علیک الکتاب تبیاناً لکل شئی پر ایمان کامل رکھتے ہیں ان کو ان تنقیدات کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ ان کے لئے تو ان ساری حدیثوں کے غلط ہونے کی صرف یہی ایک زبردست دلیل کافی ہے کہ نزول مسیح بن مریم کا کوئی ذکر قرآن مبین میں نہیں ہے اس لئے نزول مسیح کا عقیدہ ہی باطل ہے اور یہ ساری حدیثیں یقیناً جھوٹی ہیں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو روایت پرستی کے مرض سے نجات دے اور قرآنی ہدایت سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب وصلی اللہ علی

سیدنا نبینا محمد وآلہ و صحبہ و خیارامتہ و بارک وسلم و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین۔

تمنا عمادی

سیدنا ونبینا محمد وآلہ وصحبہ وعترتہ وبارک
وسلم وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین